سنا کرتے ہیں رعد اور برق دونوں دم بخود ہو کر
پڑھا جاتا ہے جب کڑکا معین الدین چشتیؒ کا

سلطان الہند

(سوانح حیات حضور خواجہ غریب نواز سید معین الدین حسن چشتی اجمیریؒ و دیگر مشائخ چشت)

(اشاعت سوئم نئی ترتیب اور اضافہ کے ساتھ)



تصنیفِ لطیف:
صاحبزادہ پیر سید فہیم کاظمی الچشتی

حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی شخصیت ایک ایسے چمکتے دمکتے آفتاب کی مانند ہے جس کی ضیاء پاشیاں کبھی ماند نہیں پڑیں گی ۔ڈاکٹر فہیم کاظمی الچشتی کی ''سلطان الہند'' ایک تحقیقی کتاب ہے جس میں حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی زندگی کے ان گوشوں پر بھی تفصیل موجود ہے جن پر پہلے بہت کم لکھا گیا ہے۔اس کتاب سے عام قاری سے لیکر محققین تک کماحقہ استفادہ کر سکتے ہیں اس گراں قدر تحقیقی کام پر سید فہیم کاظمی الچشتی مبارک باد کے مستحق ہیں

پروفیسر ڈاکٹر سید آل اظہر آنسؔ راولپنڈی

برصغیر پاک و ہند میں اولیاء کرام کا ایک وسیع سلسلہ موجود ہے اور اس خطہ کا گوشہ گوشہ نور ہدایت سے منور کرنے میں صوفیائے کرام کے عظیم الشان کردار سے ہر ایک آگاہ ہے ۔کتاب '' سلطان الہند'' محترم سید فہیم کاظمی الچشتی کی ایک گراں قدر کاوش ہے جو بلاشبہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی پرعظمت شخصیت پر ایک جامع کتاب ہے

مخدوم سید راشد شبیر حیدر بخاری
سجادہ نشین دربار حضرت شبیر حیدر بخاریؒ اوچشریف

سلطان الہند

تصنیفِ لطیف: صاحبزادہ پیر سید فہیم کاظمی الچشتی

سلطان الہند

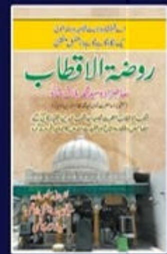




محبّی و مخلصی سید فہیم رضا چشتی الکاظمی نے اپنی دلکش کتاب ''سلطان الہند'' میں شستہ زبان اور اپنے بزرگان چشت اہلِ بہشت کی محبت کو اساس بنا کر حضور خواجہ غریب نواز سیدنا معین الدین چشتی اجمیریؒ کی سوانح حیات جس علمی ،ادبی اور تحقیقی اسلوب میں یکجا کی ہے، وہ ہر اعتبار سے تشنگان علم و تحقیق اور وابستگان چشت کیلئے باعثِ اطمینانِ قلبی ہے ۔مصنف نے محدود صفحات میں کمال خوبی سے خواجہء بزرگؒ کی زندگی کے وہ تمام واقعات جمع کر دیے، جن کا مطالعہ آج بھی قاری پر وجدانی کیفیت طاری کر دیتا ہے اور اس کا دل فرط محبت اولیائے عظام کی عظمت وایثار کے ساتھ سر تسلیم خم کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

خیر اندیش

پیر طریقت رہبرِ شریعت شیخ المشائخ
پیر سید دیوان آلِ حبیب علی چشتی الکاظمی
(چیف آف ساداتِ کاظمی الچشتی پاک و ہند)
سجادہ نشین درگاہِ معلی سلطان الہند خواجہ غریب نوازؒ اجمیر شریف





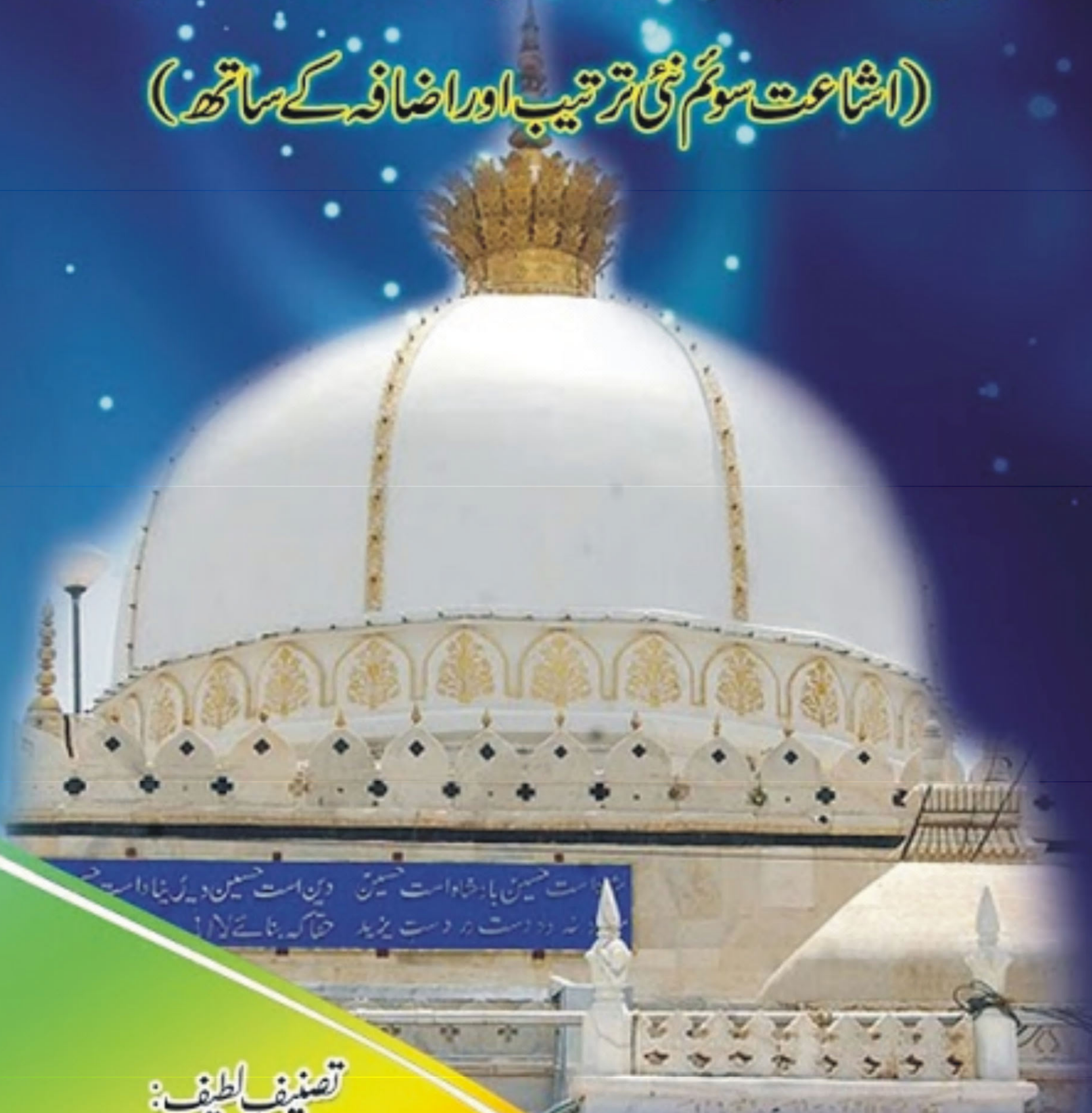
مصنف کی غیر مطبوعہ تصانیف
شجرہ نور المعروف کوثر النبیؐ (شجرہ نسب)
مودّت (شاعری)
وظیفہ (دعائیں)
چاندراتوں کی قسم (شعری مجموعہ)

سنا کرتے ہیں رعد اور برق دونوں دم بخود ہو کر
پڑھا جاتا ہے جب کڑکا معین الدین چشتیؒ کا

سلطان الہند

(سوانح حیات حضور خواجہ غریب نواز سید معین الدین حسن چشتی اجمیریؒ و دیگر مشائخ چشت)

(اشاعت سوئم نئی ترتیب اور اضافہ کے ساتھ)



تصنیفِ لطیف:
صاحبزادہ پیر سید فہیم کاظمی الچشتی

سنا کرتے ہیں رعد اور برق دونوں دم بخو دہو کر
پڑھا جاتا ہے جب کڑکا معین الدین چشتیؒ کا

سلطان الہند

(سوانح حیات حضور خواجہ غریب نواز سید معین الدین حسن چشتی اجمیریؒ
ودیگر مشائخ چشت)

(اشاعت سوئم نئی ترتیب اور اضافہ کے ساتھ)

تصنیفِ لطیف:
صاحبزادہ پیر سید فہیم کاظمی الچشتی

ناشر سلطان الہند خواجہ غریب نواز فاؤنڈیشن
0300-3738564 - 0300-8383592

نام کتاب ------- سلطان الہند

مصنف ------- سید احمد فہیم کاظمی المعروف فہیم رضا کاظمی اچشتی

ادبی نام ------- فہیم کاظمی

ترتیب وتزئین وآرائش -- سید نوشاد کاظمی

کمپوزنگ ------- فضل عباس مغل، محمد یونس عطاری

ٹائٹل ------- ایم عرفان

زیر اہتمام ------- جگنو انٹرنیشنل لاہور

باراوّل ------- اپریل 2013ء حرف اکادمی راولپنڈی

بار دوم ------- اکتوبر 2014ء تہذیب انٹرنیشنل پبلی کیشنز

بار سوئم ------- اکتوبر 2017ء

تعداد ------- 500

صفحات ------- 304

ہدیہ ------- 500

Price:Dollar 10 , Pond 10

تقسیم کار

تہذیب انٹرنیشنل پبلیکیشنز

بہاولپور، لاہور، اسلام آباد، کراچی

0300-8881856 - 0333-4076188

باقر پبلیکیشنز لاہور

انتساب اول

پیر کامل سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

انتساب دوم

پر دادا سید عبدالعلی عرف چراغ علی شاہ المعروف سوہنے شاہؒ

دادا سید سردار علی شاہؒ ، سید نواز علی شاہؒ

والد بزرگوار سید محمد ایوب علی شاہؒ چشتی الکاظمی

انتساب سوم

پیر طریقت رہبر شریعت

دیوان سید آل حبیب علی چشتی الکاظمی مدظلہ العالی

سجادہ نشین درگاہ معلیٰ حضرت خواجہ خواجگان غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ

سے منسوب کرتا ہوں۔

عقیدت

مطلع ء فکر ہے احمدؐ کی ضیاء سے روشن
شیشہء قلب ہے حیدرؑ کی جلاء سے روشن
دیدہ ء چشم ہے زہراؑ کی دعا سے روشن
چشمہ ء روح ہے پنجتن کی ثناء سے روشن
ذکر اولاد علیؑ سے جو زباں روشن ہے
" جودت فکر سے انداز بیاں روشن ہے"

معین الدینؒ نے مجھ کو بھی آگہی بخشی
کمال لطف سے ذرے کو روشنی بخشی
سکون قلب دیا روح کو خوشی بخشی
کلام کو میرے پھولوں کی تازگی بخشی
زباں کے تار میں لعل و گہر پروتا ہوں
ولا کے ہار میں شمس و قمر پروتا ہوں

قصر فردوس بریں شاہ کی شاہی سے ملا
جو ملا مجھکو وہ اجمیر کے ماہیؒ سے ملا

(فہیم کاظمی)

فہرست کتاب "سلطان الہند"

تاثرات

﴿باب اول﴾

برصغیر پاک و ہند میں صوفیائے کرام کی تاریخ پر مختصر نظر

﴿باب دوئم﴾

تصوف کی تمہید و حقائق

﴿باب سوئم﴾

خاندانی حالات، تعلیم و تربیت

﴿باب چہارم﴾

اثبات وشواہد اولادِ خواجہؒ

﴿باب پنجم﴾

کشف وکرامات

﴿باب ششم﴾

سلطان الہند کی تصانیف اور خلفاء و متابعین

﴿ باب ہفتم ﴾

تعمیرات مزار خواجہ و دیگر تاریخی عمارات و جائے مدفن ممتاز شخصیات

﴿ باب ہشتم ﴾

سلطان الہند کے مزار اور خدمت میں حاضر ہونے والے ممتاز بزرگ و شخصیات

﴿ باب نہم ﴾

اجمیر میں حضرت سلطان الہندؒ کے شب وروز،

معمولات زندگی و تلقین وارشادات۔

دیباچہ اشاعت سوئم

آبروئے ما زنامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم است

یا سیدنا صلی اللہ علیک یا محمد نور من نور اللہ

تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ دنیا کے بیشتر براعظموں میں اہل باطن بزرگوں نے اسلام اور توحید کی قندیلیں روشن کیں۔ بے شک سلاطین نے ممالک فتح کیے، لیکن دلوں کی تسخیر صوفیائے کرام نے ہی کی۔ جن خطوں کو صوفیائے کرام نے اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا، صدیاں گزرنے کے باوجود آج بھی ان خطوں میں بسنے والے مسلمانوں میں اسلام کا گہرا تشخص موجود ہے۔ یہ خطے اغیار کے زیرنگیں ہوئے۔ ان پر صدیوں غیر مسلم قابض رہے، لیکن صوفیائے کرام نے لوگوں کے دلوں میں توحید کا ایک ایسا دائمی نقش جاگزیں کر دیا کہ جس میں سرمو فرق نہیں آیا۔ آپ برصغیر پاک وہند کو ہی دیکھ لیں، یہاں انگریز طویل عرصہ قابض رہا، لیکن اسلامی تشخص میں ذرہ بھر بھی فرق نہ لا سکا۔

تقریباً ساڑھے آٹھ صدیاں گزرنے کے باوجود حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویریؒ کا لوگوں کے دلوں میں جو مقام، عظمت، حرمت وتقدس ہے، اس میں رتی بھر فرق نہیں آیا۔ اسی طرح ہندوستان کے دیگر علاقوں میں جن شہروں کو اولیائے کرام نے اپنا مسکن بنایا، وہاں آج بھی لوگوں کی بہت بڑی تعداد ان سے والہانہ عقیدت رکھتی ہے اور اس میں مذہب وملت کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی غریب نوازؒ، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ دہلوی، حضرت بابا فرید الدین مسعود شکر گنجؒ، حضرت نظام الدین اولیاء، حضرت مخدوم علاؤالدین علی احمد صابر کلیریؒ سے جس طرح مسلمان عقیدت رکھتے ہیں، اس طرح ہندو بھی عقیدت رکھتے ہیں۔ کم وبیش یہی حال دنیا کے دیگر براعظموں میں ہے، جن کو اولیائے کرام نے اپنی مساعی کے لیے منتخب کیا۔ اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے خطے جو ان اولیائے کرام کی مساعی سے محروم رہ گئے، وہاں رفتہ رفتہ

اسلامی تعلیمات کا سلسلہ معدوم ہوگیا اور کوئی بھی اسلام کا نام لیوا نہ رہا۔ ہمارے سامنے ایک بڑی مثال اسپین واندلس کی ہے۔ وہاں کوئی خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نہیں تھے تو وہاں سے مسلمانوں کا نام ونشان مٹ گیا۔

سقوط بغداد کے بعد جب تاتاریوں کے ہاتھوں اسلام سخت خطرے میں پڑ گیا، وہاں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک اللہ والے کی مساعی سے حملہ آور ہی اسلام کے پاسبان بن گئے۔ موجودہ دور سائنسی ترقی اور علمی موشگافیوں کا ہوشربا دور ہے، لیکن بے شمار اسرار سے سائنس پردہ نہیں اٹھا سکی۔ عناصر کی ہیت ترکیبی اور لگ بھگ دو کھرب سیلز کا مجموعہ انسانی دماغ باشعور کس طرح بن جاتا ہے؟ اس کے اندر تنوع، ندرت خیال، نغمگی اور انواع و اقسام کے جذبات کیوں پیدا ہو جاتے ہیں۔ ہماری موجودہ سائنس کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔ ان اسرار سے پردہ صوفیائے کرام نے اٹھایا ہے۔ آج بھی اہل تصوف کی لکھی ہوئی کتب، ان کی مقدس زندگیوں کے روح پرور واقعات پوری نوع انسانی کو دعوت فکر دیتے ہیں کہ وہ ان کو سمجھا وران سے اپنی زندگیوں کو منور کر کے راہنمائی حاصل کرے۔

الحمد اللہ کتاب "سلطان الہند" کے اشاعت سوئم کی طباعت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ سلطان الہند کے پہلے ایڈیشن کو قارئین کرام کی جانب سے بھرپور پذیرائی ملی تو دوسرے ایڈیشن میں چند ابواب کا اضافہ کیا گیا اور تیسرے ایڈیشن میں کتاب کو از سر نو ترتیب دے کر ابواب بندی کے علاوہ چند عنوانات کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔

محترم سید نوشاد کاظمی کا بیحد ممنون ہوں جنہوں نے اس اشاعت سوئم کی فہرست بنائی اور ابواب بندی وعنوانی بندی کی تا کہ قارئین کرام کو مطالعہ میں آسانی رہے۔ فقیر (مصنف) نے حتی المقدور کوشش کی ہے کہ کتاب میں کمپوزنگ کی غلطیاں نہ ہوں، لیکن پھر بھی کتاب ایسی غلطیوں سے مبرا نہیں ہوگی، جس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔

سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نوازؒ پر ہزاروں کتابیں لکھی جا چکی ہیں، لیکن راقم الحروف کے دل میں بھی یہ جذبہ جاگزیں تھا کہ بندہ بھی جناب سلطان الہند کی ذات

گرامی پر کچھ لکھے اور اس جذبہ کا اظہار اس کتاب کی صورت میں آپ کے سامنے ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ یہ کتاب سالکین اور تصوف سے رغبت رکھنے والے محققین و قارئین کے لیے مفید ثابت ہو۔ میں اپنے تمام کرم فرماؤں، خصوصاً بہن محترمہ ایم زیڈ کنول، محترمہ دُردانہ نوشین خان، جناب سید اعجاز کاظمی، سید نوشاد کاظمی (آزاد کشمیر) اور بھائی حاجی نصیر الحسن چشتی، سیدن علی چشتی (چوآسیدن شاہ) کا خصوصی طور پر شکر گزار رہوں کہ جنہوں نے اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن کی طباعت میں بھرپور تعاون کیا۔ یقیناً اس کتاب کی طباعت سلطان الہند خواجہ غریب نوازؒ اور بزرگانِ چشت کی خصوصی نظر کرم کی بدولت ممکن ہوئی ہے۔ ورنہ مجھ جیسا سراپا تقصیر یہ جرات کیسے کر سکتا تھا۔

بخشش جتنا قدر نہ میرا میرے صاحب نوں وڈے یائیاں
میں گلیاں دا روڑا، کوڑا محل چڑھایا سائیاں

خاک پائے
حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز
سید معین الدین چشتی اجمیریؒ
سید فہیم رضا کاظمی الچشتی عفی عنہٗ
اکتوبر 2017ء

دیباچہ (اشاعت دوم)

ہمارے جدی و مولائی خواجہ خواجگان سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز سید معین الدین حسن چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی حیات اقدس کے ہر پہلو کو فقیر نے ظلمات دہر میں نور کی روشنی محسوس کیا اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ خواجہ غریب نوازؒ نے کفرستان ہند میں دین حقہ کی نورانی کرنوں کے اُجالے پھیلائے اور نور حق کی ضیاؤں سے تاریک سے تاریک گوشوں کو بھی منور کیا "سلطان الہند" میں فقیر (مصنف) نے سرکار غریب نواز کی حیات مقدسہ کے تمام قابل تقلید پہلوؤں کو سمونے کی کوشش کی ہے۔نئی نسل اسلام اور اولیاء کرام کی خدمات اور تعلیمات سے نابلد ہے سلطان الہند کی اشاعت کا اہم مقصد بھی یہی ہے کہ نئی نسل اسلام "اصحاب و آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" اور اولیاء کرام کی خدمات اور تعلیمات سے روشناس ہو فقیر نے اس کے تحقیقی پہلو کو صرف تحقیق و تدقیق کی حد تک دیکھا ہے اور اس تحقیق پر مزید تحقیق کی ضرورت اس لئے محسوس نہیں کی کہ سرکار غریب نوازؒ کی زندگی محض سن پیدائش، مقام ولادت یا اس نوع کے دوسرے گوشوں کے باعث متنازعہ ہو کر نہ رہ جائے کیونکہ انتہا پسند محققین کا ایک انداز یہ بھی ہے کہ وہ بزرگان دین کے حالات زندگی مرتب کرتے وقت مؤرخین کی غلطیوں کو اس انداز سے منظر عام پر لاتے ہیں کہ قاری کسی نتیجے پر پہنچنے کی بجائے تذبذب کا شکار ہو جاتا ہے۔نئی نسل کے اسلام اور بزرگان دین کی تعلیمات سے برگشتہ ہونے کی اہم وجہ جہاں انٹرنیٹ ہے وہاں تحقیقی و علمی انداز فکر اور عام فہم زبان کا فقدان بھی ہے۔فقیر نے "سلطان الہند" میں عام فہم اور سادہ زبان میں سرکار غریب نواز کی حیات مقدسہ کے مختلف گوشوں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے خصوصاً شجرہ نسب کے حوالے

سے ... "سلطان الہند" کے آخری صفحات پر فقیر نے مصادر لکھ دیے ہیں۔سر کار حضرت خواجہ غریب نوازؒ پر اب تک ہزاروں کتابیں لکھی گئی ہیں فقیر نے کتاب کے ماخذات میں جن کتابوں کے نام لکھے ہیں ان کے سن وار ترتیب کا خیال قصداً نہیں رکھا ان کتابوں کے نام اس اعتبار سے لکھے ہیں کہ قدیم اور جدید تذکرے الگ رہیں اور سر کار خواجہ غریب نوازؒ کی سوانح حیات پر لکھی گئی کتابیں الگ۔جن کتابوں میں سر کار غریب نوازؒ کی زندگی اور اسلامی تعلیمات کے بارے میں کہیں کہیں حوالے موجود ہیں ان کا ذکر بھی الگ یکجا ہے اور اس بے ترتیبی کا مقصد یہ ہے کہ "سلطان الہند" سر کار غریب نوازؒ کی زندگی کے کسی خاص موضوع کا مطالعہ کرنے والوں کو آسانی رہے ... "سلطان الہند" کے پہلے ایڈیشن کو قارئین کی جانب سے بھر پور پذیرائی ملی جس کے پیش نظر اب دوسرے ایڈیشن میں تصوف کے حوالے سے نئے باب کا اضافہ کر رہا ہوں علاوہ ازیں آپ کے ارشادات عالیہ اور آپ کے مکتوبات شامل ہیں، نئے ایڈیشن میں پروف ریڈنگ کی خامیوں کو درست کرنے کی کوشش کی ہے شب و روز کی انتھک محنت اور سر کار غریب نوازؒ کی نظر کرم سے چند روز میں ہی پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھوں تقسیم ہو گیا اور شدت سے دوسرے ایڈیشن کی کمی محسوس کی جانے لگی انتہائی قلیل مدت میں سیکنڈ ایڈیشن آپ کی بھر پور محبت اور نوازش ناموں کی بدولت حاضر ہے۔محترمہ ایم زیڈ کنول، جناب شفیق مراد، جناب اکبر بخاری اور محترم سید اعجاز کاظمی و دیگر احباب سخن کی محبتوں کا مقروض ہوں جن کی حوصلہ افزائی اور مشاورت مشعل راہ رہی۔

فقیر درگاہ معلی

حضرت خواجہ خواجگان سلطان الہند غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ

فقیر سید فہیم کاظمی الچشتی عفی عنہ

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صلی اللہ علی حبیبہ محمد و آلہ وسلم

آبروئے ما زِ نامِ مصطفیٰ است ﷺ

سرِ حق را بیاں معین الدینؒ
بے نشاں را نشاں معین الدینؒ

ہمارے جدی و مولائی خواجہ خواجگان سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز سید معین الدین حسن چشتی سنجری اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بحکم سید الانبیاء حضور پُر نور جناب نبی اکرم شفیع اُمم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ،کفرستان ہند کو اپنے بابرکت قدموں سے نوازا اور سرکارِ ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خواجہؒ کو برصغیر پاک و ہند کی باطنی حکومت کی سلطانی کا سہرا زیب سر فرما کر روانہ فرمایا تھا۔چنانچہ حضرت خواجہؒ کے ورودِ مسعود کے وقت سے برصغیر پاک و ہند حضرت چشتیہ بہشتیہ ہی کی ولایت ہے اور آئندہ بھی یہاں ان ہی کی حکومت رہے گی اور یہاں کے تمام باطنی نظام کے مختارِ کُل حضرت خواجہ سید معین الدین چشتیؒ ہیں اور رہیں گے (انشاء اللہ تعالیٰ) اکابر اولیاء اللہ میں سے جس ہستی کے تذکار ،جس نائب رسول فی الہند کے روحانی فیض اور جس مبلغ اسلام کا اُسوۂ حسنہ ہماری دینی و دنیاوی فلاح اور ظاہری اور باطنی اصلاح کا ذریعہ ہو سکتا ہے، وہ ذاتِ گرامی ہے حضرت خواجہ بزرگ اجمیری قدس سرہ کی۔انہوں نے حضرت سید علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ

علیہ کے بعد مگر نہایت وسعت و ہمہ گیری کے ساتھ اسلام کی تبلیغ کی۔جس کی مثال اولیاء اللہ کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔حضرت خواجہ بزرگ ہی کی تبلیغ کا اثر ہے کہ آج پاکستان اور ہندوستان میں کروڑہا مسلمان لا الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ورد کر رہے ہیں۔گویا ان ہی کے فیضانِ نظر کے بدولت یہاں کفر کفر اور اسلام اسلام کا نظریہ نہیں بلکہ عقیدۂ عملی صورت میں نظر آیا اور "ملت از وطن است" کا غیر اسلامی نظریہ خاک میں مل گیا۔

سرکار غریب نواز ؒ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت میں آنے کے بعد ان ہی کے حکم سے اجمیر شریف تشریف لائے۔اس وقت برصغیر کے گوشے گوشے میں کفر و ضلالت کی تیرگی پھیلی ہوئی تھی۔آپ نے باطل کے پندار کا طلسم توڑا، جہلا کے بتوں کو پاش پاش کیا حتیٰ کہ آپ کے بابرکت قدموں سے یہاں وہاں، جہاں تہاں روشنی ہی روشنی پھیل گئی۔معین الدین لقب پایا۔ولی ہند کہلائے۔حبیب اللہ کا خطاب ملا۔

آپ خواجہ بزرگ سلطان الہند پر بندۂ ناچیز کی کاوش سے قبل کئی کتب تصانیف کی گئیں اور ہر کسی نے حالات و واقعات کو اپنے اپنے انداز میں پیش کیا اور نسب نامے کے حوالے سے بھی حضرت خواجہ بزرگ کے نسب میں اختلاف دیکھنے کو ملا۔افسوس صد افسوس کہ کچھ مقام پر آپ کی اولاد کا بطلان کیا گیا۔

اکبر بادشاہ کا اہم رتن ابو الفضل مجاوران (خدام) کا قریبی رشتہ دار تھا،جس نے خداموں کو جاگیروں سے نوازا اور دربار عالیہ پر تخت نشین کیا۔خواجہ بزرگ کی اولاد کو سجادہ نشینی سے محروم اور اجمیر سے بدر کیا اور ان پر ظلم و ستم ڈھایا۔حتیٰ کہ حضرت مجدد الف ثانی ؒ اور کئی بزرگوں کو جیل میں ڈالا گیا۔مجاوران (خدام) عہد اکبری سے لیکر آج تک خواجہ غریب نواز کی اولاد کا بطلان کرتے آئے ہیں۔

لمحہ فکریہ ہے کہ ان خداموں کے آقا اکبر بادشاہ کو اولاد جیسی نعمت سے نوازنے اور لاکھوں کروڑوں عقیدت مندوں کو فیض یاب کرنے والی ہستی کی اولاد بے ثمر کیسے ہو سکتی ہے۔

آپ کے نام و نشان کو مٹانے کی ناکام کوشش کے باوجود آج بھی حضرت خواجہ بزرگ ؒ

کے نسب سے برصغیر میں ہزاروں چراغ روشن ہیں اور نسب نامے کے حوالے سے بھی زندہ اور پختہ ثبوت رکھتے ہیں، دراصل بنو امیہ، بنو عباس کے دور سے لیکر اور پھر اکبر بادشاہ کی حکومت سے آج تک مذموم عزائم کے حامل عناصر سادات کو منتشر کرنے اور خود برسر اقتدار رہنے کی پالیسی پر کاربند رہے ہیں۔ بیشمار شہادتوں، قید وبند اور ہجرتوں کے باوجود آج تک آل نبیؐ اولادِ علی کا نام ونشان ختم کرنے کی ناکام کوششیں جاری ہیں۔ انہیں حالات کے پیشِ نظر گمنامی کی زندگی بسر کرنے دربدری کے باعث ماہرین انساب کے نسب ناموں میں آج بھی کافی پیچیدگیاں پائی جاتی ہیں۔ مختصر یہ کہ حضرت خواجہ غریب نواز کے وارث آج بھی دربدر ہیں اور دربار عالیہ پر خدام قابض ہیں اور مالک ومختار بنے ہوئے ہیں۔ آخر میں فقیر (مصنف) کا اولین فریضہ ہے کہ اس کتاب "سلطان الہند" کو طباعت واشاعت کی منزلوں تک جن بزرگوں اور احباب نے فقیر (مصنف) سے مشفقانہ تعاون کیا اور حوصلہ افزائی فرمائی ان کا شکریہ ادا کرے۔

ان میں قابل صد احترام جناب کرنل (ر) سید مقبول حسین کاظمی حرف اکیڈمی راولپنڈی، پیر عبداللہ غلام مجدد سرہندی سجادہ نشین درگاہ مٹیاری شریف سندھ، سید اعجاز حسین کاظمی اوچشریف، جناب سید اکبر بخاری شجاع آباد، محترمہ ایم زیڈ کنول لاہور، محترمہ حجاب عباسی کراچی، سید ابن عظیم فاطمی کراچی، پروفیسر ڈاکٹر سید آل اظہر آئنس راولپنڈی، میجر احمد نواز، میجر سید اسد کاظمی، پیارے بھائی فضل عباس مغل اور احمد ملک نے اس کتاب کیلئے مفید مشوروں سے نوازا، ان تمام احباب کا دلی شکر گزار ہوں اور محترم بھائی خالد علی (شمع بک ایجنسی کراچی) کا بے حد ممنون ہوں کہ جن کی بدولت یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

"سلطان الہند" سرکار غریب نواز پر فقیر کی کاوش کس حد تک کامیاب ہوئی اس کا فیصلہ سرکار غریب نوازؒ کے شیدائیوں پر ہے جو قاری ہونے کے ساتھ ساتھ تحقیقی نظر بھی رکھتے ہیں۔

فقیر (مصنف) کیلئے دعائے مغفرت کی استدعا ہے۔

اللہ پاک امت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متحد فرمائے اور پاکستان کو سلامت رکھے۔آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اولاد خواجہ غریب نواز ؒ
(فقیر سید فہیم چشتی الکاظمی عفی عنہ) سلسلہ چشتیہ
0092-3003738564 - 3334076188 - 03008881856
syedfaheemkazmi@gmail.com,
shah.e.ajmair@gmail.com

اپریل 2013ء

پسِ منظر.........

''سلطان الہند'' حضرت خواجہ غریب نواز سید معین الدین حسن چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی حیات اقدس پر تیسرے ایڈیشن کی اشاعت پر سید فہیم کاظمی بلاشبہ خراج تحسین کے لائق ہیں ایک تسلسل کے ساتھ قلیل عرصہ میں تیسری اشاعت آپ سرکارؒ سے بے پناہ عشق اور روحانی وابستگی کا منہ بولتا ثبوت ہے اور اسی عقیدت نے صاحبِ تصنیف کی تشنگی کو زندہ رکھا اور حضور خواجہ غریب نوازؒ کی زندگی کے ہر پہلو کو اُجاگر کرنے کیلئے شب و روز محنت کی۔ ''سلطان الہند'' مصنف کی دیگر کاوشوں میں سے ایک منفرد مقام، روحانی سوچ کا آئینہ اور مرکز ہے۔ مطالعہ شخصیت کی تعمیر میں انتہائی مثبت رول ادا کرتا ہے اور اُس کی مہک افراد سے ہوتی ہوئی پورے معاشرے کو معطر کر دیتی ہے۔

مگر بہت سے چراغ کتابوں کی صورت میں کسی بند لائبریری کی طویل اندھیری راہداریوں میں رکھے ہوئے شیلفوں میں پڑے ہیں، اِنہیں چراغوں کو تلاش کر کے بزرگانِ دین کی خدمات اور کرامات کو آسان اور سلیس اُردو میں پیش کر کے قارئین کے ذہن کو منور کرنے کا سہرا فہیم کاظمی کے سر ہے بقولِ شاعر

بدل گئی ہیں کتابیں سبق کچھ اور ہوئے
گرا ہے جتنا لہو شاملِ نصاب ہوا

ادبی زندگی کے تسلسل اور اِرتقاء کو سمجھنے کیلئے ہر انسان اِس بے انت سمندر سے کسی بھی شاعر اور مصنف کو اُس کے ادب کے حوالے سے دیکھتا اور سمجھتا ہے، کہنے کا مقصد ہے پسِ منظر سے نہیں پیشِ منظر سے.... ہزاروں کتابیں چھپتی ہیں اور اُن میں نامور شخصیات کے تبصرے کتاب کے مضمون پر تحریر کیے جاتے ہیں، مگر صاحبِ تصنیف پر کم ہی لکھا جاتا ہے۔ میں فہیم کاظمی کی ذاتی زندگی کے متعلق عرض کرنا چاہتا ہوں میں اِن کے والدِ مرحوم کا ہم عصر اور کلاس فیلو رہا ہوں اور بعد میں کچھ عرصہ فہیم کاظمی کی علمی ادبی بزم فروغِ ادب فاؤنڈیشن سے منسلک بھی رہا، بہت قریب ہونے کی وجہ سے میں اِنہیں اچھی طرح سے جانتا ہوں، علمی

و ادبی شوق کم عمری سے ہی تھا، معاشی حالات کچھ بہتر نہ تھے۔ اِن کے والدِ محترم 15/20 سال سے گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر کے آخرت کو سدھار گئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اِنہیں اپنی رحمتوں سے مالا مال کرے (آمین) کم عمری میں گھریلوں ذمہ داریاں، باقاعدہ روزگار کا نہ ہونا، ایسے حالات میں اپنے بزرگوں کے مشن سے جڑے رہنا اور جنونی حد تک اپنے موقف پر قائم رہنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں، کئی بار میں نے محسوس کیا جب صاحبِ ذوق حضرات ملاقات کی غرض سے تشریف لاتے اور فہیم کاظمی کو دیکھتے ہی دنگ رہ جاتے کہ اِس عمر میں تصوف پہ کلام اور کئی نگارشات کا مصنف ہونا...! حیرت ہے: اور کئی بار اِس خیال کا اظہار بھی کیا گیا کہ آپ لگ بھگ 35/40 کے ہوں گے مگر ہمارے خیال میں یہ تھا کہ آپ 65/70 کے ہونگے، کچھ مخالفین شبہات بھی رکھتے تھے کہ یہ تمام کاوشیں آپ کی ہیں بھی کہ نہیں...؟ اِن تمام حالات کے باوجود آپ دل برداشتہ نہیں ہوئے، میں نے اِتنا مستقل مزاج اور اپنے مشن سے مخلص شخص پہلے کبھی نہیں دیکھا... بزرگ فرماتے ہیں کہ مستقل مزاجی بھی آدھی فقیری ہے، آخر میں یہی عرض کرونگا کہ وسائل نہ ہونے کے باوجود تمام مراحل کی بروقت تکمیل یقیناً حضرت خواجہ غریب نواز سید معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ سے والہانہ محبت اور عقیدت کا ثمر اور عنایت کا نتیجہ ہے۔

خیر اندیش
سید اعجاز کاظمی اوچ شریف
حال رحیم یار خان

این جرس از کاروانِ دیگر ست

ترحل عن مقام الزهد قلبي
فانت الحق وحدت في شهودي
الزهد في سواك وليس شيء
اراه سواك يا سر الوجود

میرا دل مقام زہد سے کوچ کر گیا ہے۔ میرے شہود میں فقط تو ہی ہے تیرے بغیر کس چیز میں زہد اختیار کیا جائے حالانکہ اے سر وجود تیرے بغیر کوئی چیز نظر نہیں آتی:

تاریخ کے اوراق میں ہند اور سندھ کا تعلق کچھ بھی ہو۔ مگر ملک سندھ اور ہند کی تہذیبی ثقافتی ہم آہنگی اور مماثلت کے زیر اثر وہ تمام قومیں ہیں چہ جائیکہ وہ یہاں کی مقامی ہوں یا پھر ہجرت کر کے سکونت پذیر ہوئیں ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ ہند اور سندھ کے صوفیاء کرام نے بھی مقامی اثر کو اپنی فکر و خیال میں ڈھال کر اسلام کی اصل روح کو عام کرنے کی کوشش کی اور مختلف مکتبہ فکر و مذہب کے پیرو کارونے ان کی انسانی بلند خیالی کو اپناتے ہوئے اسلام کو روشن خیال مذہب سمجھا اور رحمۃ العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیرو کاروں کے مثبت کردار سے امام الانبیاء والمسلمین حضرت سیدنا رحمۃ العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عالم خلق کے لئے نجات دہندہ جانا صوفیاءِ کرام کی بنیادی ترجیح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان پاک کے مطابق رہی ہے کہ آدمی کے لئے یہ شر کافی ہے کہ وہ اپنے بھائی کو حقیر سمجھے!!

عبارا تھم شتی وحسنک واحد؛
وکل الی ذاک الجمال یشیر،

اِس کی عبارتیں مختلف ہیں اور تمہارا حسن سرمدی یکتا ہے اور ان میں سے ہر ایک اس کے جہان کو جمال دینے والے کی طرف اشارہ کر رہا ہے،

حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز قدس سرہ چشتیہ سلسلہ میں حضرت مجدد القشانی

قدس سرہ کے بارھویں مرشد ہیں۔

اس لحاظ سے حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ بذات خود گا ہے بگا ہے حضرت سلطان الہند رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر انوار پر حاضری دیتے رہتے تھے،

آپ رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ خواجہ محمد حاشم کشمی سے روایت ہے، کہ دین اکبری کے خلاف جہاد کے پاداش میں جہانگیر بادشاہ کے حکم پر عائد ممانعت و پابندی کے دوران آپ کی حاضری مزار پر انوار حضرت خواجہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ پر ہوئی تو حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ دیر تک وہاں مراقب رہے، اُس مراقبے میں حضرت خواجہ رحمتہ علیہ نے فرمایا کہ! اس لشکر سے نجات کی کوشش نہیں کریں، اور خود کو خدا کی رضا پر چھوڑ دیں، یہی وجہ ہے کہ مجدد الف ثانی رحمتہ علیہ کے پیروکاران کی اولاد و احفاد خصوصی کی نیت کے ساتھ حضرت خواجہ صاحب رحمتہ علیہ کی زیارت کو حاضر ہوتے رہتے ہیں، خود میرے قبلتی مرشدی و والدی محب المساکین شاہ غلام رسول سرہندی نے جہاں دہلی میں مرشد حق خواجہ باقی باللہ رحمتہ علیہ کے مزار یا پھر مجدد الف ثانی رحمتہ علیہ کے مزار یا قیوم جہاں شاہ صفی اللہ رحمتہ علیہ کے خلیفہ مخدوم محمد ابراہیم ماڑوی (کچھ بجھ) کے مزار یا پھر خواجہ فضل معصوم رحمتہ علیہ (پالن پور گجرات انڈیا) کے مزارات پر چلے کاٹے وہاں اجمیر شریف جا کر حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز کے مزار پر بھی چلہ کاٹا۔

احمد اناگم نہ کردی حوش دار

این جرس ازا کاروان دیگرست

میرے دوست سیادت مآب جناب ڈاکٹر سید فہیم کاظمی دامت فیوضھم نے اپنی نسبت کے زیر اثر یہ دقیق کتاب تالیف کر کے اپنی نجات کی راہ تو ضرور ہموار کی مگر تمام صوفیاء کرام کے چاہنے والوں پر احسان عظیم کیا ہے، اور اس افراتفری کے دور میں سلاسل کی بڑھتی دوریوں کو قریب لانے کی کوشش کی ہے، اور اپنے روشن خیالی سے یہ ثابت کیا ہے، کہ تمام صوفیان کرام اللہ کی مخلوق سے محبت کرنے والے ہیں، وہ جانتے ہیں، ونحن اقرب من حبل الورید، بیشک اللہ پاک سب سے قریب ہے،

دل بدست آور د کہ حج اکبرست

ازہزاراں کعبہ یک دل بہتر ست

اللہ جل شانہ بطفیل سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصوفیاء کرام رحمتہ اللہ علیہم اجمعین محترم فہیم شاہ صاحب کی یہ کوشش قبول اور دین ودنیا کی بھلائی عطافرمائے۔

آمین یارب العالمین

زاویہ نشین

احقر العباد(عبداللہ)غلام مجدد

فاروقی مجددی معصومی پیر سرہندی

سجادہ نشین درگاہ پیر سرہندی مجددی ٹیاری

وسجادہ نشین درگاہ حضرت فضل معصوم مجددی سرہندی

پالن پور گجرات (انڈیا)

Email:pirghulammujaddidsarhandi@yahoo.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم!

خانوادہ حضرت خواجہ سید معین الدین چشتیؒ کے روشن چشم چراغ

گر دشت جنون من جبرائیل زبوں صید

یزداں با کمند آور اے ہمت مرداناں

(علامہ اقبال)

راہ سلوک کی پہلی اور آخری منزل عرفان و وصال ذات الٰہی ہے باقی اس راہ میں جو بھی کچھ ہے رکاوٹ کے زمرے میں آتا ہے۔ حجاب ہے یہ دنیا یہاں کا سب کچھ مال و متاع والدین، اولاد، حج، جہاد، زکوٰۃ، نماز، روزہ، عبادات، خیرات، صدقات، سخاوت، مراقبہ، مرتبہ، مقام، فقر و غناء، شریعت، طریقت، تصوف، حقیقت سب کچھ حجاب ہے۔ جن میں گم ہو کر سالک ذات الٰہی سے غافل ہو جانے کے خطرے کا شکار ہو سکتا ہے۔

وہ مردان راہ سلوک جن کے پیش نظر دائم وصال الٰہی رہتا ہے، کسی بھی حالت، کسی بھی لمحے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات سے غافل نہیں رہتے "جو دم غافل سو دم کافر" یہ ایک ایسی راہ ہے جس کی منزل ہر وقت موجود، حاصل اور پاس ہوتی ہے مگر یہ توجہ التفات، جانثاری اور خود فراموشی ان کو حاصل ہوتی ہے جو ذات الٰہی میں خود فنا ہو کر لا فانی ہو جاتے ہیں۔

یہ شہادت گاہ الفت میں قدم رکھنا ہے

لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

(علامہ اقبالؒ)

ایسے مردان حق چشم عالم کی حد نگاہ میں خال خال ہی گزرتے ہیں ان راہبران شریعت و تصوف میں خواجہ خواجگان حضرت سید معین الدین چشتی اجمیریؒ "سلطان الہند" بہت اعلیٰ اور بلند مرتبہ پر فائز ہیں حالانکہ من آنم و من دانم کی مصداق نام اُن اقدار و معیار

سے واقف ہونے کا چنداں دعوے دار ہوں جو مخلوق کو خالق کے وصال کے اہل بناتے ہیں، سلطان الہند سید اجمیر خواجہ سید معین الدین چشتی ؒ کفرستان ہند میں پیغام حق کی ترویج و تبلیغ و اشاعت پہنچانے کیلئے سرکار دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصی ہدایت و رہنمائی میں اس مقام ذلالت میں مصروف حرکت و عمل رہے آپ ہندوستان کے اولیاء کرام سلسلہ چشتیہ کے بانی ہیں جو سلوک و طریقت کے سلاسل میں اہم ترین ہے آپ ہم عصر حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی ؒ ہیں، آپ چالیس روز تک اُن کے حجرہ مبارک میں ان کے ہمراہ مقیم رہے اور اسرار تصوف راہ سلوک کی کٹھنائیوں اور اسباب علل کے رموز و آگہی کے سلسلہ میں ہم کلام و ہم قدم رہے اسی طرح برصغیر پاک و ہند میں تشریف لانے پر سب سے پہلے حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویریؒ کے مزار پر مراقبہ و اسرار کی نئی منازل طے کیں بلا شبہ

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

خواجہ سید معین الدین چشتی ؒ اولیاء کرام میں ہند کے سرخیل اور ان کا خانوادہ آج تک مرجع خلائق چلا آرہا ہے آپ نے ہندوستان میں رشد و ہدایت کا جو سلسلہ جاری فرمایا وہ آنے والے زمانوں میں ماہتاب و آفتاب بن کر چمک رہا ہے اور تا قیامت چمکتا رہے گا۔ سید فہیم الحسینی الکاظمی الچشتی جو کہ خانوادہ حضرت خواجہ سید معین الدین چشتی کے روشن چشم چراغ و ہیں نے پوری علمی، فکری، تحقیقاتی صلاحیتوں کو کام میں لاتے ہوئے اپنے جد امجد سے نسبت کا حق ادا کیا ہے ان چیرہ دستیوں سے اس کتاب "سلطان الہند" میں پردہ اٹھایا ہے جو مجاوران مزار حضرت خواجہ بزرگؒ نے اولاد حضرت خواجہ سید معین الدین چشتی ؒ کے حوالے سے روا رکھی ہوئی ہیں وہ بود و نابود کرنے کا عزم سموم رکھتے ہیں۔ عظیم مقاصد کی نسبت سے انسان عظمت کی اعلیٰ منازل سے روشناس ہو جاتا ہے۔ محنت شاقہ کی عادت و نسبت میسر آجائے تو انسان کامیابی کی کہکشاں چھو لیتا ہے، اسی طرح نسبت صالح کی برکت سے انسان چشم زدن میں بزرگی کے اعلیٰ ترین مراتب طے کر جاتا ہے۔ نوجوان سید فہیم کاظمی وہ خوش قسمت ہے جس کی تقدیر میں عظمت کامیابی اور بزرگی

تینوں مقامات کی بلندی لکھی ہے ان کی تحریر شستہ انداز دل کش و دل پذیر مضمون کا بیان روشن، سادہ اور براہ راست دل میں اتر جانے والا ہے۔ امید ہے کہ یہ مقدمہء سلطان الہند عوام الناس اور بالخصوص علمی، ادبی، دینی اور صوفیانہ حلقوں میں بہت پذیرائی حاصل کرے گا۔

فقیر سید محمد اکبر بخاری الوری عفی عنہ

اولاد حضرت سید غوث علی شاہؒ المعروف حضرت سید بدیع الدین شاہ مدارؒ

(مکن پور شریف ریاست الور انڈیا) حال مقیم شجاع آباد

☆-----☆-----☆

سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی اجمیری غریب نوازؒ

سید فہیم کاظمی کسی تعارف کے محتاج نہیں...... شعر و ادب سے ان کا دیرینہ اور بڑا مضبوط رشتہ استوار ہے۔ شعر و شاعری ہو یا ادبِ عالیہ...... بغیر مطالعے اور مکمل دلجمعی کے اخذ و استفادہ ممکن نہیں ہوتا...... بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شاعر محض خیال آرائی اور تک بندی کے زور پر نام ور ہوتے آئے ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ شعراء کی ایک کثیر تعداد ایسی ہے جو ان سطحی الزامات کی زد میں بالکل نہیں آسکتی...... ایسے ہی شعراء میں سید فہیم کاظمی بھی شامل ہیں...... انہوں نے شعر و ادب میں نہ صرف دلجمعی سے اپنا ہنر آزمایا ہے بلکہ ان کی ہنروری کے اور بھی کئی پہلو ہیں...... جن میں سے نمایاں ترین پہلو ان کی اولیائے کرام سے نیازمندانہ وابستگی ہے...... انہوں نے اپنے جدِ امجد حضرت "سلطان الہند" سے اپنی نسبت اور اسی عقیدت و وابستگی کے اظہار کے طور پر ایک خوبصورت کتاب تخلیق کی ہے جس میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری غریب نواز کی حیات اور تعلیمات کا تذکرہ انتہائی محبت اور عقیدت کے ساتھ کیا ہے۔

ہندوستان کی تاریخ میں اسلام پھیلانے والی شخصیات میں سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ علیہ کا نام سرِ فہرست ہے۔ ان کے قدموں کی برکت سے برِ صغیر میں شجرِ اسلام کی آبیاری ہوئی۔ آپ کو دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قطب المشائخ کا لقب ملا۔ جس ہستی کو آقائے دوجہاں نے اپنی نظرِ کرم سے نوازا ہو ان کی جلالت و عظمت اور رفعتِ شان کا کیا ٹھکانہ۔ آپ کے القاب میں سے چند مشہور القاب محبوبِ خدا، حجت الاولیاء، قطب الاقطاب، غریب نواز، شمس الفقراء اور بہت سے ایسے ہی متعدد القاب ہیں۔ آپ نجیب الطرفین سیّد تھے۔ والد کی طرف سے آپ کا سلسلہ امام حسین علیہ السلام کی جانب سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور والدہ کی طرف سے امام حسن علیہ السلام سے ہوتا ہوا حضرت علی علیہ السلام سے جاملتا ہے۔ آپ کی ولادت ۵۳۷ ہجری میں ہوئی۔ ایک شعر میں

آپ کی تاریخِ ولادت کچھ اس طرح منظوم ہے:

"سیدِ عالم معین الدینؒ ولی مقتدائے دیں شہ ہندوستاں
سالِ تولیدش بگو بدرالمنیر بازسر ورعارف صوفی بخواں"

۵۳۷ھ ۵۳۷ھ

بدرالمنیر اور عارف و صوفی، ہر ایک کے اعداد ۵۳۷ ہوتے ہیں۔

آپ کی والدہ فرماتی تھیں کہ جب حضرت معین الدین چشتی کو باری تعالیٰ نے روح بخشی تو ہر شب ان کو یہ محسوس ہوتا تھا کہ ان کے شکم مبارک میں کلمہ طیبہ کا ورد ہوتا ہے۔ بچپن کا زمانہ والدین کے زیرِ سایہ گزرا۔ حضرت ابراہیم قندوزی ایک مردِ کامل تھے وہ خواجہ معین الدین چشتی کے باغ میں تشریف لائے اور ان کی گرم جوشی اور استقبال کو دیکھ کر خوش ہوئے۔ اپنی زنبیل سے انہوں نے کھلہ کا ٹکڑا نکالا اپنے دانتوں سے چبایا اور ان کو کھانے کو دیا۔ اس کے کھاتے ہی آپ کی رگ رگ میں عشقِ الٰہی کا دریا موجزن ہو گیا۔ آپ نے مولانا شرف الدینؒ سے قرآن پاک حفظ کیا۔ خواجہ عثمان ہارونیؒ آپ کے مرشد گزرے جن کی شہرتِ ذات ایک عالم میں پھیلی ہوئی تھی۔ روایت ہے کہ خواجہ معین الدین چشتیؒ اپنے مرشد کے ہمراہ مدینہ منورہ پہنچے۔ بارگاہِ رسالت میں آپ نے سلام عرض کیا "الصلوٰۃ والسلام علیکم یا سیّد المرسلین و خاتم النبیین" روضۂ اقدس سے آواز آئی "وعلیکم السلام یا ولدی قرۃ العینی سراج کل امتی یا قطب المشائخ بر و بحر"......خواب میں یہیں پر انہیں "سلطان الہند" کا خطاب عطا ہوا۔ یہیں ان کے مرشد نے آپ کو خرقۂ خلافت عطا کیا اور اپنا خرقہ، نعلین چوبی اور عصا مرحمت فرمایا۔ ہندوستان میں آپ کے قدم میمنت لزوم چومنے کا شرف ۵۸۷ ہجری میں حاصل ہوا۔ قیامِ لاہور کے دوران خواجہ غریب نواز حضرت مخدوم سید علی ہجویریؒ کے مزارِ انوار پر حاضر ہوئے۔ آپ وہاں ایک حجرے میں معتکف ہوئے۔ مزار سے رخصت ہوتے وقت آپ نے یہ شعر پڑھا:

"گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما"

آپ کے ہمعصر شاہانِ ہند قطب الدین ایبک اور سلطان شمس الدین التمش گزرے

ہیں۔خواجہ غریب نواز کا وصال ٦ رجب المرجب ۶۳۳ ہجری میں آخرِ شب ہوا۔آپ نے ۹۷ یا ۱۰٦ سال کی عمر پائی۔مزارِ انوار اجمیر شریف میں ہے۔خواجہ غریب نواز نے دو شادیاں کی۔ ان کی ایک بیوی کا نام سیدہ عصمت اللہ بی بی اور دوسری کا نام بی بی امتہ اللہ تھا۔حضرت کو اللہ تعالیٰ نے تین فرزند اور ایک صاحب زادی عطا کی۔تینوں فرزند عصمت اللہ بی بی کے بطن سے تھے اور صاحب زادی بی بی امتہ اللہ کے بطن سے پیدا ہوئیں۔آپ کے فرزندوں کے اسمائے گرامی سید فخر الدین ابوالخیرؒ،سید ضیاء الدین ابو سعیدؒ اور سید حسام الدین ابو صالحؒ ہیں اور صاحب زادی کا نام بی بی حافظہ جمالؒ ہے۔سید فخر الدین غیر مسلموں کے خلاف ایک جنگ میں شہید ہوئے۔آپ کا مزار سرواڑ شریف (ریاست کشن گڑھ) میں ہے۔سید ضیاء الدین کا مزار احاطۂ درگاہ غریب نوازؒ میں لبِ جھالرہ واقع ہے۔ان کے ساتھ ہی سید حسام الدینؒ کا بھی مزار واقع ہے۔بی بی حافظہ جمالؒ وصال کے بعد خواجہ غریب نواز کے پائیں دفن ہوئیں۔ان کے دو صاحب زادے سید احمد اور سید وحید تھے اور شوہر کا نام سید رضی الدین تھا۔

خواجہ معین الدین چشتی سرزمین ہند پر اللہ تعالیٰ کے ایسے ولی تھے جن کے دم سے برصغیر میں اسلام کی شمع روشن ہوئی۔ان کا نام رہتی دنیا تک قائم رہے گا

ہے پائی نام سے تیرے بہت مقبلؔ نے عزت
کرم فرمائی ہے تیری معین الدین اجمیریؒ

میری دعا ہے کہ سید فہیم کاظمی اپنی جولانئ قلم سے ایسی بہت سی کتب تخلیق کرتے رہیں تاکہ ان اعلیٰ و بزرگ ہستیوں کے فیضِ عام کے وہ تمام منور گوشے عام لوگوں پر منکشف ہوتے ہیں کہ جن سے محبت اور یگانگت کے سوتے پھوٹتے ہیں۔

کرنل (ر) سید مقبول حسین کاظمی (ستارۂ امتیاز)
چیئرمین حرف اکیڈمی راولپنڈی

☆......☆......

افتتاحی کلمات

مصنف سیّد فہیم کاظمی (اولاد سید معین الدین چشتی) سے عرصہ دراز سے تعلق ہے۔موصوف ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ شاعر بھی ہے۔تصوف وجد شاعرانہ کی آئینی شکل اور شاعری ذوقِ صوفیاء کی ایک والہانہ صورت ہے۔صوفی ذوقِ شعر سے اور شاعر تصوف سے فطری لگاؤ رکھتا ہے۔

آپ کے تصوفانہ کلام میں سے خواجہ بزرگ کے حوالے سے چند اشعار نذر قارئین ہیں۔

معین الدین ؒ نے مجھ کو بھی آگہی بخشی
کمال لطف سے ذرے کو روشنی بخشی
سکون قلب دیا روح کو خوشی بخشی
کلام کو میرے پھولوں کی تازگی بخشی
زباں کے تار میں لعل و گہر پروتا ہوں
ولا کے ہار میں شمس و قمر پروتا ہوں

☆☆☆☆☆

قصر فردوس بریں شاہ کی شاہی سے ملا
جو ملا مجھ کو وہ اجمیر کے ماہی سے ملا

تصوف اور شاعر میں ان کے باہمی اشتراک وجدانیت کے سبب منقطع نہ ہونے والا ایک بنیادی رابطہ نظر آتا ہے۔حضرت سیّد حسن چشتی سنجری کاظمی المعروف حضرت سید خواجہ معین الدین چشتیؒ اجمیری کو سلطان الہند اور ولی الہند بھی کہا جاتا ہے۔اسلامی تصوف میں برصغیر میں آپ کا نمایاں مقام ہے۔اسلامی تصوف کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح جسم کی بقاء وسلامتی کیلئے مادی ضروریات کا حصول ضروری ہے۔اسی طرح روح

بھی ایک مخصوص خوراک اور ماحول کا تقاضا کرتی ہے۔انسان کیلئے اس دنیا میں دونوں اقسام کی ضروریات کی تکمیل کا قدرتی نظام موجود ہے۔مذہب اگر معاشرتی اقدار کا محرک ہو تو انسان کو روحانی غذا ملتی رہتی ہے لیکن اگر مذہب کی گرفت ڈھیلی پڑ جائے اور پورا معاشرہ مادیت کے طوفان کی بھینٹ چڑھ جائے تو روحانیت دبتی چلی جاتی ہے۔جس کے نتیجے میں خیر و شر،نیکی اور بدی کے سارے فرق ختم ہو جاتے ہیں۔یہی وہ حالات ہیں جن کے پیشِ نظر آج مذہبی اور روحانی طبقوں کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس پہلے سے بڑھ کر کرنا ضروری ہو گیا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا روحانی نظام موجودہ سائنس کی طرح انسان کو روحانی مشاہدات تک پہنچا کر اسے عین الیقین اور حق الیقین کے درجے پر فائز کر سکتا ہے۔

آج جامد خانقاہیت،ظواہر پرستی اور نفس پرستی پر مبنی پیری مریدی نے اسلام کی روح کو جتنا نقصان پہنچایا ہے اس کا ازالہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ عملی تصوف کو روحانی تربیت کے ذریعے جدید تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے متعارف کرایا جائے۔تا کہ اس دورِ زوال میں امتِ مسلمہ کو پھر سے خواجہ غریب نوازؒ،مخدوم جہانیاں جہانگشتؒ،سیّد جلال قطب کمالؒ،علی ہجویریؒ،امام بریؒ اور شہباز قلندرؒ جیسے مردانِ حق میسر آسکیں۔

دُعا گو

مخدوم سیّد نفیس الحسن نقوی البخاری
جانشین سلسلہ سہروردیہ
چیئرمین صوفی ازم کونسل پاکستان
چیئرمین اوچ شریف ٹرسٹ

"سلطان الہند" پر ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی
اردو اکیڈمی دہلی (انڈیا) کے منظوم تاثرات

سید فہیم رضا کی ہے تالیف جو یہ " سلطان الہند " ۔
ہے یہ مشائخ کی سیرت پر اک ایمان افروز کتاب
خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے اس میں احوال
کھولتے ہیں اسرار تصوف اور حکمت کے باب
ہے یہ اہل طریقت کے احوال پہ معیاری تحقیق
کرتی ہے بیدار یہ ان کو جو ہیں محو خواب
ذکر مشائخ پر مبنی ہے یہ دلکش تالیف
کرتی ہے روشن جو سب پر کیا ہیں تصوف کے اداب
جیسے فہیم رضا نے کیئے ہیں قلمبند احوال
ایسے تذکرے اردو میں ہوتے ہیں اب کمیاب
صرف تذکروں تک ہی نہیں محدود ہے اس کی نقد نظر
ہیں تاریخ تصوف کے مظہر اس کے ابواب
ہے اغراق و غلو سے عاری یہ طرز تحریر
ہیں شائستہ اہل نظر کے القاب و آداب
اخلاقی قدریں ہوتی جاتی ہیں روبہ زوال
وقت کی ہے اک اہم ضرورت ہوں یہ جزو نصاب
یہ ہے شریعت اور طریقت پر جامع تصنیف
ہے یہ ایسی کتاب نہیں ہے جس میں ذکر چنگ و رباب
ہے یہ عقیدت کا نذرانہ برقیؔ ان لوگوں کیلئے
نخل تصوف خون جگر سے ہے جن کے شاداب

سید فہیم رضا کاظمی کی گرانقدر تصنیف سوانح سُلطان الہند۔۔

خواجۂ خواجگان سُلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز، سید معین الدین حسن چشتی سنجری اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات افکار عالیہ اور تعلیمات کے تناظر میں اب تک متعدد کتابیں زیور طباعت سے آراستہ و پیراستہ ہو کر جلوہ گہہ آفاق پر طشت از بام ہونے کا شرف حاصل کرتی رہی ہیں لیکن حال ہی میں اسی موضوع پر سید فہیم رضا کاظمی الچشتی کی جو تصنیف زیر عنوان "سلطان الہند" منصۂ شہود پر جلوہ افروز ہوئی ہے وہ اپنے تنوع اور انفرادیت کے سبب برصغیر ہندو پاک میں اعلیٰ پیمانے پر شرف قبولیت سے سرفراز ہو رہی ہے۔

تقریباً دو سو صفحات کو محیط کتاب مجلد بھی ہے اور سلطان الہند خواجہ غریب نواز حضرت معین الدین چشتی کی درگاہ کی رنگین تصویر سے مزین و آراستہ ہونے کی وجہ سے اس سرورق بھی نہایت نظر افروز اور دلپذیر ہے۔ کتاب کے افتتاحیہ کلمات مخدوم سید نفیس الحسن نقوی بخاری کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے۔ علاوہ ازیں کتاب کے حوالے سے جن حضرات نے اپنی آراء یا مختصر تاثرات رقم فرمائے ہیں اُن کے نامِ نامی یہ ہیں۔ (۱) مخدوم سید راشد شبیر حیدر بخاری (۲) مخدوم ڈاکٹر محمد عرفان ہاشمی (۳) غلام قاسم ہمراز قادری۔ ان کے علاوہ ایک اور صاحب نے بھی (جن کا نام درج ہونے سے رہ گیا ہے) نہایت مفصل اور موثر تاثرات پیش کیے ہیں جس کا اہم اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

"جب سرکار غریب نواز حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نیابت میں آنے کے بعد اُن ہی کے حکم سے اجمیر تشریف لائے تھے۔ اُس وقت برصغیر کے گوشے گوشے میں کفر و ضلالت کی تیرگی پھیلی ہوئی تھی۔ آپؒ نے باطل کے پندار کا طلسم توڑا۔ جُہلا کے بتوں کو پاش پاش کیا حتیٰ کہ آپؒ کے بابرکت قدموں سے یہاں وہاں، جہاں تہاں، کراں تا کراں روشنی ہی روشنی پھیل گئی۔ معین الدین لقب پایا۔ ولی ہند کہلائے۔ حبیب اللہ کا خطاب ملا۔"

سید فہیم رضا کاظمی نے نہ صرف خواجہ غریب نواز کی سوانح بیان کی ہے بلکہ دیگر چشتیہ مشائخ عظام کی حیات طیبہ کو بھی باحسن و خوبی اُجاگر کیا ہے۔ علاوہ ازیں درگاہ عالیہ پر خدام کی دھاندلی کی مذمت کے لئے الگ سے بھی ایک باب وقف کرنا ضروری سمجھا ہے۔ آخری باب میں تیر بہدف وظائف

اور عملیات بھی درج کر دیے ہیں تا کہ سلطان الہند کے مطالعے سے حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے تعلق سے بہت سی باتیں ہماری معلومات میں اضافہ کرتی ہیں۔ چند ایک ذیل میں پیش خدمت ہیں۔

خواجہ حضرت معین الدین چشتیؒ کا ۵۳۷ ہجری ۱۴ رجب المرجب کو افغانستان میں واقع شہر ہرات کے قصبے "چشت" میں نمود و ورود ہوا۔ آپ کے والد ماجد حضرت خواجہ سید غیاث الدین کاظمی تھے اور والدہ ماجدہ کا اسم مبارک حضرت اُم الوع مہ نور تھا۔ آپ باغبانی کے پیشے سے وابستہ تھے۔ ۵۴۵ھ میں آپ نے رحلت فرمائی۔ بقول والدہ ماجدہ جب آپ ان کے شکم میں تھے انہیں اپنے اندر تسبیح و تحلیل کی آوازیں سنائی دیتیں جس سے ان پر وجد طاری ہو جاتا تھا۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ مادرزاد ولی تھے۔ آپ اپنے باغ میں انگور کی بیلوں کی آبیاری کرتے تھے کہ ایک دن حضرت خضر علیہ السلام باغ میں تشریف لے آئے آپ نے اُن کی ضیافت انگوروں سے کی خوش ہو کر اپنے منہ کا جھوٹا انگور خضر علیہ السلام نے ان کے منہ میں رکھ دیا بس پھر کیا تھا انوار الٰہی سے آپ کا قلب اسی وقت منور ہو گیا۔ پند و نصائح اور وعظ و تبلیغ کے بجائے آپ نے اسلام کی فروغ میں محبت کو آلہ کار بنایا اور اسلام کی روشنی کو کراں تا کراں پھیلا دیا۔ آپ نہ صرف نیکوکاروں اور دینداروں سے بلکہ فاسقوں، فاجروں ملحدوں اور کافروں سے بھی محبت کے لب و لہجے میں گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ واقعہ مشہور ہے کہ جب کفار نے انہیں وضو کے لئے انا ساگر سے پانی لینے سے روک دیا تو انا ساگر ہی خشک ہو گیا۔ آجکل حضرت کی درگاہ پر خدام نے زائرین کے ساتھ لوٹ مار کا جو بازار گرم کر رکھا ہے وہ کتاب سلطان الہند کے مصنف سید فہیم رضا کاظمی کو گراں گزرتا ہے۔ لہٰذا اس بدعت کے خلاف ان کا احتجاج کرنا اپنی جگہ بالکل صحیح ہے۔

رئیس الدین رئیس

علیگڑھ۔ انڈیا

سلطان الہند۔ڈاکٹر فہیم کاظمی کی علمی اور تحقیقی کاوش

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی اور آپ کے کشوف و کرامات پر مشتمل تصنیف "سلطان الہند" صاحب تصوف شاعر اور صوفی منش فقیر ڈاکٹر فہیم کاظمی کی گرانقدر علمی، ادبی اور مذہبی تخلیق ہے۔جو عشق کے پُر پیچ اور خاردار راستوں کی آبلہ پائی کا ثمر بن کر صفحۂ قرطاس پر گلہائے عقیدت و معرفت کے روپ میں نمودار ہوئی۔ڈاکٹر فہیم کاظمی کا نام اردو ادب میں ایک معتبر حوالہ ہے۔آپ کی شاعری بھی عشقِ خدا، عشقِ رسول اور عشقِ اہل بیت سے مزین ہے۔جس میں خوبصورت اور بامعنی الفاظ کی اس طرح صناعی کی گئی ہے کہ قاری بیک وقت حیران بھی ہوتا ہے اور مضمون کی گہرائی میں غوطہ زن بھی۔ان کے پاس برموقع اور برمحل الفاظ کے استعمال کی دولت عطیۂ خداوندی ہے۔

عشق سے مخمور ڈاکٹر فہیم کاظمی کی تصنیف "سلطان الہند" کی اشاعت 2013 میں ہوئی۔دو برس کے مختصر عرصے میں اس کتاب کی اشاعتِ سوئم، مصنف کے دستِ کشادہ پر دلالت کرتی ہے جو علم و معرفت کے گنج ہائے گراں مایہ اس طرح بانٹ رہے ہیں کہ آج کے مادی دور کا انسان بھی کاسۂ دل، دستِ طلب میں لیے درگاہِ فقیر پر کھڑا سراپا آرزو ہے۔

انسان جب اپنے مقصدِ حیات سے بیگانہ ہو کر خرافاتِ زمانہ کا شکار ہوا تو پروردگار نے تزکیۂ نفس اور تریاق القلوب کے لیے انبیاء، صادقین، صالحین اور شہداء کو بھیجا کہ وہ انسان کو اس کے مقصدِ حیات کی طرف توجہ دلائیں۔اس مقصدِ عظیم کے لیے ہندوستان کے بت کدوں کو نورِ رسالت ﷺ سے منور کرنے کے لیے اس سرزمین پر بحکم الٰہی صادقین اور صالحین آئے۔جن میں ایک حضرت خواجہ غریب نواز سلطان الہند معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ بھی تھے۔آپ وہ عظیم برگزیدہ ہستی ہیں جنکو آقائے دو جہاں سرورِ کونین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے بذریعہ کشف ہندوستان جانے کا حکم صادر فرمایا تا کہ راہِ حق سے بھٹکی ہوئی قوم نورِ ہدایت سے حصہ پا کر آپ کی بے شمار رحمتوں اور برکتوں

سے فیضیاب ہو سکے۔سلطان الہند میں درج ہے۔"حبیبی رسول خدا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ پر خواجہ غریب نوازؒ نالاں وگریاں ایک عجیب حالت میں درود شریف پڑھتے روضہ مقدسہ پر حاضر ہوئے۔نہایت مؤدب و دست بستہ کھڑے تھے کہ آواز آئی "اے معین الدین حسن! تو ہمارے دین کا معین و مددگار ہے۔ہندوستان کی ولایت ہم نے تمہیں عطا کی ہے۔اب اجمیر میں جا کر قیام کرو۔وہاں بہت بُری طرح کفر وشرک کی ظلمت پھیلی ہوئی ہے جاؤ اجمیر میں تمہارے قیام سے اسلام کی روشنی پھیلے گی۔یہ مژدہ جانفزا سن کر حضرت معین الدین حسن غریب نواز حیران تھے کہ ہندوستان کون سا ملک ہے؟ کہاں واقع ہے؟ آپؒ کو اس کے محل ووقوع کا علم نہ تھا۔اسی سوچ میں آپ کی آنکھ لگ گئی۔

حضور سرورِ کائنات نے عالم رویا میں آپؒ کو شرق سے مغرب تک کی سیر کرائی اور جنت کا ایک انار سرکارِ غریب نوازؒ کو عنایت فرما کر کہا "جاؤ معین آج سے تم غریب نواز بھی ہو۔اللہ تعالیٰ تمہارا حامی و ناصر ہوگا،اجمیر چلے جاؤ"

قافلۂ عشاق عازمِ سفر ہوا تو قدم مقدم پر تائیدِ الٰہی کے مسحور کن واقعات نے سفر کی صعوبتوں کو آسان کر دیا۔تصنیف زیرِ نظر میں مصنف نے اُن تمام واقعات کو گنج ہائے گراں مایہ کی طرح اکٹھا کیا ہے۔اور علم ومعرفت کا ایک نہ ختم ہونے والا چشمہ جاری کر دیا ہے۔جس سے اہلِ نظر اور طالبِ حق فیض یاب ہوتے ہیں۔

حضرت کی زندگی پر اس قدر حکمت اور باریک بینی سے روشنی ڈالی ہے کہ رموزِ کائنات قاری پر کھلتے چلے جاتے ہیں۔جو قربِ الٰہی کی منازل طے کرنے میں زادِ راہ کا کام دیتی ہے۔اس میں جہاں اہلِ تصوف کے لیے حکمت و دانش کے رموز پوشیدہ ہیں وہاں عام قاری پر بھی بابِ تصوف کھلتے ہیں۔

حضرت معین الدین چشتی کی ذاتِ بابرکت کو یہ فضیلت حاصل ہے۔کہ آپ کا شجرۂ نسب بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ہوتا ہوا حضرت اقدس محمد ﷺ سے ملتا ہے اور سلسلۂ طریقت بھی۔جسکی مکمل تفصیل کتاب میں درج ہے۔آپ کی پیدائش سے لیکر اجمیر شریف میں آپ کا جلوہ افروز ہونا،آپ کا حضرت عثمان ہارونیؒ (نیشاپور۔ایران) کے زیرِ سایہ

دس سال تک علم و معرفت کا حصول، اس مرشدِ باکمال کے ساتھ مختلف ممالک کا سفر فریضۂ حجِ بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنا اور روضۂ رسولِ مقبول ﷺ پر حاضر ہونا۔ ہندوستان میں آپ کی آمد اور بغرض تبلیغ، ہندوستان کے مختلف علاقوں کا سفر بالغرض "سلطان الہند" میں پڑھ کر یہ محسوس ہوتا ہے۔ کہ یہ قدسیوں کا سفرنامہ ہے۔ جس پر تائیدِ الٰہی اور رحمتِ خداوندی کے بادل سایہ فگن ہیں۔

صرف یہی نہیں بلکہ یہ کتاب ایک تاریخی دستاویز بھی ہے۔ جس میں مصنف نے چشت شہر (جو صوبہ خراساں افغانستان کا شہر ہے اور اُس وقت ایران کی سلطنت میں شامل تھا) میں سلسلہ چشتیہ کے آغاز، حضرت معین الدین چشتیؒ کے آباؤ اجداد کی تاریخ، آپ کی ہندوستان آمد کے حوالے سے ہندوستان کی مختصر اور اجمیر شریف کی تفصیلی تاریخ بھی رقم کی ہے۔

وہ اجمیر شریف، جس شہر کو آپ کی آمد نے مرجع خواص و عام بنا دیا، جسکی مٹی نے آپ کے قدم چومے تو اُسکے ذرّے آسمانِ شہرت پر درخشاں و تابندہ ستاروں کی طرح جگمگانے لگے۔ آپ کے بابرکت وجود سے وہ زمین اس قدر مقدس و محترم ٹھہری اور اسے وہ طاقت نصیب ہوئی کہ بادشاہ یہاں آکر بہ کمالِ عجز و انکسار اپنے تاج و تخت آستانہ عالیہ پر رکھ کر اس فقیر کے در کے فقیر ہو جاتے تو پہلے سے بڑھ کر صاحب ثروت ہو کر لوٹتے۔ جہاں سپہ سالار اپنی تلوار رکھ دیتے اور فتح و کامرانیوں کی نوید لے کر جاتے۔ غرض اجمیر شریف اسلام کا ایسا مضبوط اور مستحکم قلعہ بن گیا۔ جسکے میناروں سے نکلنے والی روشنی نے ہندوستان کو بقعۂ نور بنا دیا۔ اور جس سے چلنے والے دعاؤں کے تیروں نے ہندوستان میں وہ انقلاب برپا کیا۔ جو انقلاب محمد بن قاسم کی تجنیقیں، شہاب الدین غوری اور محمود غزنوی کی تلواریں برپا نہ کر سکیں۔

حضرت معین الدین چشتیؒ کے علم اور فیضِ نظر نے جن بزرگانِ دین کے قلوب کو نورِ ایمانی سے منور کیا۔ اور جنہوں نے آپ کے مقصد کی تکمیل کے لئے ہندوستان کے گوشے گوشے کو اسلام کی شمع سے روشن کرنا اپنا مقصدِ حیات بنا لیا۔ ان کی حیاتِ طیبہ کے حالات بھی مصنف نے سلطان الہند میں درج کر کے حقِ محبت ادا کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں "سرزمینِ پاک و ہند نے اپنے دامن میں مثلِ چشت جن پانچ جلیل القدر بزرگوں کو جگہ دی ان کے پیشوا درحقیقت خواجہ

معین الدین چشتی غریب نوازؒ ہی تھے۔ جن کی بدولت چشتیہ شجر کی شاخیں پھیلتی چلی گئیں۔ آپؒ کی ذات اقدس اس مسلک و مشرب کا وہ گھنا درخت تھی کہ جس کی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھ کر کئی اولیائے کرام اور بزرگانِ عظام نے نگاہوں کو حرم پاک کے جلوؤں سے طراوت بخشی اور دلوں کو گنبدِ خضراء کے نظاروں سے ایک یک گونہ روحانیت و سکون سے ہمکنار کیا۔ پھر آپ مزید رقمطراز ہیں "حضرت غریب نوازؒ کے بعد جن چار سرِ فہرست بزرگوں نے لوگوں کے دلوں کو اپنی روحانیت سے مسخر کیا وہ قطب الاقطاب حضرت سید قطب الدین بختیار کاکیؒ، بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ، حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاءؒ اور حضرت مخدوم علاؤ الدین سید علی احمد صابر کلیریؒ تھے۔

مذکورہ چاروں قطب الاقطاب کی زندگی کا مختصر مگر جامع تذکرہ کر کے مصنف نے طالبِ حق کے لیے تزکیۂ نفس کا سامان پیدا کیا ہے اور اپنا حقِ محبت و عقیدت ادا کیا ہے۔

بزرگانِ دین کے روحانی تجربات اور تعلیمات کی روشنی میں روزمرہ کے معاملات اور معمول سے ہٹ کر پیش آنے والے مسائل کے حل کے لیے عملیات و وظائف کو بھی کتاب میں درج کر کے فیضِ عام جاری کیا ہے۔

اسلاف کی قدر اور پہچان رکھنے والی قومیں اپنا تشخص ہمیشہ برقرار رکھتی ہیں۔ اس کتاب کا مطالعہ اسلاف سے تعلق کو مضبوط کرتا، قوتِ ایمانی عطا کرتا اور مصنف کی پاکیزہ فطرت پر دلالت کرتا ہے۔ جس کے قلم میں حیرت انگیز تاثیر ہے۔ تحریر میں جاذبیت قاری کو تصوف کی وادیوں میں لے جاتی ہے جہاں نور کی کرنیں رگ و پے میں اترتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں اور مادی دنیا کی لذات سے بیگانہ ہو کر انسان عشقِ الٰہی، رضائے الٰہی اور عشقِ رسول ﷺ کی لازوال دولت سے فیضیاب ہوتا ہے۔

؎ یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی سکھائے کس نے اسمٰعیل کو آدابِ فرزندی

شفیق مراد

چیف ایگزیکٹیو شریف اکیڈمی جرمنی

میری بُکل دے وِچ چور

قصرِ فردوسِ بریں شاہ کی شاہی سے ملا
جو ملا مجھ کو وہ اجمیر کے ماہی سے ملا (فہیم کاظمی)

ڈاکٹر فہیم کاظمی صاحبِ تصوف شاعر، ادیب اور دانشور ہیں ۔اقبالیات میں پی ایچ ڈی ہیں۔ نظم ہو یا نثر ان کا قلم معجز بیاں روحانیت کی گتھیاں اور راہِ سلوک کی شاہراہوں پر معرفت کی منازل طے کرتا نظر آتا ہے۔ نوجوانی اور شباب کے اس دور میں ایسی تصنیف کسی صوفی کا کام ہی ہو سکتا ہے۔ میں ڈاکٹر فہیم کو ایک صوفی ہی سمجھتی ہوں جن کا ہر پل، عبادت، ریاضت اور خدمتِ عامہ کے جذبے سے معمور سیادت کی منازل پر گامزن دکھائی دیتا ہے۔ وہ ایک حسبی، نسبی، سید زادہ ہے جو اپنے آباء کی روایتوں کا علم تھامے ہوئے ہے۔ زیرِ نظر کتاب ،سلطان الہند، بھی ان کی اپنے بزرگوں سے نسبت کے اعلان کے ساتھ ساتھ ان سے نیاز مندانہ وابستگی کا اظہار ہے۔

یہ کتاب اس انقلاب آفریں شخصیت کی سوانح ہے جو ہندوستان کی تاریخ میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ جنہوں نے لاکھوں کی تعداد میں لوگوں کو حلقہ بگوشِ اسلام کیا۔ جن کی حیاتِ مبارکہ قرآن و سنت کا قابلِ رشک نمونہ تھی۔ جن کا لقب ہی غریب نواز ان کی غرباء و مساکین سے محبت کے سبب پڑا۔ ڈاکٹر فہیم کاظمی نے اس ہستی پر قلم اُٹھایا ہے، جس کا شجرۂ نسب و سلسلۂ طریقت مولائے کائنات حضرت علیؑ سے ہوتا ہوا فخرِ موجودات، سرکارِ رسالت، خیر البشر، خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ سے جا ملتا ہے۔ جس کے متعلق ڈاکٹر فہیم کاظمی ان الفاظ میں عقدہ کشائی کرتے ہیں۔

''مراۃ الانساب'' کے مطابق آپ کا شجرۂ نسب یوں ہے۔

''خواجہ معین الدین ''بن خواجہ غیاث الدین حسن ''بن خواجہ کمال الدین'' بن خواجہ احمد حسین'' بن خواجہ نجم الدین طاہر'' بن خواجہ عبد العزیز'' بن خواجہ ادریس'' بن امام موسیٰ کاظم بن امام

جعفر صادقؑ ' بن امام محمد باقرؑ " بن سید الساجدین حضرت امام زین العابدینؑ 'بن حضرت سید الشہداء سیدنا حضرت امام حسینؑ 'بن حضرت مولا مشکل کشا شیرِ خدا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ۔
آپ کے فیضانِ کرم سے ہزاروں لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔آپ کی عمر پندرہ برس ہو گی کہ آپ کے سر سے والدین کا شفیق سایہ اُٹھ گیا۔والدِ مکرم خواجہ غیاث الدین حسنؒ سے وراثت میں آپکو ایک باغ ملا تھا۔یہ باغ اُن کی ہستی کو بھی ایک چمنستان کی مہک دے گیا۔اس واقعے کا حوالہ ڈاکٹر فہیم کاظمی دیتے ہوئے کہتے ہیں۔
''اسی باغ میں ایک روز آپ کی ملاقات حضرت خواجہ خضر علیہ السلام سے ہوئی۔آپ حضرت خواجہ خضر علیہ السلام سے نہایت خندہ پیشانی سے پیش آئے اور خلاق وعجز وانکساری کے ساتھ انگوروں کے خوشوں سے اُن کی خاطر تواضع فرمائی۔حضرت خواجہ خضر علیہ السلام کی نظرِ کیمیاء اثر نے آپ کی لوحِ جبیں سے ساری حقیقت پڑھ لی اور سمجھ گئے کہ یہ لڑکا جو آج انہیں پانی پلا رہا ہے اور انگوروں سے تواضع کر رہا ہے۔کل لوگوں کی روحانی تشنگی دور کرے گا۔ہزاروں کو حیاتِ جاوداں کا ساغر پلائے گا۔جو اس کے ہاتھ سے جام پیئے گا وہ عشق میں سرمست وسرشار ہو جائے گا۔چنانچہ انہوں نے اپنی زنبیل سے کجارہ کا ایک ٹکڑا نکالا اور دانتوں سے چبا کر سرکار غریب نواز کے مُنہ میں رکھا۔کھلی کھانا تھا کہ خواجہ غریب نواز کا قلبِ مبارک انوارِ الٰہی سے روشن ہو گیا۔وہ علائقِ دنیا سے برگشتہ ہو گئے۔طلبِ مولا کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔باغ واملاک سب کو محتاجوں میں تقسیم کیا اور مسافرت اختیار کرلی''
اللہ کی راہ میں سب کچھ لٹانے کے بعد آپ نے تحصیلِ علم کے لئے خراسان کو خیر باد کہہ کر سمرقند بخارا کا رُخ کیا۔جو اُس زمانے میں علوم وفنون کے اہم مراکز تصور کئے جاتے تھے۔یہاں آپ نے علومِ ظاہری کی تعلیم حاصل کی اور پھر مرشد کی تلاش میں دربدری لی۔یہ تلاش انہیں حضرت عثمان ہارونی کے قریب لے گئی۔ڈاکٹر فہیم کاظمی اس روایت پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں۔
''مسلمانوں کا یہ دعا گو معین الدین چشتی بمقام بغداد شریف امام موسیٰ کاظم کے روضۂ اطہر سے متصل مسجد میں اپنے مرشد پاک حضرت خواجہ عثمان ہارونی ''قدس سرہ'' کی دولتِ

پا بوسی سے مشرف ہوا، اُس وقت روئے زمین کے مشائخ کباران کی محفل میں حاضر تھے۔ جب اس درویش نے سرِ نیاز زمین پر رکھا، پیرومرشد نے ارشاد فرمایا، دو رکعت نماز ادا کر۔ میں نے نماز ادا کی تو فرمایا "قبلہ رُو بیٹھ"۔ میں بیٹھ گیا۔ پھر حُکم دیا "سورہ بقرہ پڑھ" میں نے پڑھی، فرمان ہوا "اکیس بار درود شریف پڑھ" میں نے پڑھا۔ پھر آپ کھڑے ہو گئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر آسمان کی طرف منہ کیا اور فرمایا۔ آ تا کہ میں تمہیں خدا تک پہنچا دوں" بعد ازاں قینچی لے کر دعا گو کے سر پر چلائی اور کُلیمِ خاص عطا فرمائی۔ پھر ارشاد ہوا، "بیٹھ جا" میں بیٹھ گیا تو فرمایا، "ہمارے خانوادے میں شبانہ روز کے مجاہدہ کا معمول ہے تو آج رات اور دن مشغول رہ" ۔یہ درویش بموجبِ فرمانِ عالی مشغول رہا۔ دوسرے دن جب حاضرِ خدمت ہوا تو اِرشاد فرمایا: زمین کی طرف دیکھ، میں نے دیکھا۔ پوچھا "اب کہاں تک دِکھتا ہے؟ تحت الثریٰ تک"، میں نے دیکھا۔ فرمایا: ہزار بار سورہ اِخلاص پڑھ۔" میں نے پڑھی "فرمایا" پھر آسمان کی طرف دیکھ:،: میں نے دیکھا۔ پوچھا "اب کہاں تک دِکھتا ہے؟" عرض کیا "حجابِ عظمت تک" فرمایا آنکھیں بند کر۔ میں نے بند کر لیں، فرمایا "کھول" میں نے عرض کیا، "اٹھارہ ہزار عالم" بعد ازاں سامنے پڑی ہوئی ایک اینٹ اُٹھانے کا حُکم دیا۔ میں نے اینٹ اُٹھائی تو اُس کے نیچے اشرفیوں کا ڈھیر تھا۔ فرمایا: اسے لے جا کر فُقراء میں تقسیم کر دے۔ میں نے حُکم کی تعمیل کی۔ واپس لوٹ کر آیا تو اِرشاد ہوا چند روز ہماری صحبت میں گزارو: عرض کیا "تابع فرمان ہوں"(انیس الارواح)

ایک اور روایت کے مطابق حضرت عثمان ہارونی حضرت خواجہ معین الدین چشتی کو لے کر مکہ معظمہ حاضر ہوئے۔ طواف کے بعد آپ نے بلند آواز میں فرمایا۔ "الٰہی! معین الدین حاضر ہے۔ اپنے اِس عاجز بندے کو شرفِ قبولیت عطا فرما۔ جواب میں ندائے غیبی سُنائی دی "ہم نے اِسے قبول کیا۔ بے شک! یہ معین الدین ہے۔"

سلوک کی منازل کے ساتھ ساتھ راستے کی مسافت طے کرتے ہوئے آپ اُس مقام پہ پہنچے جو راجھستان کی ریاست کا حصہ تھی۔ وہاں آپ کے فیوض و برکات اور روحانی کمالات

سے جوق در جوق دائرۂ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ کرشمہ ہی کچھ ایسا تھا کہ انا ساگر کی خوبصورت جھیل ایک کوزے میں سما گئی، ہوا یوں کہ راجستان کے شہر اجمیر میں ایک مصنوعی جھیل جو پرتھوی راج چوہان کے دادا انا جی چوہان نے تعمیر کرائی تھی۔ جس کا رقبہ ۱۳ کلومیٹر ہے اور اس کے وسط میں جزیرہ ہے جہاں کشتی سے پہنچا جا سکتا ہے۔ قریبی پہاڑی پر ایک سرکٹ ہاؤس ہے جو عہدِ برطانیہ میں سرکاری رہائش گاہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ اس جھیل کی مناسبت سے خواجہ غریب نواز کے کمالات کے بارے میں کہا جاتا ہے کہا کہ ایک بار آپ نے ایک خادم کو پانی لانے کو کہا۔ جھیل پر راجپوت سپاہیوں کا قبضہ تھا انہوں نے خادم کو پانی لینے کی اجازت نہ دی۔ خادم نے خواجہ غریب نواز سے ساری صورتِ حال بیان کی۔ آپ نے فرمایا یہ میرا کوزہ لے جاؤ۔ سپاہیوں نے سوچا ایک کوزہ سے کیا فرق پڑے گا سو انہوں نے اجازت دے دی لیکن ساتھ ہی یہ تنبیہہ بھی کی کہ اس کے بعد پانی نہیں ملے گا۔ لیکن ہوا کیا سپاہیوں کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا کیونکہ ۱۳ کلومیٹر پر محیط انا ساگر ایک کوزے میں سما چکا تھا۔ جسے بارگاہِ رسالت مآب ﷺ سے قطب المشائخ کا لقب عطا ہوا۔ آپ گلستانِ ولایت کے مہکتے پھول ہیں اور سلسلہ عالیہ چشتیہ کے جلیل القدر بزرگ ہیں، جن کی کوششوں سے انتہائی قلیل مدت میں اجمیر شریف اسلامی آبادی کا مرکز بن گیا اور ہندوستان میں حقانیت کا بول بالا ہوا۔

ڈاکٹر فہیم کاظمی اس راز سے پردہ اُٹھاتے ہوئے کہتے ہیں۔

"آپ چونکہ ایک شخصیت ہی نہیں بلکہ اپنے عہد کے علمبردار تھے۔ اس اعتبار سے آپ کی روحانیت کا سِکہ ہر دور میں رائج رہا اور ہزاروں اور لاکھوں افراد کے علاوہ جن میں فرزندانِ توحید بھی شامل ہیں اور غیر مسلم بھی آپ کے مزار پر حاضری دینے آتے رہے۔ یہ ربط وضبط تا دمِ تحریر جاری ہے اور انشاء اللہ جاری و ساری رہے گا۔ بنا بریں متعدد اولیائے کرام، سلاطین با اقبال، مشاہیرِ عالم اور کئی سیاسی شخصیتوں کے لئے آپ کا مزار پُرانوار توجہ کا مرکز بنا رہا ہے۔ اِن میں مشائخِ پاک و ہند سرِ فہرست ہیں خواجہ غریب نواز کی بارگاہ میں مشائخِ ہند میں سب سے پہلے حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ نے حاضری دی اور پھر بے شمار انعامات و برکات حاصل کیں۔ سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہیؒ کی تالیف وراحت

القلوب میں جسے آپ کے ملفوظاتِ طیبات کا مجموعہ گردانا جاتا ہے، اس حاضری کا تذکرہ ملتا ہے ۔خواجہ فرید الدین گنج شکر فرماتے ہیں کہ میں کئی روز تک شیخ الاسلام خواجہ معین الدین چشتی کے مزار پر معتکف رہا۔"

آپ آفتابِ طریقت بھی تھے اور ماہتابِ شریعت بھی، بڑے بڑے اولوالعزم بادشاہ آپ کے آستانے پر حاضر ہو کر آپ کی قدم بوسی کو سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے۔کبھی سلطان شہاب الدین غوری آپ کی قدم بوسی کے لئے آیا، کبھی سلطان التمش نے سرِ جبین کو جھکایا، اور یہ سلسلہ بعد از وصال بھی جاری رہا۔کبھی سلطان محمود خلجی آپ کے روضہء انور پر فتح کی دعا مانگتا ہے تو فتح یاب ہوتا ہے، کبھی اکبر بادشاہ درگاہِ عالیہ میں اولاد کی درخواست پیش کرتا ہے تو بامراد لوٹتا ہے۔کبھی جہانگیر اپنی شفایابی پر سرِ دربار آپ کا غلام ہو جاتا ہے۔کبھی شہزادی حور النساء، کبھی شہزادی جہاں آرا، کبھی شاہجہاں، آپ کے مزارِ اقدس کی پابوسی کرتے رہے۔اور تو اور شعراء بھی اس سعادت میں کسی سے پیچھے نہیں۔نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ چار دن تک آستانہ عالیہ پر گوشہ نشین رہے پھر اپنے سفرنامہ میں اس کا تذکرہ بھی کیا ہے۔داغ دہلوی جن دنوں والیِ دکن کی طرف سے وظیفہ بند ہو جانے کے باعث عُسرت اور تنگدستی کے اسیر تھے اس در کے گدا بن کر حاضر ہوئے۔اور پھر خواجہ کی دعاؤں سے آپ کا وظیفہ بحال ہوا۔مولانا حسرت موہانی، نیز اور بھی کئی شخصیات حاضری کے چراغ جلاتی رہیں اور فیض کے لنگر سے سیراب ہوتی رہیں۔ڈاکٹر فہیم کاظمی نے جن شعراء کے منظوم تاثرات کا ذکر کیا ہے اُن میں داغ دہلوی، علامہ اقبال، مولانا حسرت موہانی، حضرت مولانا شاہ نیاز بریلوی، مضطر خیر آبادی، مہاراجہ سر کرشن پرشاد جیسی معتبر شخصیات کے حوالے ملتے ہیں۔ملاحظہ فرمائیے۔

خواجۂ خواجگاں معین الدین
فخرِ کون و مکاں معین الدین
قربِ حق اے نیاز گر خواہی
سازِ وردِ زُباں معین الدین

(حضرت مولانا شاہ نیاز بریلوی)

نورِ حق کی ضیاء معین الدین
شمعِ بزمِ صفا معین الدین
کام حسرت کے سارے بن جائیں
ہو جو لطف آپ کا معین الدین

(مولانا حسرت موہانی)

بے مانگے ہوئے ملتے ساغر کو یہیں دیکھا
ساقی سا سخن داتا ہم نے تو نہیں دیکھا

(مُضطر خیرآبادی)

مور چھل جھلنے کی خِدمت مِل گئی
شاد کو دنیا میں عزت مِل گئی
بارگاہِ خواجۂ اجمیر سے
لو کلیدِ گنجِ قسمت مِل گئی

(مہاراجہ سرکشن پرشاد)

یا خواجہ معین الدین چشتی سلطان الہند غریب نواز
یا واقفِ رازِ خفی سلطان الہند غریب نواز
فریاد تمہیں سے ہے میری، تکلیف سہی کیسی کیسی
ہو داد طلب کی داد رسی سلطان الہند غریب نواز
لائی ہے مجھے امیدِ کرم اِس خاک اور اِس در کی ہے قسم
سب دور ہوں میرے رنج ولی سلطان الہند غریب نواز
یہ داغ کہاں تک رنج سہے تم سے نہ کہے تو کس سے کہیں
تم آلِ نبی ﷺ، اولادِ علی، سلطان الہند غریب نواز

(مرزا داغ دہلوی)

ہے جو خواجہ کی زیارت کا تصور اے ظفؔر
آ بسی گویا مری اجمیر آنکھوں کے تلے
(بہادر شاہ ظفؔر)

سلطنتِ مغلیہ کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر جو کہتے تھے۔ "نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں نہ کسی کے دل کا سرور ہوں" سچ تو یہ ہے خود اُن کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور خواجہ غریب نواز کی محبت کی آماجگاہ تھا۔ اُس وقت سے لے کر آج تک ہندوستان کے سارے حکمران بلاامتیاز عقیدہ و مسلک، اس آستانہء عالیہ پر سر جھکاتے آئے ہیں۔ آپ کے وسیلے اور قدومِ میمنت لزوم کے صدقے سرزمینِ ہند رشکِ آسمان بنی۔ روایات میں آتا ہے کہ جس وقت آپ کا وصال ہوا آپ کی پیشانی مبارکہ پر نورانی خط میں تحریر تھا۔ مات حبیب اللہ، فی حُبّ اللہ یعنی اللہ کا دوست اللہ کی محبت میں وصال پا گیا۔ آپ کا مزارِ پر انوار' آج بھی اجمیر شریف (انڈیا) میں مرجع خلائق ہے۔ آپ کے مزار پر مسلمان ہی نہیں ہندو، سکھ، عیسائی، اور دیگر مذاہب کے لوگ عقیدتوں کے پھول نچھاور کرنے تشریف لاتے ہیں۔ درگاہِ عالیہ آج بھی ایمان و یقین اور علم و معرفت کے نور ریز ساقی ہے۔ آپ کا عرس مبارک ہر سال نہ صرف اجمیر شریف بلکہ پورے پاک و ہند میں عقیدت و احترام سے منایا جاتا ہے۔

حضرت معین الدین چشتی اجمیری کی انقلاب آفریں شخصیت ہندوستان کی تاریخ میں ایک نہایت ہی زریں باب کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ کے دور میں جہاں ایک طرف آپ کی توجہ اور تبلیغی مساعی سے ظلمت کدہ ہند میں شمع اسلام کی روشنی پھیل رہی تھی، دلوں کی تاریکیاں ایمان و ایقان کی روشنی سے جگمگا رہی تھیں، لوگ جوق در جوق حلقہء اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ تو دوسری طرف ہندوستان میں مسلمانوں کا سیاسی غلبہ بھی بڑھ رہا تھا۔ آپ کے عقیدت مندوں اور مریدوں میں شامل سلطان شہاب الدین غوری، اور ان کے بعد قطب الدین ایبک اور سلطان التمش ایسے بالغ نظر، بلند ہمت اور عادل حکمران سیاسی اقتدار کو مستحکم کر رہے تھے۔ حضرت معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے تبلیغِ اسلام، احیائے دین و ملت، نفاذِ شریعت اور تزکیہ قلوب و اذہان کا اہم ترین فریضہ جس موثر انداز

میں انجام دیا وہ اسلامی تاریخ میں سنہری حروف میں لکھنے کے قابل ہے۔
تاریخ،اسلام میں بارہا ایسے مواقع نظر سے گزرتے ہیں جس میں اسلام کے کلچر کو مٹانے کی کوششیں کی گئی لیکن وہ مغلوب نہ ہو سکا کیونکہ ٹھیک اُسی دم صوفیا کا گروہ اس کی مدد کو آ جاتا ،اور اپنے اندازِ فکر سے اس تنِ بیمار کوئی توانائی اور قوت بخش دیتا تھا کہ ساری طاقتیں اس کے سامنے عاجز آ جاتیں ۔ڈاکٹر فہیم کاظمی نے اس تالیف میں حضرت سلطان الہند اجمیری کی سوانح کا احاطہ کرتے کرتے ساری تاریخِ تصوف کو کھنگال ڈالا ہے اور یہ باور کرایا ہے کہ ایسی ہی شخصیات ہیں جو اسلامی معاشرے میں انسانی اقدار کے خوگر، مذہبی انتہا پسندی کے مخالف،انسان کی قدر و منزلت پر یقین رکھنے والے،ہر قسم کے تعصّبات سے پاک،کسی شجرِ سایہ دار کی طرح مخلوقِ خدا کو حوصلہ، ہمت اور روشنی دینے والے ہیں۔یہی وہ لوگ ہیں،جن کی دمکتی پیشانیوں پر محروم و مجبور انسانوں کیلئے کیسی کیسی بشارتیں رقم ہیں،ان کے لہجوں میں سچائی اور امان کے کیسے درس ہوتے ہیں۔ان کے عمل میں کیسی دلپذیری ہوتی ہے کہ لوگ ان کی طرف کھچے چلے آتے ہیں۔اور ان کے دامنِ عافیت میں پناہ لیتے ہیں۔
جرمن ماہرِ عمرانیات پروفیسر یورگن ویسم فریمگلن نے گوئٹے انسٹیٹیوٹ کراچی میں اپنی کتاب کی رونمائی کے موقع پر حاضرین کو یہ نکتہ یاد دلایا کہ پاکستان کی صوفی روایات میں دہشت گردی کے خاتمے کے لئے سب کچھ ہے مگر سے بھلا دیا گیا ہے۔انھوں نے کہا کہ رواداری اس خطے کی روایات میں شامل ہے۔مزید یہ کہا کہ تصوف معاشرے میں بڑھتے ہوئے عدم تشدد کا توڑ ہے۔اس کی تعلیمات میں عدم تشدد اور بھائی چارے کے خیالات شامل ہیں۔اور یہ خیالات ہی انسان اور انسان کے بنائے ہوئے معاشروں کو امن اور سکون کی طرف لے جاسکتے ہیں۔مہاتما گاندھی نے کل ہند خلافت کانفرنس کے موقع پر بلکہ ان الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا۔
"لوگ اگر سچے جذبے کے ساتھ خواجہ صاحب کے دربار میں آجائیں تو آج بھی اُن کے باطن کی بہت سی خرابیاں ہمیشہ کے لئے ناپید ہوسکتی ہیں۔"
مشہور انگریز وائسرائے لارڈ کرزن نے ۱۹۰۲ میں دارالخیر اجمیر میں حضرت خواجہ کی بارگاہ

میں حاضری کے وقت وفورِ جذبات میں آکر اِحقیقت کی طرف اِن الفاظ میں بلیغ اِشارہ کیا تھا کہ

"میں نے ایک قبر (خواجہ غریب نواز) کو ہندوستان میں بادشاہت کرتے دیکھا ہے۔"

شہر اجمیر بھی ہے ہند میں آپ اپنی نظیر
تاجِ شاہی سے مرصع ہے یہاں قبرِ فقیر

ڈاکٹر فہیم کاظمی نے ایسے ولی اللہ کے فضائل لکھنے پر قلم اٹھایا ہے جو آج وقت کی ضرورت بھی ہے اور تقاضا بھی ہے۔سید زادے نے سلسلۂ چشت سے وابستگی کا حق ادا کردیا ہے۔آج جبکہ عزتوں کے آبگینے چور چور ہو رہے ہیں۔دہشت گردی کے آسیب نے دلوں کا سکون پارہ پارہ کر رکھا ہے۔وحشتوں کے دیو نے اپنی عفریت سے دلوں کا سکون لوٹ رکھا ہے۔ایسے میں آپ نے قوم کو یاد کرایا ہے کہ اس بدامنی اور معاشی و معاشرتی ابتری سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے۔ان اولیا اللہ کی تقلید کا راستہ،جنہوں نے برصغیر کے لوگوں کو اس وقت بھی پناہ دی تھی جب اُن کے لئے کوئی جائے پناہ نہ تھی،آج بھی ان کی تعلیمات پیامِ الفت و اخوت دے کر سب کو ایک لڑی میں پرونے کی ترغیب دے رہی ہیں۔سید زادے ڈاکٹر فہیم نے سلوک کی یہ منزلیں طے کرتے ہوئے اپنے جدِّ امجد کے دامن میں نہ صرف خود پناہ لی ہے بلکہ خلائقِ عامہ کو بھی اس مشکل سے نبٹنے کا گُر بتا دیا ہے۔ تصوف تو اللہ ھو ہے اور اس ھو کی قدرت میں کائنات رقص کرتی ہے۔ارض و سماء وجد میں انا الحق،انا الحق کی کیفیت سے گزرتے ہیں تو منصور پیدا ہوتا ہے۔ایسے ہی کسی لمحے میں بُلھے شاہ چپکے سے اس راز کو آشکار کر دیتے ہیں۔

میری بکل دے وچ چور

یہی لمحہ ہے جو انسان کو سجدہ بے نیاز میں خدا سے جا ملاتا ہے جو کہ انسان کے اشک کو قطرۂ انفعال بنا کر سیپ میں موتی بنا دیتا ہے۔ایسے ہی وارفتگی کے لمحوں میں ڈاکٹر فہیم نے غواصِ عشق سے گوہر چنے تو وہ سلطان الہند کے قالب میں ڈھل کے گوہرِ ادب کا نکھار بن گئے۔ اور اسی پر موقوف نہیں بلکہ ان تجلیوں کے جلو میں سید زادے کی یہ کاوش ایک ادبی و تحقیقی شہ

پا رہی نہیں، عقیدتوں کا دبستان بن گئی۔ وہ خود کہتے ہیں۔

معین الدین نے مجھ کو بھی آگہی بخشی
کمالِ لُطف سے ذرّے کو روشنی بخشی
سکونِ قلب دیا روح کو خوشی بخشی
کلام کو مرے پھولوں کی تازگی بخشی
زُباں کے تار سے لعل و گُہر پروتا ہوں
ولا کے ہار میں شمس و قمر پروتا ہوں

پروردگاران کی اس ریاضت کو قبول فرما کر ان کے لئے صدقہ جاریہ اور توشۂ آخرت بنا کر دنیا و آخرت کی منزلوں کو آسان بنا کر کامیابیوں اور کامرانیوں کو ان کا نصیب بنا دے۔ آمین!

یہ شہادت گہہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

ایم زیڈ کنولؔ
چیف ایگزیکٹو جگنو انٹرنیشنل لاہور

سلطان الہند

زیرِ نظر کتاب "سلطان الہند" محترم برادرم ڈاکٹر سید فہیم کاظمی الچشتی کی تحقیقی کاوشوں کا ثمر ہے۔ پوری کتاب میں نے حرف بحرف پڑھی ہے۔ اندازِ بیان ان کے خلوص دل کا آئینہ دار ہے۔ کاظمی صاحب کے دل میں صوفیاء کرام سے محبت وعقیدت کی کئی کونپلیں پھوٹتی نظر آتی ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ ہم نے صوفیاء کرام کی تعلیمات وافکار کو سمجھنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی۔ بعض حلقوں نے اپنی کم فہمی اور مروجہ فکر کے تحت تصوف کو متنازعہ بنانے کی کوششیں کیں، لیکن داعیِ حق رسولؐ نے جو روحانی نظام قائم فرمایا ہے، اس میں ایک رتی برابر بھی کبھی کمی نہیں آئی اور نہ آئے گی۔ کیونکہ اس روحانی نظام کی بلند سطح پر صرف وہی پہنچتا ہے، جو اپنے ادراک وفہم کو صوفیائے کرام کی فکر سے ہم آہنگ کرتا ہے۔ بصورت دیگر یہ روشن و لازوال روحانی نظام کسی پر آشکارا نہیں ہوتا۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ راقم الحروف کے حق میں دعا فرمائیں کہ اس ناچیز کے ہاتھ سے صوفیاء کرام کا دامن کبھی نہ چھوٹے............ اگر یہ دامن نصیب میں نہ ہوتا تو دین ودنیا سب کچھ اندھیر ہو جاتا۔ یہی دامن اخروی نجات کا باعث ہے۔

سید نوشاد کاظمی

مظفر آباد آزاد کشمیر

☆☆☆☆☆

سندر خواہشوں جیسا نام.......فہیم کاظمی

ادب کی نگری میں ایک معتبر نام سید فہیم کاظمی کا ہے جو کسی تعارف کا محتاج نہیں ،اس قلندر مزاج شخص سے جب میں پہلی بار ملا تو یوں لگا جیسے یہ میرا اپنا ہو،فہیم کاظمی حسینی آل سے ہیں اور سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور سب سے بڑا وصف ان میں جو ہے وہ یہ ہے کہ بغیر کسی صلے یا ستائش کے اپنے کام میں لگے رہتے ہیں،مذہبی حوالے سے بھی آپ ایک معتبر شخصیت ہیں،جہاں باتوں میں ان کی شفاف اور ارفع سوچ جھلکتی وہاں ان کی ایمان افروز تحریریں بھی مشعل راہ ہیں،ان کا اسلوب بیان بہت سادہ اور عام فہم ہے،بات سیدھے سجاؤ سے کرتے ہیں ان کی تحریروں میں بھی اجلا پن نمایاں نظر آتا ہے،فہیم کاظمی ایک سچا اور کھرا انسان ہے،سچائی پسند ہے،ایک دفعہ میری کسی بات کے جواب میں ان کا کہا ہوا ایک جملہ مجھے آج بھی یاد ہے کہ ”سچ تو سچ ہوتا ہے یار اور سچائی یہی ہے کہ سچ میں کبھی مرضیاں نہیں چلتیں“ادبی حوالے سے آپ ایک منفرد مقام کے حامل ہیں اور یہی وجہ ہے آپ اپنے احباب اور سخن شناس لوگوں میں یکساں مقبول ہیں ان سے گھنٹوں گفتگو کرتے رہیئے کبھی بوریت محسوس نہیں ہوگی،معاشرے میں بکھری ہوئی ناانصافیوں،ظلم اور زیادتیوں پر کبھی کبھی ان کے لہجے میں قرب بکھر جاتا ہے اور کبھی تلخی لیکن اگلے ہی پل وہ نارمل ہو جاتے ہیں،فہیم کاظمی کوئی نظم لکھے یا نثر اس میں ان کی ذات کا پرتو ہونے کے ساتھ ساتھ زمانہ شناسی کی جھلک نمایاں نظر آتی ہے،کبھی کبھی تو لگتا ہے کہ فہیم کاظمی میں کوئی بوڑھی روح پناہ گزین ہے،فہیم کاظمی ہر انسان کے دل میں اترنے کا فن جانتے ہیں،وہ کبھی اخلاق کی کمند سے دل میں اترتے ہیں تو کبھی اپنے فن تحریر کو سیڑھی بنا کر گوشہ دل میں جا بیٹھتے ہیں اور پھر وہیں کے ہو کر رہ جاتے ہیں ان کی تحریر پر کچھ لکھنا یا تبصرہ کرنا مجھ جیسے آڑھی ترچھی لکریں لگانے والے کیلئے سورج کو چراغ دکھانے والی بات ہے،میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا ہے،شاید میں ان کا کچھ اثر لے گیا ہوں تو پھر ایک نقال ان پر کیا لکھے..؟مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ فہیم کاظمی اپنے بازو پر سیاہ پٹی باندھے اپنی تکلیف کو بھول کر اس ظالم سماج اور یزیدی دور کی ستم ظریفیوں کے خلاف ایک خاموش

نوحہ گر ہے ۔دعا گو ہوں کہ مرشد فہیم کاظمی کبھی در نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جائیں اور ہم سب کو دعاؤں میں یاد رکھیں ۔ہمارے لیے لفظ لکھتے رہیں ،ہم پر معاشرے کے عیب اور خوبصورتیاں آشکار کرتے رہیں اور ہم ان سے رہنمائی پاتے رہیں ۔آمین

سلیم بخاری
(شجرہ نویس سادات بخاری)
فنانس سیکرٹری فروغ ادب فاؤنڈیشن پاکستان
بقلندر نگری محمود شہید احمد پور شرقیہ

☆-----☆-----☆

''سلطان الہند کی دستگیری''

اولیاء کرام کے حوالے سے تصانیف کی گئی بے شمار کتابیں زیر مطالعہ رہیں ۔الحمد للہ ثم الحمد للہ ''سلطان الہند'' جیسی کتاب شاید ہی پڑھنے کو ملی ہو۔

''سلطان الہند'' نائب رسول سید المشائخین، امیر السالکین ،حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے حالات، کرامات ،نسب اور مریدین پر مشتمل کتاب جناب ڈاکٹر فہیم کاظمی نے بڑی تگ ودو اور کاوش کے بعد حضرت خواجہ بزرگؒ کے چاہنے والوں کی نذر کی یہ سعادت ہر کسی کے بس کی بات نہیں ۔حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ نے اس کتاب میں ان کی دستگیری فرمائی ۔فرمان حق تعالیٰ ہے ماسوائے اللہ کے حکم سے کچھ نہیں ہو سکتا، ہماری دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ صدقہ محبوب رحمۃ العالمین، پنجتن پاک علیہم السلام اور اولیاء اللہ کے طفیل فہیم کاظمی چشتی صاحب کی اس عظیم کاوش کو چار چاند لگائے ۔امید ہے کہ یہ کتاب عوام الناس میں پذیرائی حاصل کرے گی۔

سگ در غوث پاک
ہمراز اُچوی قادری اوچ شریف

”کچھ صاحبِ کتاب کے بارے میں“

محترم سید ڈاکٹر فہیم کاظمی الچشتی کا تعلق خاندان سادات خانوادہ خواجہ سید معین الدین چشتی اجمیریؒ سے ہے۔ ہمارا بچپن اور لڑکپن اکٹھے گزرا۔ فہیم کاظمی صاحب ایک درویش منش آدمی ہیں۔ ان کے آباؤ اجداد کا سلسلہ نسب چند پشتوں کے بعد سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نوازؒ سے جا ملتا ہے۔ ایک ولی اللہ سے نسبت رکھنے والے محترم ڈاکٹر فہیم صاحب کے اندر اولیائے کرام سے عقیدت و محبت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے اور اس جذبہ کے تحت وہ اولیائے کرام کے حوالے سے متعدد کتابیں لکھ چکے ہیں۔ ان کی تحقیق و تلاش کا سفر جاری ہے۔ گزشتہ عرصہ میں حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے ہمشیرہ زادہ ”سید محمد بلاق“ کی لکھی ہوئی کتاب ”روضۃ الاقطاب“ جو برصغیر پاک و ہند میں امتداد زمانہ کے ہاتھوں ناپید ہو گئی تھی، جناب ڈاکٹر فہیم کاظمی صاحب نے اپنی کوششوں سے دلی کے مضافاتی علاقے سے ڈھونڈ نکالی اور قدیم اردو کو جدید اسلوب میں عام فہم زبان میں شائع کیا تاکہ ہر خاص و عام اس دُرِ نایاب سے مستفید ہو سکے۔ زیرِ نظر کتاب سلطان الہند ان کی برسوں کی تحقیقی کاوشوں کا ثمر ہے۔ برمحل معلوم ہوتا ہے کہ اپنے بچپن کے دوست، سادات خاندان سے تعلق رکھنے والے ڈاکٹر فہیم کاظمی صاحب کے خاندانی احوال کا مختصر تذکرہ کر دیا جائے۔ ”سید عبد العلی“ المعروف ”چراغ علی شاہ“ عرف سوہنے شاہؒ ڈاکٹر صاحب کے پڑدادا تھے، جو دلی (انڈیا) میں آباد تھے، جنہوں نے دو شادیاں کی تھیں۔ ایک بیوی سے پانچ اور دوسری اہلیہ محترمہ سے تین بیٹے ہوئے۔ میرے دادا محترم کے بڑے بھائی پیر غلام رسول سہروردیؒ جو حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانیؒ کے فرزند سعید ”حضرت قدوۃ الدین سہروردیؒ“ جن کا مزار نارائن گڑھ ”ضلع انبالہ“ ہندوستان میں ہے، کے سجادہ نشین تھے اور ان کا محترم ڈاکٹر فہیم کاظمی کے پڑدادا

سید عبدالعلی شاہ المعروف چراغ علی شاہؒ سے گہری راہ ورسم اور یارانہ تھا.................. جناب ڈاکٹر فہیم کاظمی صاحب کے پڑدادا کے ایک مرید نے حضرت شرف الدین بوعلی قلندرؒ کے مزار واقع پانی پت پر ایک آستانہ ان کو بنا کر دیا تھا، جہاں وہ عرس کے ایام کے علاوہ بھی دیگیں اور لنگر پکوا کر تقسیم کرتے تھے۔ میرے دادا پیر غلام رسول سہروردیؒ ہمیشہ اپنے آبائی علاقہ نارائن گڑھ ضلع انبالہ سے حضرت شرف الدین بوعلی قلندرؒ کے سالانہ عرس کے موقع پر باقاعدہ جلوس لے کر جاتے تھے۔ جلوس کا یہ کارواں پا پیادہ سینکڑوں میل کا سفر طے کر کے پانی پت حضرت شرف الدین بوعلی قلندرؒ کے مزار پر پہنچتا تھا اور یہ جلوس ''پنکھے کے جلوس'' کے نام سے مشہور تھا اور اس سارے جلوس کے قافلے کی میزبانی، دیکھ بھال، طعام وقیام کا فریضہ ڈاکٹر فہیم کاظمی کے پردادا محترم سید عبدالعلی شاہ عرف چراغ علی شاہؒ سرانجام دیتے تھے اور پانی پت میں حضرت شیخ شرف الدین بوعلی قلندرؒ کے مزار پر دوران عرس بھی میزبانی کی یہ سعادت محترم ڈاکٹر فہیم کاظمی کے پڑدادا کو حاصل رہتی تھی۔ جس طرح ہم بچپن اور لڑکپن میں دوست تھے، اسی طرح ہمارے خاندان کا طویل عرصہ پر محیط جناب ڈاکٹر فہیم کاظمی صاحب کے خاندان سے محبت واخوت بھرا تعلق رہا ہے۔

جب ہندوستان کی تقسیم ہوئی اور فسادات برپا ہوئے، خون کی ہولی کھیلی گئی تو خاندان اور افراد بچھڑ گئے۔ لاکھوں افراد نے ملک کے مختلف حصوں سے بٹوارے پر ہجرت کی تو ایسے پرآشوب حالات میں سید عبدالعلی کے پانچ بیٹے مفقود الخبر ہو گئے نہیں معلوم فسادات میں شہید ہوئے یا کہیں گمنامی کی زندگی گزار کر وفات پا گئے یا ان میں سے کوئی زندہ ہے۔ صرف دو بیٹے سردار علی شاہؒ اور نواز علی شاہؒ پاکستان آگئے اور مراد علی شاہؒ جو سب سے بڑے تھے، ہندوستان میں ہی رہ گئے۔ سید عبدالعلی عرف چراغ علی شاہؒ دہلی سے ہجرت کر کے ضلع جالندھر تحصیل نکودر گاؤں ''وجوہا'' میں آباد ہو گئے۔ یہ اس زمانے کی بات ہے،

جب بجلی نہیں ہوتی تھی ۔گاؤں میں سب لوگ گھروں میں روشنی کیلئے چراغ جلایا کرتے تھے اور اس موقع پر اگر آندھی یا طوفان ہوتا تو سید عبدالعلیؒ کا چراغ نہ بجھتا۔اس وجہ سے ان کی عرفیت ''چراغ شاہ'' مشہور ہوگئی۔ان کے ہاں جو شخص دعا کروانے آتا تو اکثر نصیحت فرماتے کہ ہر جمعرات کو اپنے گھر میں پنجتنؑ کے نام کے پانچ چراغ جلایا کر۔سردار علی شاہؒ جب پاکستان آئے تو یہاں آبادکاری اور شناخت کا مرحلہ شروع ہوا تو سردار علی شاہؒ کی سادگی کی وجہ سے ان کے شناختی کارڈ میں ولدیت کے خانہ میں اصل نام کے بجائے عرفیت سوہنے شاہ لکھ دی گئی۔جس کی وجہ سے زمین کے کاغذات کا مسئلہ پیدا ہوگیا کیونکہ والد کا نام عبدالعلی شاہؒ تھا۔اس وجہ سے اس خاندان کو آج تک پاکستان میں کوئی رقبہ الاٹ نہ ہوسکا اور حضرت خواجہ سید معین الدین چشتی اجمیریؒ کی نسل سے تعلق رکھنے والا یہ خاندان آج بھی بے گھر اور بے زمین ہے۔سردار علی شاہؒ کا ایک ہی بیٹے سید محمد ایوب علی شاہؒ تھے، جن کا فروری سال 2016ء میں انتقال ہوا۔سید محمد ایوب علی شاہ چشتیؒ ڈاکٹر فہیم کاظمی کے والد گرامی تھے۔سید سردار علی شاہؒ کے دوسرے بھائی نواز علی شاہؒ جو غربت اور کسمپرسی کے عالم میں ہجرت کر کے پاکستان آئے تھے، کے تین بیٹے تھے۔نواز علی شاہ نے اپنی پہلی بیوی کے انتقال پر دوسری شادی کی۔ان کی پہلی بیوی سے اولاد نہیں ہوئی۔نواز علی شاہ کے ہاں تین بیٹے اور پانچ بیٹیاں پیدا ہوئیں۔تین بیٹے رفیق شاہ، محمد علی شاہ، محمد حسین شاہ نہایت غربت اور ناداری کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔سردار علی شاہ پاکستان آرمی میں تھے اور وہیں سے ریٹائرڈ ہوئے۔1933ء ان کی تاریخ پیدائش ہے۔مشرقی پاکستان کے مقام لکشمی پور جہاں میجر طفیل محمد شہید ہوئے تھے تو سردار علی شاہ بھی ان کی معیت میں انڈین آرمی سے لڑتے ہوئے زخمی ہوئے۔پاکستان میں آکر پہلے سیالکوٹ میں رہائش اختیار کی۔1965ء کی جنگ میں گوجرانوالہ چلے گئے اور پھر ''اُچ شریف'' آکر آباد ہوگئے۔باوجود کوشش کے یہ خاندان آج تک اپنی زمین اور گھر سے محروم ہے۔..................محترم ڈاکٹر فہیم کاظمی صاحب ان نامساعد حالات میں بھی تحقیق و تلاش اور تصنیف و تالیف کے کام کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔جو بلاشبہ ان کے عالی ہمت

ہونے کی علامت ہے۔ کتاب سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ پر ایک جامع اور مکمل کتاب ہے اور تقریباً ہر پہلو سے انہوں نے برصغیر پاک و ہند کے عظیم المرتبت ولی اللہ کی زندگی کے گوشوں کا احاطہ کیا ہے۔ بلاشبہ جناب ڈاکٹر فہیم کاظمی صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں۔ ڈاکٹر فہیم صاحب خود ایک سفید پوش مگر خودار، توکل علی اللہ رکھنے والے، صابر و شاکر آدمی ہیں۔ حرص ولالچ اور طمع سے ان کا دل پاک ہے۔ برصغیر پاک و ہند کے ایک جلیل القدر ولی اللہ سے نسلی تعلق رکھنے والے اس شخص میں بھی اولیائے کرام کی فکر و کردار کا پرتو جھلکتا نظر آتا ہے۔ اللہ پاک ان کو اس کارِ خیر کا اجر دے۔ ہماری دعا ہے کہ ان کی مشکلات و مصائب کم ہوں ....

زیر نظر کتاب پڑھنے والے قارئین کرام سے گزارش ہے کہ دعا کریں کہ اس گھرانے پر اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین یا رب العالمین ...

مخدوم ڈاکٹر محمد عرفان ہاشمی

سجادہ نشین دربار عالیہ غوثیہ سہروردیہ حضرت بابا پیر ودھائیؒ

راولپنڈی

مرکزی صدر پیر ودھائی فاؤنڈیشن پاکستان

☆☆☆☆

﴿باب نمبر 1﴾

برصغیر پاک و ہند میں صوفیائے کرام کی تاریخ پر مختصر نظر

تصوف کا آغاز:

برصغیر پاک و ہند میں حضرت خواجہ غریب نواز ؒ کو جو ممتاز مقام حاصل ہے وہ محتاج تعارف نہیں۔تصوف کی تاریخ میں آپ کا نام تا ابد زندہ و پائندہ رہے گا۔آپؒ ان اکابر صوفیاء میں سے تھے،جنھوں نے دینِ حقانیت کی روشنی سے برصغیر پاک وہند کو سب سے پہلے روشناس کرایا اور مسلمان فوجی حکمرانوں اور شہنشاہوں کے مقابلے میں مکارمِ اَخلاق سے بھر پور دینی خدمات انجام دیں۔آپؒ نے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لئے جس قدر عزم و استقلال اور شغف وبصیرت کا ثبوت دیا وہ ان ہی صوفیائے عظام کا خاصا تھا۔یہ صوفیاءکرام بہت ذی علم ہوتے تھے،جنھیں اسلام کے علوم متداولہ مثلاً حدیث،تفسیر اور فقہ میں بھی کمال حاصل تھا۔وہ قول و عمل کی تطبیق کے ساتھ ساتھ شریعت اسلامی سے بھی سرمو انحراف نہ کرتے تھے اور صوفی کہلاتے تھے۔'صوفی' کی اصطلاح کس طرح اور کب رائج ہوئی؟اس کا جواب اہلِ علم نے مختلف انداز میں دیا ہے۔بعض کے نزدیک صوفی عابد و زاہد لوگوں کے اس گروہ کا نام ہے،جو اپنے زمانہ کے مقبول لباس ریشم وحریر کو چھوڑ کر صرف صُوف یعنی اُون پہننے پر اکتفا کرتے تھے۔دوسروں کے خیال میں 'صوفی' صفا سے ہے،جس کے معنی صفائے قلب کے ہیں۔بقول شیخ ابوعلی رودباریؒ "صوفی وہ ہے جو صفائے قلب کے ساتھ صوف پوشی اختیار کرتا ہے۔ہوائے نفسانی کو تختی کا مزہ چکھاتا ہے۔شرع مصطفوی ؐ کو اپنے اوپر

لازم کر لیتا ہے اور دنیا کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔'' کچھ لوگ صوفی کا ناطہ اصحاب صفہ سے جوڑتے ہیں۔اصحاب صفہ عہد نبوّت میں صحابہ کا وہ گروہ تھا جو علائق دنیاوی سے بے نیاز ہو کر رات دن زہد و ریاضت اور ذکر الٰہی میں گزار دیتا تھا۔علامہ شبلیؒ نے اپنی تصنیف 'الغزالی' میں لکھا ہے کہ تصوف کا لفظ اصل میں 'سین' سے تھا اور اس کا مادہ سوف تھا جس کے معنی یونانی زبان میں حکمت کے ہیں۔دوسری صدی ہجری میں یونانی کتابوں کا ترجمہ عربی میں ہوا اور چونکہ حضرات صوفیہ میں اشراقی حکماء کا انداز پایا جاتا تھا،اس لئے لوگوں نے ان کو 'سوفی' یعنی حکیم کہنا شروع کردیا۔رفتہ رفتہ 'سوفی'،'صوفی' ہوگیا۔کلمہ 'صوفی' کی یہی توجیہہ سب سے زیادہ معقول اور قرین صحت تسلیم کی جاسکتی ہے۔تاریخ میں سب سے پہلے جس بزرگ کے نام کے ساتھ 'صوفی' کا لفظ استعمال کیا گیا۔وہ ابو ہاشم تھے۔یہ بزرگ کوفے میں پیدا ہوئے اور شام میں زندگی گزاری۔اوّلین صوفیاء میں سے حضرت قشیریؒ فرماتے ہیں کہ حضور رسالت مآبؐ کے وصال مبارک کے بعد کسی مسلمان کا معزّز ترین لقب یہ تھا وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا صحابی کہلانے میں فخر محسوس کرے کیونکہ اس سے عظیم امتیاز اور کوئی نہ تھا۔پھر جن لوگوں کو اصحابؓ پاک کی صحبت سے فیض یابی کا شرف حاصل ہوا،تابعین کہلائے اور جنہیں تابعین سے ملنے اور استفادہ کرنے کا موقع ملا،تبع تابعین گردانے گئے۔اس کے بعد لوگوں میں اختلافات پیدا ہونے لگے تو مختلف القابات و اصطلاحات وضع کی جانے لگیں۔منتخب روزگار اشخاص جنہیں اسلام سے گہرا شغف تھا،زاہد و عابد کہلائے،بعدازاں اختلافات کی جگہ بدعات نے لے لی اور مختلف فرقوں میں جھگڑے پھیل گئے۔آل رسولؐ اور ان کے چاہنے والے کے جن چیدہ برگزیدہ ذی علم لوگوں نے خدا سے لو لگائی اور زہد و اتقاء کے دامن کو نہ چھوڑا،وہ اہلِ تصوّف کہلائے۔

تصوف کے چار سلاسل

کہا جاتا ہے کہ امام غزالی کے بعد عالم اسلام کا اتحاد متزلزل ہوگیا۔ بنی اُمیہ اور بنی عباس کی حکومتیں ختم ہوگئیں اور کئی خود مختار ریاستیں معرض وجود میں آگئیں تو یونانی فلسفہ کے اثر سے اشراقیت، مشائیت، وحدت الوجود، تناسخ ارواح، عقل اوّل، ہیولیٰ وغیرہ کے عقائد و مسائل پھیلنے لگے۔ نتیجۂ اسلامی تصوّف کا وہ رنگ برقرار نہ رہ سکا، جو آل رسولؐ، اصحاب پاکؓ، تابعین اور تبع تابعین کے ادوار کا خاصا تھا۔ اکابرین طریقت کی خانقاہیں، ایسے عقائد و اعمال کی آماجگاہیں بن چکی تھیں کہ اسی اثنا میں تصوّف کے چار مکاتیب فکر قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ عمل میں آئے۔ ان کے اکابرین شیخ محی الدین سید عبدالقادرؒ جیلانی المعروف غوث الاعظمؒ، خواجہ سید معین الدینؒ چشتی غریب نواز، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اور خواجہ سید احمد نقشبندیؒ تھے، جنہوں نے کفر و شرک کے خلاف آواز اُٹھائی اور ثابت کیا کہ تصوّف اسلامی، حقیقت میں وہ ہے جو آل رسول، اصحاب پاکؓ، تابعین اور تبع تابعین کا تھا اور جس کی تعلیم حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت قنبرؓ، حضرت اویس قرنیؓ، حضرت جنید بغدادیؒ، معروف کرخیؒ اور رابعہ بصریؒ نے دی، ان میں سے ہر سلسلہ نے تبلیغ حق کے لیے حتی المقدور کوششیں کیں۔ سلسلہ چشتیہ کے بانی مبانی حضرت خواجہ ابو اسحٰق شامیؒ تھے، جنہوں نے 320ہجری میں اس سلسلہ عالیہ کی داغ بیل رکھی۔ آپؒ شام کے رہنے والے تھے اور اپنے وطن سے چل کر بغداد تشریف لائے جہاں ان دنوں حضرت خواجہ ممشاد علی دینوریؒ کی ذات بابرکات گہوارہ تحریم تھی۔ دُور دراز سے عقیدت مند چل کر ان کی خدمت اقدس

میں آتے تھے اور فیض پاتے تھے۔حضرت خواجہ فرید الدین عطار ؒ کا تذکرہ اولیاء میں بیان ہے کہ حضرت ممشاد علیؒ دینوری کا دروازہ بالعموم بند رہتا تھا، جب کوئی آتا تو استفسار کرتے "مسافر ہو یا مقیم" پھر فرماتے "مقیم ہو تو اندر آجاؤ اگر مسافر ہو تو یہاں تمہارے لئے کوئی جگہ نہیں"۔حضرت ابو اسحٰق شامیؒ جب ان کی خدمت سراپا میں بہ نیت ارادت حاضر ہوئے تو پوچھا کہ تمہارا نام؟ آپؒ نے عرض کیا۔"ابو اسحٰق شامی" نام سنتے ہی اندر بلا لیا اور کہا کہ آج سے تم چشتی ہو،تم خواجہ چشت بنو گے۔اسلام کی مشعل تمہارے ہاتھوں سے چشت میں جلے گی اور جن کا سلسلہ تم سے ملے گا وہ قیامت تک چشتی کے لقب سے پکارا جائے گا۔تم چشت چلے جاؤ، چنانچہ حضرت ابو اسحٰق شامی بغداد سے سیدھے چشت چلے آئے، آپ کے فیض باکمال سے آسمانِ چشت پر کئی ستارے جگمگائے۔ان میں ایک ستارہ ایسا بھی تھا جس نے فاران کی چوٹیوں سے اس پار طلوع ہونے والے آفتاب سے تابندگی پائی اور یہ حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نوازؒ تھے جن کے طفیل سلسلہ عالیہ چشتیہ کو عروج حاصل ہوا اور اسلام کی روشنی دُور دراز تک پھیلتی ہی چلی گئی۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد اور اسلام کی ترویج

جس زمانہ میں حضرت خواجہ غریب نوازؒ برصغیر پاک و ہند تشریف لائے ،اس وقت یہ خطہ کفر وضلالت کی اتھاہ گہرائیوں میں گھرا ہوا تھا۔آپؒ ان صوفیاء اور فقراء کے پیشرو تھے جنہیں تلوار سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا اور وہ بظاہر کوئی دُنیوی شان وشوکت کے مالک بھی نہ تھے۔انہوں نے صرف طریقِ محبت سے وعظ ونصیحت کر کے

کفرستان ہند سے بُت پرستی کے آثار تک مٹا ڈالے اور لاکھوں غیر مسلموں کو حلقہ بگوشِ اسلام کیا۔ یہ کتنا بڑا سانحہ ہے کہ غیر مُلکی تاریخ نویس تو ایک طرف، خود مسلمان مؤرخین ان بزرگوں اور نیک طینت ہستیوں کو فراموش کر بیٹھے ہیں، جن کی بے لوث خدمات اور بابرکت کرامات کے طفیل ہندوستان میں اسلام کی جڑیں پھیلیں اور مضبوط ہوئیں اور ان نام نہاد تاریخ دانوں نے محض گنتی کے چند فاتحین کے نام سے اشاعتِ اسلام کو منسوب کر کے رکھ دیا۔ کوئی بھی درسی کتاب یا تاریخ اٹھالی جائے، ہر ایک کے مطالعہ سے یہی بات پتہ چلے گی کہ برصغیر پاک و ہند میں سب سے پہلے محمد بن قاسم مسلمان فاتح کی حیثیت سے آیا اور پھر تاریخ میں اس کے بعد آنے والے حکمرانوں اور حملہ آور مسلمان بادشاہوں کی فتوحات کا ذکر ہوتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اعدائے اسلام نے دینِ حنیف اور فرزندانِ توحید کے خلاف جدید زمانے میں جو نوع بہ نوع اعتراضات پھیلائے ہیں۔ ان میں ایک یہ بھی ہے کہ اسلام کی اشاعت تلوار کی رہینِ منت رہی ہے، لیکن معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ بلاشبہ حق و باطل کے درمیان توپ و تفنگ اور تیر و سنان کا میدان ہر دَور میں گرم رہا، لیکن اس سے اسلام کی ترویج و اشاعت اتنی مؤثر اور تیز رفتار نہ رہی جس قدر صوفیاءِ کرام اور اولیاءِ کرام، مسلمانوں کے اخلاص کی خاطر اسلحہ کے بغیر جہاد میں مصروف رہے۔ حالانکہ دُنیا کا ہر مذہب استبداد اور تشدّد کے بل بوتے پر پھیلا۔ یہ صرف اور صرف اِسلام تھا، جس کی ترویج و اشاعت بنیادی طور پر تبلیغ و تلقین کی منت پذیر رہی ہے۔

جبر و استحصال تا بہ کے۔ اسلام کی زندگی تلوار پر منحصر ہوتی تو بعض مذاہب کی طرح یہ بھی تلوار ہی سے فنا ہو جاتا۔ اب تک شمشیر براں سے دینِ حقہ پر جتنے وار ہوئے ہیں، وہ اسے فنا کر دینے میں کامیاب ہو جاتے لیکن آلِ رسول، اولیاءِ کرام و صوفیاءِ عظام کی تاریخ

ثابت کرتی ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں اسلام ان ہی کی مساعی جمیلہ سے پھیلا۔ یہ تسلیم کہ محمد بن قاسم، محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری جیسے جیالے مسلمان فاتحین ہی نے ہندو راجاؤں، مہاراجاؤں پر پے در پے حملے کر کے انہیں اپنا مطیع کیا اور بت کدۂ ہند میں توحید کا ڈنکا بجایا، لیکن یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ ان فاتحین کو یہاں لانے والے اور پھر اپنی پُر اثر دعاؤں کے ساتھ انہیں فتوحات سے سرفراز کرنے اور قدم قدم اور منزل منزل پر ان کی رہنمائی کرنے والے یہ بزرگانِ دین تھے جنھوں نے مجاہدینِ اسلام کی فتوحات سے بھی زیادہ کام کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان میں اسلام کی ترویج واشاعت اور توحیدِ الٰہی کی تبلیغ کا آغاز پہلی صدی ہجری میں ہو چکا تھا۔ اوّل اوّل عرب تجار سے ملیبار، سندھ، گجرات اور سواحل بنگال میں کلمۂ حق کی پذیرائی ہوئی۔ ملیبار کی ''موپلا'' قوم ان ہی عربوں کی یادگار ہے۔ بایں ہمہ شمالی ہند سے پہلے جنوبی ہند میں مسلمانوں کی نو آبادیاں قائم ہوئیں، ان نو آبادیوں کے قیام کی دو بڑی وجوہ تھیں۔ عرب تاجروں اور سوداگروں کی کاروباری سرگرمیاں اور سراندیپ میں نقش قدم کی زیارت کے لئے مسلمان صوفیاء اور درویشوں کی آمد و رفت ــــ جنوبی ہندوستان میں اسلام کے ابتدائی مراکز سراندیپ، مالدیپ، ملیبار اور کارمنڈل تھے۔ سنسکرت میں دیپ کے معنی جزیرہ کے ہیں سراندیپ وہی جزیرہ ہے جسے پہلے لنکا یا سیلون کہا جاتا تھا اور آج کل یہ سری لنکا کہلاتا ہے۔ یہ جزیرہ جنوبی ہند سے چند میل کی مسافت پر، بحرِ ہند کے پانی میں نہ جانے کب سے موجود ہے۔ یہ جزیرہ چونکہ ہند کے دوسرے جزیروں کو آپس میں ملاتا ہے، اس لئے اسے سراندیپ کہتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے جزیرے جہاں باہم ملتے ہیں، اس سنگم کو آدم پُل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مشہور ہے کہ اس پُل کے متصل پہاڑ کی چٹان پر پاؤں کا نشان ہے۔ مسلمان اسے حضرت آدمؑ کا نقش پا، بودھ

اس کو شا کیہ موتی اور ہندو شو جی کے چرن کا نشان سمجھتے ہیں۔ قصص الانبیاء میں اس نقش پا کا ذکر موجود ہے۔ بہر کیف یہ نقشِ قدم صدیوں سے مسلمانوں، بودھوں اور ہندوؤں کیلئے عقیدت و محبت کا مشترکہ مرکز بنا ہوا ہے۔ ابتدا میں مُسلمان عرب سیاحوں اور عراق کے درویشوں کو اس نقشِ پا کی زیارت کا بڑا شوق تھا، کوئی درویش یا مسلمان تاجر سراندیپ کے راستے سے گزرتا تو اس کی زیارت ضرور کرتا۔ یوں یہ جزیرہ مسلمان درویشوں کے لئے بھی کششِ روحانی کا باعث بنا رہا۔ فرشتہ کا بیان ہے کہ مسلمان تاجروں سے یہاں کے لوگوں کے روابط بڑھے تو وہ بھی عرب جانے لگے، یہ دیکھ کر سراندیپ کا راجہ ۳۰۰ھ میں مسلمان ہوگیا، اس کے مشرف بہ اسلام ہونے کی تصدیق بزرگ بن شہریار ناخُدا کی تصنیف عجائب الہند سے ہوجاتی ہے۔

سراندیپ کے بعد اطراف میں مسلمانوں کی امنگوں کا سب سے بڑا مرکز مالدیپ تھا جس کو عرب ''جزیرۃ المہل'' کہتے تھے۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ جن دنوں اس جزیرے کے لوگ بُت پرست تھے، یہاں ہر مہینے سمندر سے دیو کی شکل کی ایک بلا آتی تھی، وہ لوگ اس بلائے ناگہاں سے بچنے کے لئے ہر سال ایک کنواری دوشیزہ کو بناؤ سنگار کر کے سمندر کے کنارے ایک بُت خانے میں چھوڑ آتے تھے۔ اتفاق سے مراکش کے ایک بزرگ شیخ ابوالبرکات بربری مغربیؒ یہاں آئے، جن کی دُعا اور برکت سے یہ بلا ہمیشہ کے لئے ان کے سروں سے ٹل گئی۔ حضرت شیخ ابوالبرکات بربری مغربیؒ کی یہ کرامت دیکھ کر مالدیپ کا راجہ شنورازہ اور اُس کی رعایا مسلمان ہوگئی۔ ابن بطوطہ کا کہنا ہے کہ اس نے مالدیپ کی ایک خوبصورت مسجد کی محراب پر اس واقعہ کے کلمات لکھے ہوئے پڑھے ہیں۔ ''تحفۃ المجاہدین'' کی ایک روایت کے مطابق اسلام کو ظہور پذیر ہوئے ابھی دو برس ہی گزرے تھے کہ عرب اور عجم کے مسلمانوں کی ایک جماعت آدمؑ

کے نقشِ پا کو دیکھنے کے لیے سراندیپ گئی۔ اتفاق سے ان کا جہاز طوفان کی وجہ سے ملیبار کے شہر 'کدنگلور' کے کنارے آلگا۔ شہر کے راجہ سامری نے اس جماعت کے درویشوں کو خوش آمدید کہا اور درویشوں سے جب پیغمبر اسلام ؐ کا حال سُنا تو وہ مسلمان ہو گیا۔ یہ واقعہ غالباً نویں صدی ہجری کا ہے اور اسے فرشتہ نے بھی اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے۔

برصغیر میں صوفیاء کی آمد

برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی طرح ڈالنے والے اصل میں بزرگانِ دین ہی تھے۔ محمد بن قاسم کی آمد کے بعد اس سرزمین پر صوفیاء وفقراء آنا شروع ہو گئے۔ ان کے پیشِ نظر کوئی معمولی مشن نہ تھا، جس کی پائیداری اور مضبوطی کے آگے مراۃ العروس ایسی دیو پیکر منجنیقیں بھی ہیچ تھیں کہ جن کے گولے محمد بن قاسم نے اہلِ ہند پر بارش کی طرح برسائے تھے اور انہیں اپنا مطیع کر لیا تھا۔ محمد بن قاسم کے چھوڑے ہوئے آتشیں گولوں کا دھواں تو چند ہی برسوں کے اندر اندر وادئ سندھ کی فضاؤں میں تحلیل ہو گیا، مگر روحانیت کے جو پھول دینِ برحق کے متوالے بزرگوں نے یہاں کے باسیوں پر نچھاور کئے، ان کی مہک سے یہاں کی فضا صدیوں معطر رہی۔ یوں اس دَور سے صوفیاء و اولیاء کرام نے جنوب مغربی ہند کے قریہ قریہ اور بستی بستی تبلیغ اسلام فرمائی اور لوگوں کو صراطِ مستقیم کا درس دیا لیکن اس دَور میں دیبل اور منصورہ کو خاص مقام حاصل رہا۔ دوسری صدی ہجری کے بزرگ ابو شریح ؒ سندھی محدث یہیں کے رہنے والے تھے ۔بعد کے بزرگوں میں حضرت بایزید ؒ بسطامی کے استاد ابو علی سندھی ؒ کا نام آتا

ہے۔منصورہ کی قابلِ ذکر ہستیوں میں حضرت قاضی ابو محمد منصوری اللہ کے ولی تھے۔اسی طرح ابو تراب تبع تابعی سندھ کی برگزیدہ شخصیت تھے۔آپؒ کا مزار پاک وہند میں عہد اسلامی کی سب سے قدیم زیارت گاہ ہے۔عباسی خلفاء کے دَور کے یہ بزرگ ٹھٹھہ سے دس میل کے فاصلے پر تحصیل میر پور ساکرو میں ابدی نیند سو رہے ہیں محمد بن قاسم سے لے کر امیر سبکتگین تک 3 سو سالہ دَور میں کئی حکمران آئے اور چلے گئے اور برصغیر میں بعض اہل اللہ اور صاحب حال بزرگ وارد ہوتے رہے، لیکن ان کی کوششوں سے اسلام کی ترویج واشاعت کی رفتار میں ایک خاص حد تک ٹھہراؤ رہا۔البتہ محمود غزنوی کے سترہ حملوں نے ہندوؤں کی بُت پرستی کا غرور خاک میں ملا کر رکھ دیا۔اس کی شجاعت و جوانمردی کا سب سے زیادہ فائدہ اسلام کو پہنچا اور بزرگانِ دین وصوفیاء کرام ہندوستان کی سرزمین پر وارد ہونے لگے۔شیخ ابوالحسن خرقانیؒ عہد غزنوی کے ممتاز اور عظیم المرتبت ولی اللہ تھے۔سلطان محمود غزنوی جب سومنات پر یلغار کرنے کی نیت سے ہندوستان روانہ ہونے لگا تو پہلے آپ کی زیارت کیلئے خرقان پہنچا۔آپ نے اُسے چار نصیحتیں کیں جو یہ تھیں'' نماز با جماعت ادا کرو، سخاوت کو شعار بناؤ، خلقِ خدا پر شفقت رکھو اور ممنوعات سے پرہیز کرو'' روانہ ہونے سے قبل آپ نے محمود غزنوی کو اپنا ایک پیرہن دیتے ہوئے فرمایا۔''جاؤ اللہ تعالیٰ تمہاری عاقبت کو محمود کردے''اور غزنی کے سلطان نے اس حملہ میں سومنات کو فتح کر لیا۔حالانکہ وہ پہلے ہندوستان پر سولہ ناکام حملے کرچکا تھا۔اس فتح کے بعد محمود غزنوی نے رات خواب میں شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کی دوبارہ زیارت کی۔غزنوی عہد میں لاہور کے سب سے پہلے بزرگ حضرت شیخ اسمٰعیلؒ لاہوری کا اسم سامنے آتا ہے۔آپؒ 1005ء میں لاہور تشریف لائے۔آپ پہلے واعظین اسلام میں سے تھے جنہوں نے اس عروس البلاد میں وعظ فرمایا۔ان کے بعد حضرت سید

علی ہجویریؒ داتا گنج بخش جیسی نامور اور برگزیدہ شخصیت کا ذکر تاریخ میں ملتا ہے۔آپؒ غزنی میں پیدا ہوئے۔شیخ علیؒ بن عثمان ہجویری اصل نام تھا___فیاض اور سخی ہونے کی بدولت داتا گنج بخش مشہور ہوئے۔آپؒ نے راہِ ہدایت سے بھٹکے ہوئے ہزاروں انسانوں کو رشد و ہدایت کی دولت سے مالا مال کیا۔حضرت داتا گنج بخشؒ علی ہجویری کا پاک و ہند کے اولیاءِ کبار میں خاص مرتبہ و مقام ہے۔آپؒ نے کفرستانِ ہند میں دین کی شمع روشن کی اور شرک و کفر کی ظلمتوں کو دور کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا آپ کا مسلک و مشرب وہی تھا جو آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہونا چاہیئے آج کل کشف المحجوب اور دیگر کتب میں جو آپ کا مسلک مذکور ہے وہ سب غلط ہے۔آپؒ ہی کے مشن کو خواجہ غریب نوازؒ نے سرحد، پنجاب اور سندھ کی حدود سے پرے برصغیر کی بے پایاں وسعتوں میں پھیلایا سلطان الہند اور ہندالولی کہلائے۔خواجہ غریب نوازؒ کے مقابلے میں حضرت سید علی ہجویری داتا گنج بخشؒ کو برصغیر پاک و ہند میں ایک تو اوّلیت کا شرف حاصل ہے، دوسرے آپؒ کے مزارِ پُر انوار سے کئی برگزیدہ اور ذی علم ہستیوں نے بھی فیض پایا۔ان میں خود حضرت خواجہ معین الدین چشتی غریب نوازؒ سرفہرست تھے۔جنہوں نے آپؒ کے مرقدِ اطہر کے روبرو چلہ کشی فرمائی۔اس کی یادگار داتا صاحبؒ کی تربت کے سامنے حجرہ اعتکاف کی صورت میں موجود ہے۔خواجہ پرست جب سنگِ مرمر کے اس خوش نما حجرے کی محراب نما جالیوں سے اندر جھانکتے ہیں تو انہیں سبز روشنی سفید گنبد کے مکیں کے پاس لے جاتی ہے وہ آفتاب چشت کا تصور لئے آنکھوں ہی آنکھوں میں آرزوؤں کے کئی تاج محل تعمیر کر لیتے ہیں۔ہاں ہاں وہی آفتابِ چشت جو ہرات' سے طلوع ہوا اور ظلمت کدۂ ہند کو اپنی کرنوں سے منور کر گیا۔

☆......☆......☆

باب نمبر 2

تصوف کی تمہید و حقائق

تصوف کوئی ایسا طریق یا فلسفہ زندگی نہیں ہے، جو فہم سے بالاتر ہو۔ نہ تصوف کوئی ایسا پیچ در پیچ مشکل مسئلہ ہے۔ فی الحقیقت تصوف کو اسلام کے بطن سے نکال کر ایک انفرادی راہ بنانا محض کم علمی کی وجہ سے ہوا ہے اور تاریخ میں اس عمل کو اتنی بار استقامت کے ساتھ دھرایا گیا کہ تصوف یعنی طریقت اور شریعت دو انفرادی ضابطے یا طریق بن گئے۔ حالانکہ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ کہنا کہ اسلام کے ابتدائی عشروں میں تصوف کی کوئی شکل نہیں ملتی، ایک سطحی بات ہے۔ بلکہ دور رسالت مآب میں تصوف کا پورا جوہر اپنی تابانی کے ساتھ ظہور پذیر ہوا، لیکن اسے "تصوف" کا نام نہیں دیا گیا بلکہ صدق و صفا اور اخلاص کے نام سے تعبیر کیا گیا۔ تصوف نیتوں اور عمل میں اخلاص لانے کا نام ہے اور قرآن کا پورا زور بھی اخلاص پر ہے۔ اس کا بالکل واضح مطلب یہ ہوا کہ قرآن پاک کی پوری تعلیمات ہی میں تصوف کی تلقین کی گئی ہے۔ یعنی نیتوں اور عمل میں اخلاص پالیا جائے۔ جتنا جتنا اخلاص بڑھتا جائے گا، تصوف کی مسافرت بھی بڑھتی جائے گی۔ یہ تو پہلی صدی ہجری کے بعد کے ادوار کی تشریحات و توجیہات ہیں کہ شریعت کے بطن سے اخلاص کے جوہر کو کھینچ کر پہلے باہر نکالا گیا اور پھر اس کو تصوف کے نام سے موسوم کیا گیا۔ یہ ایک بہت بڑا تاریخی مغالطہ، مبالغہ اور ابہام ہے۔ اس طرح آنے والے ادوار میں بعض حلقوں نے تصوف کو متنازعہ بنا دیا۔

پوری معلوم تاریخ انسانی کے مطالعے سے ثابت ہوتا ہے کہ قدیم اقوام کے بہت کم افراد نے انبیاءکرام کی آواز پر صدق دل سے لبیک کہا۔پیغمبروں کی تعلیمات کو تسلیم تو کرلیا گیا،ان پر ایمان لانے کا اظہار تو کیا گیا مگر ایسی تعداد بہت ہی قلیل رہی ہے، جنہوں نے انبیاءکرام کی تعلیمات پر صدق وصفا کے مرحلے طے کر کے الٰہی احکامات کو اپنی جانوں پر ترجیح دی۔اس طرح ہمیشہ انسانوں کی بہت بڑی تعداد صدق و صفا کے وہ تقاضے پورے نہ کرسکی ،جس طرح خالق مطلق کی منشاءتھی ۔چونکہ معاشرہ کی اکثریت صدق وصفاءپر پوری طرح کاربند نہ تھی تو ان کے نزدیک الٰہی تعلیمات کی تعبیر بھی ان کے اپنے خصائل کے تحت ہوئی ۔بالکل اس طرح اسلام میں ہوا اور اسلامی معاشرے کا ایک بڑا حلقہ صدق وصفا کے تمام تقاضے کما حقہ پورے نہ کرسکا۔لہذا معاشرے میں دومتوازی حلقے بن گئے ۔صدق وصفا پر پوری طرح کاربند حلقہ میں موجود رہا اور واجبی شعائر اسلام پورے کرنے والا حلقہ بھی قائم رہا۔ دونوں حلقے متوازی صورت میں ہر زمانے میں قائم رہے اور اس ہی عمل کی وجہ سے صدق وصفا کے تقاضے پوری طرح مکمل کرنے والوں کو اہل تصوف کہا جانے لگا۔حالانکہ ان میں ابھار کی کوئی گنجائش یا جواز سرے سے موجود ہی نہ تھا۔بعد ازاں اس سیدھی سی بات کو الجھا کر تضادات پیدا کردیئے گئے ،جو چیز متنازعہ تھی ہی نہیں اس کو متنازعہ بنادیا گیا۔

وجود باری تعالیٰ

وجود باری تعالیٰ کا مسئلہ بعض حلقوں کے نزدیک نہ سلجھنے والی گتھی ہے ۔جتنا اس پر غور کیا جائے ،یہ مزید الجھتا چلا جاتا ہے ۔حالانکہ اس مسئلہ کو،جس کو مسئلہ

بنادیا گیا ہے،ایسا کوئی ابہام نہیں ہے۔

''موجودہ سائنس تلاش وجستجو کے راستہ پر چل کر اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ پوری کائنات ایک ہی قوت کا مظاہرہ ہے۔یہ انکشاف نیا نہیں ہے۔ہمارے اسلاف میں کتنے ہی لوگ اس کو بیان کر چکے ہیں کہ کائنات کے تمام مظاہر کو ایک ہی توانائی کنٹرول کر رہی ہے اور اس قوت کا براہ راست اللہ تعالیٰ کے ساتھ رابطہ ہے۔قرآن اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

''اللہ آسمانوں اور زمین کی روشنی ہے''

ہم مادی سائنس اور اپنے اسلاف کے علوم کا موازنہ کرتے ہیں تو یہ دیکھ کر ہمارے اوپر حیرت کے باب کھل جاتے ہیں کہ اب سے تقریباً آٹھ صدی پہلے حضرت سید عبدالقادر جیلانی ایک ایسے عظیم سائنسدان تھے،جو فطرت کے قوانین کو جانتے تھے۔جن کے وجود مقصود سے آفاقی قوانین کے رازہائے سربستہ کا انکشاف ہوا ہے۔حضرت شاہ جیلانیؒ فطرت کے قوانین کے استعمال کا جو طریقہ بتائے گئے ہیں اور انہوں نے ان قوانین کو سمجھنے کی جو راہ متعین کی ہے،وہاں آج کی سائنس کھربوں ڈالر خرچ کر کے بھی نہیں پہنچ سکی ہے۔(کتاب پیراسائیکالوجی۔میاں مشتاق احمد عظیمی صفحہ 11)

وجود باری تعالیٰ یا توحید کو سمجھنے کی کئی طرزیں ہیں اور توحید کی بھی کئی اقسام ہیں،جن سے عام ذہن نابلد رہتا ہے۔زیر نظر سطور میں ہم کوشش کریں گے کہ ہم وجود باری تعالیٰ یا توحید کو سمجھ سکیں،جس کو متنازعہ اور پیچیدہ مسئلہ بنا دیا گیا ہے۔فرض کیا کہ ایک شخص کا نام زید ہے۔زید فی نفسہ کیا ہے؟مختلف حرکات ومشاہدات اور سرگرمیوں کا مجموعہ ہے اور یہ سرگرمیاں ایک ایسی ایجنسی سے سرزد ہو رہی ہیں،جو خود کو ''احساس'' یا ''انا'' کا درجہ رکھتی ہے۔

"زید"

میرا جسم	میرا دماغ	میرا دل	میرے اعضا وجوارح	میں نے اخبار پڑھی	میں نے سفر کیا وغیرہ وغیرہ

زید کا احساس ایک ایسا نقطہ یا ایجنسی ہے، جو مختلف دعوے کررہی ہے۔یعنی زید کا احساس یا ادراک مختلف سرگرمیوں کا مجموعہ ہےاور یہ زید کی ذات یا احساس محض ایک ایسی ایجنسی ہے جو خلا ہے، جو جسم نہیں رکھتی،فقط نقطہ احساس یا ادراک ہے۔یہی زید کی ذات ہے۔اس ہی ادراک کرنے والی ایجنسی کو فنا نہیں ہے۔جب یہ مادی مظاہر میں سرگرمی دکھاتی ہےتو جسم کو میڈیا بنا کر مظاہرہ کرتی ہےاور جب مظاہراتی خدوخال سے باہر نکلتی ہےتب بھی اس کی ہستی قائم رہتی ہے۔فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ ایک سطح سے اتر کر زید کی ذات دوسری اوجھل سطح پر سرگرم رہتی ہے۔جب یہ اوجھل سطح پر سرگرم رہتی ہےتو اس کی سرگرمیوں کی گرفت شعور نہیں کرپاتا لیکن جب مظاہراتی سطح پر وارد ہوتی ہےتو شعور زید کو جاننے لگتا ہے،لیکن ہر دو سطحوں میں زید کی ہستی بدستور قائم ہے اور یہ زید کی ہستی ایک "نقطہ ماسکہ" کی حیثیت رکھتی ہے۔ایجنسی احساس،ادراک،انا سب ایک ہی چیز ہیں،جن کو زید کی ذات کا نام دیا گیا ہے۔

یہ زید کی جو ذات ہے،اسے تخلیق نہیں کیا جاسکتا۔یعنی اس کا تخلیق ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔اگر ہم زید کی ذات کا انفرادی حیثیت میں الگ جہت کے ساتھ تخلیق ہونا تسلیم کرلیں تو توحید کی پوری عمارت منہدم ہو جائے گی بلکہ توحید نا پید ہو جائے گی۔یہ ادراک،احساس یا احساس کی ایجنسی اللہ تعالٰی کا ذاتی ادراک ہے،جو مسافرت کرکے تقسیم ہوا اور انفرادیت کا عارضی لبادہ پہن کر زید کی صورت میں نمودار ہوا۔جب تک

زید یا زید کی احساس کی ایجنسی انفرادی دائرے میں اپنی ہستی کو قائم رکھتی ہے، اس کا الگ عارضی وجود قائم ہے۔ یہ اس کا اپنا وجود نہیں بلکہ مستعارلہ ہے، جو زید کے انفرادی رنگ میں مسافرت کر رہا ہے اور یہ مستعارلہ احساس ذات مطلق کا ہے۔ علی ہذاالقیاس ایک خفیف سے پردے کے ساتھ ذات مطلق کا احساس ہی تقسیم در تقسیم ہو کر فرد کی صورت میں جلوہ گر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے۔

''کوئی آنکھ ادراک نہیں کر سکتی، اللہ خود ادراک بن جاتا ہے''۔

تمام صوفیاء کا یہ فرمان بھی ہے کہ ہم نے اللہ کو اللہ سے دیکھا۔

جب جنگ بدر میں حضورؐ نے مشت خاک اٹھا کر کفار کے لشکر کی طرف پھینکی تھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ وہ مشت خاک آپؐ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھی۔

قرآن پاک میں یہ بھی ارشاد الٰہی ہے:

ترجمہ: میں تمہارے اندر ہوں تم مجھے دیکھتے کیوں نہیں۔

نیز یہ بھی ارشاد الٰہی ہے:

ترجمہ: ہم تمہاری رگ جاں سے بھی زیادہ قریب ہیں''۔

اگر ہم اس آیت کی گہرائی میں اتر کر ادراک کریں تو انکشاف ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے سے اس کی اپنی ذات سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اس آیت میں جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کو کثرت کے ساتھ وابستہ کر رہے ہیں۔ یعنی تمام ذی روح مخلوق کے ساتھ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کا ادراک ہی تقسیم در تقسیم ہو کر فرد کی ہستی قائم رکھے ہوئے ہے۔ خود ذاتی حیثیت میں فرد کا کوئی وجود نہیں ہے۔ جو کچھ وجود ہے، ذات مطلق کا تقسیم در تقسیم شدہ احساس ہے۔

عارف کھڑی حضرت میاں محمد بخشؒ نے فرمایا ہے:

مٹی دا قلبوت وڑھلیا وچہ وڑ بیٹھا آپے
آپ روئے، آپ ہسے، آپے کرے سیاپے

صوفیائے کرام کا طریق یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کے انفرادی رنگ کو ریاضت و مجاہدے اور مشق سے ختم کر دیتے ہیں۔ جب ان کی ذات کی ہستی بیچ سے ہٹ جاتی ہے تو پھر باقی اللہ کی ذات یا وجود باری تعالیٰ ہی رہتا ہے۔ اسی لیے حضورؐ نے فرمایا۔

''مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے''

اسی طرح اولیائے کرام کا ذہن جب ان کی انفرادیت ختم ہو جاتی ہے، اللہ کے ذہن کا قائم مقام بن جاتا ہے۔

حضرت بابا تاج الدین کی شان میں ایک ہندو جج نے گستاخی کی اور یہ گستاخی حضرت بابا تاج الدین کو ناگوار گزری تو اس کے اثرات یہ مرتب ہوئے کہ اس جج کے خاندان کا جو بھی مرد عہد شباب کو پہنچتا مخبوط الحواس ہو جاتا ہے.................. کیونکہ حضرت بابا تاج الدین ناگپوری کے اندر ذات مطلق کا ارادہ اور ادراک متحرک تھا اور ذات مطلق کے ارادہ لوح محفوظ کا قانون بن گیا۔ فرق صرف یہ ہے کہ جب تک زہد اپنی ہستی پر اپنا انفرادی پردہ چڑھائے رکھے گا، ذات مطلق سے متعارف نہیں ہوگا۔

بالفاظ دیگر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ذات مطلق نے اپنے ہی احساس یا ادراک کو انتہائی قدروں میں تقسیم کر کے بکھیر دیا، جس سے تمام مخلوق کا ادراک قائم ہوا۔ وگرنہ کوئی چیز عارضی وجود کا روپ اختیار نہیں کر سکتی تھی۔ ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اللہ وجود باری تعالیٰ کے علاوہ فی الحقیقت کوئی چیز وجود ہی نہیں رکھتی ہے اور جن موجودات یا تخلیقات کو ہمارا شعور محسوس کرتا ہے، یہ محض ہیولی ہوتی ہیں۔ جس کی کوئی حقیقت نہیں۔

کیونکہ قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے انسان کے ہر مشاہدے کو رد فرمایا ہے اور فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ مشاہدہ محض شعور کی کارستانی ہے، جس کے اندر حقیقت نہیں ہے۔

یہ موضوع ایک پوری کتاب کا متقاضی ہے۔اس کتاب "سلطان الہند" میں اس کے تفصیلی بیان کی گنجائش نہیں ہے۔

مرزا اسداللہ خان غالب نے کہا ہے کہ:

جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے؟
یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں؟
غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے؟
شکن زلف عنبریں کیوں ہے؟
نگہ چشم سرما سا کیا ہے؟
سبزہ و گل کہاں سے آتے ہیں؟
ابر کیا چیز ہے، ہوا کیا ہے؟

پروفیسر یوسف سلیم چشتی "تاریخ تصوف" میں یوں رقمطراز ہیں۔

"تصوف اس اشتیاق کا نام ہے جو ایک صوفی کے دل و دماغ میں خدا سے ملنے کے لیے اس شدت کے ساتھ موجزن ہو جاتا ہے کہ اس کی پوری عقلی اور جذباتی زندگی پر غالب آجاتا ہے۔گفتگو کرتا ہے تو اسی کی، خیال کرتا ہے تو اسی کا، یاد کرتا ہے تو اسی کو، کلمہ پڑھتا ہے تو اسی کا۔شفق کی سرخی میں، دریا کی روانی میں، پھولوں کی مہک

میں، بلبل کی آواز میں، تاروں کی چمک میں، صحرا کی وسعت میں، باغ کی شادابی میں، غرض کہ تمام مظاہراتی کائنات اور مناظرِ قدرت میں اسے خدا ہی کا جلوہ نظر آتا ہے"۔

یہیں سے وجود باری تعالیٰ کے بارے میں سائنسدان، فلسفی، پیر و مذہب اور صوفی کے تصور میں فرق واضح ہو جاتا ہے۔

وجود باری تعالیٰ سائنسدانوں اور فلسفیوں کی موشگافیاں

سائنسدان، فلسفی اور حکماء کی کائنات اور وجود باری تعالیٰ کے بارے میں اپنا اپنا استدلال اور موشگافیاں ہیں، لیکن ان گنت سوالات کے جوابات ان کے پاس بھی نہیں ہیں۔ ایک سائنسدان، فلسفی یہ وضاحت نہیں کر سکتا کہ انسان فی نفسہٖ کیا چیز ہے؟ ادراک احساسات وجذبات کیا ہیں؟ خیالات کیا ہیں؟ کہاں سے جنم لیتے ہیں؟

سائنسدانوں میں خدا کے منکر بھی ہیں اور قائل بھی اور ان کے بیچ میں بھی کچھ سائنسدان کھڑے ہیں۔ بعض سائنسدانوں کا نقطۂ نظر یہ بھی ہے کہ خدا اس کائنات کو تخلیق کرنے کے بعد وہ اس سے لاتعلق ہو چکا ہے۔ اس لیے خدا اور انسان میں کوئی ربط اور تعلق قائم نہیں ہو سکتا۔

یہ حماقت کی انتہا ہے دراصل غلطی یہ ہو رہی ہے کہ انسان کے مروجہ شعور نے ان سائنسدنوں کو اہل علم تسلیم کر لیا ہے۔ واضح رہے کہ سائنسدانوں کو کچھ معلوم نہیں ہے کہ کائنات کس طرح قائم ہے؟ سائنسدان تو یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ مادہ کی اصل کیا ہے؟

وہ تو کائنات میں متحرک توانائی کی سورس کا ادراک بھی نہیں کر سکے۔ مظاہرات کو اپنا وجود قائم رکھنے کے لیے بھی وقت کی کم ترین کسر یعنی سنکھ در سنکھ حصہ میں بھی توانائی کی ضرورت ہے۔ ہر لمحہ توانائی کی ایک لہر ذات مطلق سے نزول کر رہی ہے اور تمام موجودات کو سیراب کرنے کے بعد پھر صعود کر کے ذات مطلق میں جذب ہو رہی ہے، جس سے یہ کائنات قائم ہے۔ اگر اس توانائی کی لہر میں ایک سیکنڈ کے کھربویں حصے کا تعطل واقعہ ہو جائے تو کائنات عدم ہو جائے گی۔ اس کا وجود مٹ جائے گا۔ فی الواقع توانائی کے بہت بڑے لامحدود سمندر میں تغیر واقع ہوا ہے اور یہی تغیر کائنات ہے۔ یہی تغیر ادراک بنا ہے۔ اس ہی تغیر سے وہ شعور متحرک ہوا ہے، جو کائنات اور وجود باری تعالیٰ کے بارے میں سوالات اٹھاتا ہے۔ جب تک تغیر قائم ہے، مظاہرات انفرادی حیثیت میں متعارف ہیں۔ جب تغیر نہیں رہے گا تو دوسری کوئی سوالات اٹھانے والی ایجنسی یا شعور بھی نہیں رہے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ کائنات سے پہلے کچھ تھا اور نہ اب کچھ ہے اور نہ آئندہ کچھ ہوگا۔ لامتناہی ادراک میں تغیر ایک لمحہ کے لیے واقع ہوا۔ اس ہی تغیر کو لامتناہی ادراک کی تقسیم ہونے والی محدود ترین کسر نے ازل ابد کے روپ میں ڈھال لیا..................وگرنہ نہ کوئی لمحہ ہے اور نہ وقت ایک ہی ہستی ہے، جو وجود باری تعالیٰ ہے۔ اس لامتناہی ہستی کے ادراک میں واقع ہونے والے تغیر کو ادراک، کائنات کی شکل وصورت میں دیکھ رہا ہے، لیکن واضح رہے لامتناہی ادراک کے ایک خفیف سے خفیف اور چھوٹے سے چھوٹے نقطہ میں تغیر واقع ہوا ہے، جو شناخت کا موجب بن رہا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ لامتناہی ادراک اب بھی پردہ اخفاء میں ہے اور پردہ اخفاء میں ہی رہے گا..............

اسی لیے صوفیائے کرام نے فرمایا ہے کہ ذات مطلق انسانی فکر وتخیل کی ہر

پرواز سے ماورا ہے۔ جو کچھ ادراک ہے، وہ لامتناہی حدود کے ایک خفیف ترین نقطے کا ہے۔ اس ہی کو کائنات اور لاشمار عالمین کا نام دیا جا رہا ہے۔ یہی تغیر ازل ابد اور ابد الآباد کے بے شمار مراحل میں انسانی ادراک کو منقسم محسوس ہوتا ہے۔ ورنہ ذات مطلق اس فہم کی توصیفی حدوں سے بہت ارفع اور ماوراء ہے۔ ذات مطلق پھر بھی ماوراء الماوراء ہے۔

حضورؐ کا فرمان مبارک ہے کہ:

''ہم سے پہچاننے کا حق ادا نہ ہوا''

اس ارشاد نبویؐ کی گہرائیوں میں بے شمار اسرار پنہاں ہیں۔ جو صرف غور وفکر کرنے والے ذہن پر منکشف ہوتے ہیں۔

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

ترجمہ: اصل صورت میں نمودار ہوا جب وہ افق اعلیٰ پر تھا۔ قریب آیا............ اور قریب آیا .... یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا .... بلکہ اس سے بھی کم .... دل نے جو دیکھا جھوٹ نہیں دیکھا۔

حضورؐ اسی لیے افضل البشر ہیں اور کائنات کے حاکم ہیں اور محبوب الٰہی ہیں کہ ذات الٰہی کے ادراک میں تغیر کی پہلی حرکت جس مقام پر واقع ہوتی، وہ ذات محمدیؐ کا ادراک ہے۔ اس ہی ادراک سے تغیر کی لہریں ٹھنڈی ہو کر کائنات کا روپ دھار رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتے ہیں کہ:

''اس نے اپنے بندے سے جو چاہا راز و نیاز کی باتیں کیں............''۔

اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ ذات مطلق کو جس طرح نبی کریمؐ نے پہچانا، کائنات میں، کوئی اور ہستی اس طرح نہیں پہچان سکی۔

رہی فلسفیوں اور حکماء کی باتیں، تو یہ سب اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں ہیں،

جو محض اندھیروں میں گم کبھی وجود باری تعالیٰ کے منکر ہو جاتے ہیں اور کبھی قائل۔

بعض فلسفیوں کا طرز استدلال یہ ہے کہ کائنات کا خالق ہی اصل علت ہے اور چونکہ وہ غیر شخص ہے، اس لیے انسانوں کے ساتھ اس کا ایسا رابطہ نہیں ہو سکتا جیسا کہ مختلف انسانوں کے مابین پایا جاتا ہے............ وہ کسی انسان سے ہمکلام نہیں ہو سکتا۔ کوئی انسان اسے پکارے تو وہ جواب نہیں دے سکتا۔

غور کیا جائے تو سائنسدان اور فلسفی کے تصورِ خدا میں کوئی فرق نہیں ہے، لیکن بعض علمائے دین کے نزدیک سے بھی خدا سے ہم کلامی کا تصور اور سوچ گمراہی ہے۔

بندے سے اللہ کی ہم کلامی

مذہبی دانشور کہتے ہیں کہ آدمی اللہ کی آواز نہیں سن سکتا .... ایک بڑا گروہ ایسا بھی ہے، جو اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ اللہ کو دیکھنا بھی ممکن نہیں ہے............ اس دنیا نا پید کنار میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں، جو روحانی قدروں کو مفروضہ (Fiction) اور قوت متخیلہ قرار دیتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں دنیا کی بڑی آبادی اللہ سے ہم کلام نہیں ہو سکتی .... فقراء کا یہ کہنا ہے کہ بندہ اللہ کا عرفان حاصل کر کے اللہ سے ہم کلام ہو سکتا ہے یا کوئی بندہ اگر اللہ کو دیکھنا چاہے تو دیکھ سکتا ہے (حضرت سلطان الہندؒ کا خانہ کعبہ میں اللہ سے ہم کلام ہونا ثابت ہے) اللہ سے بندے کی قربت اور دوری یہ دونوں باتیں قرآن پاک میں بیان کی گئی ہیں............ اللہ نے تخلیق کائنات کے بعد جب کائنات کو مخاطب کر کے فرمایا ''الست بربکم؟'' میں تمہارا رب ہوں!............ مخلوق جو جواباً عرض کیا............ ''جی ہاں............!

ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں اور عہد کرتے ہیں کہ آپ ہمارے رب ہیں ....

کوتاہ عقل والا بندہ بھی اس بات کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب مخاطب کیا تو مخلوق کے کان میں آواز پڑی، جیسے ہی کان میں آواز پڑی، مخلوق کی نظر اٹھی اور مخلوق نے اللہ کو دیکھا .... دیکھنے کے بعد مخلوق فوراً پکار اٹھی کہ جی ہاں ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ آپ ہمارے رب ہیں ....

قرآن مجید نے دو باتوں کی وضاحت کی ہے .... اللہ کی آواز سننا اور آواز سن کر اللہ کو دیکھنا اور دیکھنے کے بعد اقرار کرنا۔ دوسری بات یہ کہ مخلوق نے اللہ کی دی ہوئی سماعت کو استعمال کیا اور جب مخلوق کے اندر اللہ کی دی ہوئی سماعت متحرک ہوئی تو مخلوق کو بصارت مل گئی۔ وہ دیکھنے کے وصف سے واقف ہو گئی۔

مخلوق کی سماعت میں پہلی آواز اللہ کی پڑی اور مخلوق کی نظر نے سب سے پہلے اللہ کو دیکھا .... سماعت کی بنیاد یہ بنی کہ سماعت نے جو پہلی آواز سنی وہ اللہ کی آواز تھی .... دیکھنے کی بنیاد یہ بنی کہ نظر نے جس چیز کو پہلی بار دیکھا وہ اللہ کی ہستی ہے .... کائنات میں جتنی بھی مخلوق ہے۔ اجتماعی طور پر سب نے اللہ کی آواز سن کر اللہ کو دیکھا اور اللہ کی ربوبیت کا اقرار کیا ہے .... اجتماعی شعور حاصل ہونے کے بعد دوسری چیز جو مخلوق کو حاصل ہوئی وہ یہ ہے کہ مخلوق کو اپنا ادراک حاصل ہو گیا۔ یعنی مخلوق نے اس بات کو سمجھ لیا کہ اللہ نے مجھے تخلیق کیا ہے۔ مجھے تخلیق کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ مخلوق کو اپنا ادراک حاصل ہو گیا .... اس کو ہم اس طرح کہیں گے کہ اللہ نے اپنی مشیت سے ایک کائنات بنائی، اس کائنات کے بندوں کو سننے، بولنے، چکھنے، محسوس کرنے اور دیکھنے کی صلاحیت منتقل کی اور یہ ساری صلاحیتیں خود اللہ کی اپنی صلاحیتیں ہیں۔ اس لیے کہ جب اللہ نے "الست بربکم" فرمایا تو سماعت کے لیے پہلی

آواز اللہ کی آواز قرار پائی۔مخلوق نے جب نظر اٹھا کر دیکھا تو نظر کا ٹارگٹ وہ ہستی بنی جو خالق ہے۔مخلوق نے یہ محسوس کیا کہ میرا بنانے والا "اللہ" میرے سامنے موجود ہے............جیسے ہی مخلوق کے ذہن میں یہ بات آئی کہ میرا بنانے والا کوئی ہے،تو ساتھ ہی یہ بات بھی ذہن نشین ہوگئی کہ میں مخلوق ہوں...............یہ تذکرہ اس عالم کا ہے،جس کو پیراسائیکالوجی میں "عالم ارواح" کہا جاتا ہے۔

ادراک،سماعت اور بصارت کی حیثیت اجتماعی ہے۔یعنی تمام مخلوق یکجا طور پر موجود ہے۔مخلوق میں کبوتر،چڑیا،بیل،گائے،بھینس،جنات،فرشتے،آدم وغیرہ ہیں۔اس تخاطب اور اقرار کے بعد ہر ایک کو اپنا اپنا ادراک حاصل ہوا تو مخلوق نے خود کو پہچانا..............پہچاننے سے مراد یہ ہے کہ الگ الگ نوعیں بن گئیں۔اب نوعی پروگرام مرتب ہو کر لوح محفوظ پر آیا۔لوح محفوظ سے یہ پروگرام تقسیم ہو کر ہر نوع کا انفرادی،پروگرام بن گیا،جہاں نوعیں انفرادی حیثیت میں متعارف ہوئیں۔اس کا نام پیراسائیکالوجی میں "ضمیرہ" ہے۔ضمیرہ ایک جنریٹر (Generator) ہے،جس کے اوپر فلم کا ایک ایسا فیتہ چلتا ہے،جس میں نوعی پروگرام اور انفرادی پروگرام ایک ساتھ ڈسپلے ہوتا ہے۔اس فلم کا مظاہرہ زمین کے اوپر ہوتا ہے۔یعنی اللہ نے زمین کو فلم ڈسپلے کرنے کے لیے اسکرین بنا دیا ہے...............

تخلیق کی بنیادی حیثیت پر اگر غور کیا جائے تو یہ بات منکشف ہوتی ہے کہ آدم زاد اللہ کی سماعت سے سنتا ہے،اللہ کی بصارت سے دیکھتا ہے اور اللہ کی فہم سے سوچتا ہے،پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ بندہ اللہ کو دیکھ نہیں سکتا...............یا کوئی بندہ اللہ سے ہمکلام نہیں ہو سکتا؟

اللہ کو دیکھنے کی طرف متوجہ نہ ہونا،اللہ کی آواز سننے کے لیے جدوجہد اور کوشش

نہ کرنا بدبختی اور بدنصیبی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ جو بندے اللہ کی قربت کے لیے، اللہ کی آواز سننے کے لیے، اللہ کو دیکھنے کے لیے جدوجہد کرتے ہیں، ان کی کوشش اس لیے کامیاب ہوتی ہے کہ وہ جس نظر سے دیکھ رہا ہے، وہ فی الواقع اللہ کی نظر ہے، جس سماعت سے وہ سن رہا ہے، وہ فی الواقع اللہ کی سماعت ہے .... فرق صرف اتنا ہے کہ ہم اس بصارت کو جس کا پہلا ٹارگٹ اللہ ہے، بہت زیادہ محدود طرزوں میں استعمال کرتے ہیں .... ہم نے اس بات کو اپنے لیے یقین بنالیا ہے ہم دیوار کے پیچھے نہیں دیکھ سکتے .... جب کہ اللہ کے ارشاد کے مطابق اس نظر سے اللہ کو دیکھا ہے اور بندہ نے اللہ کو دیکھ کر اس کی ربوبیت کا اقرار کیا ہے۔

(کتاب پیراسائیکالوجی۔ مجموعہ لیکچرز خواجہ شمس الدین عظیمی۔ مولف میاں مشتاق احمد عظیمی)

مذہب، سائنس اور فلسفہ

سائنس اور فلسفہ کا مذہب سے کوئی ایسا جوڑ اور ربط نہیں ہے کہ ہم فلسفہ اور سائنس کی بساط پر مذہب کی توجیہہ کرسکیں۔ ہاں سائنس کی وسعت سے مذہب کے بعض حصوں کو فصاحت کے ساتھ بیان کرنے کی فضا پیدا ہوئی ہے۔ چونکہ سائنس کی ترقی کی وجہ سے انسانی شعور نے ارتقاء کی ایک جست لگائی ہے اور شعور کی وسعت مذہب کو جاننے اور سمجھنے میں معاون ثابت ہورہی ہے، لیکن سائنسی بساط بچھا کر مذہب کے حقائق تک پہنچنا ممکن نہیں کیونکہ سائنس مسلسل تغیر پذیر ہے جبکہ مذہب میں سرمو کوئی تغیر ممکن نہیں .... مذہب کی بنیاد وحی پر ہے جہاں عقل کی پرواز کی رسائی نہیں ہوسکتی۔ مذہب یا الہامی طرز فکر خدا کی طرف سے عطا کی جاتی ہے، جس میں عقل کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ بالکل یہی حال فلسفے کا ہے .... فلسفہ اور منطق فکر انسانی کو الجھا

دیتا ہے۔فی الواقع فلسفہ بھول بھلیوں کے سوا کچھ نہیں ہے، جو محض ایک ریاضیاتی عمل کے مترادف ہے، جس سے کوئی حتمی نتیجہ اخذ کرنا ناممکن ہے............ایسا اس لیے ہو رہا ہے کہ فلسفہ کی ایک سطح یا حد متعین ہے۔اس طرح فلسفہ، عقل و منطق کے ذریعے ایک محدود دائرے میں سعی کی جاتی ہے۔اس محدود دائرے سے باہر عقل و فلسفہ کی پرواز ممکن نہیں۔یہی وجہ ہے کہ مذہب جو ادراک کی لامتناہی سطح سے شعور انسانی تک پہنچا ہے، عقل و فلسفہ سے کوئی تفہیم ممکن نہیں۔

............مذہب کے معاون کار عشق اور وجد ہیں۔عشق اور وجدان اپنا الگ ادراک رکھتے ہیں۔یہ ادراک اس قدر سریع الاثر ہے کہ عقل و فلسفہ کی لاکھوں برس کی مساعی پر ایک لحہ میں سبقت لے جاتا ہے۔یعنی جو کچھ تفہیم عقل و فلسفہ کی مدد سے لاکھوں برسوں میں ہوگی اور عقل و فلسفہ لاکھوں برسوں کی مساعی سے جو نتائج اخذ کریں گے وہ عشق اور وجدان آن واحد میں حاصل کرلے گا............عشق اور وجدان کی اس ہی خاصیت کی وجہ سے ان دو اجزائے ادراک کو مذہب کا معاون قرار دیا گیا ہے۔بالفاظ دیگر مذہب کے حقائق تک رسائی کا واحد ذریعہ عشق و وجدان ہیں۔اگر کوئی ان اوصاف سے تہی دامن ہے تو وہ مذہب کی عمیق سطحوں میں پنہاں حقائق تک نہیں پہنچ سکتا۔صوفیائے کرام نے کبھی عقل پر بھروسہ نہیں کیا۔انہوں نے جو مقام حاصل کیا، اس کی بنیاد عشق و وجدان تھا۔یہی طریقہ ہمیشہ سے انبیاء کرام کا رہا ہے، لیکن المیہ یہ ہے کہ بہت کم لوگ عشق و وجدان سے وقوف حاصل کرپائے ہیں............آخر ایسا کیوں ہوا............غور و فکر کرنے سے ایک ہی بات کا انکشاف ہوتا ہے کہ نوع انسانی کے جن حلقوں نے عقل و فلسفہ کو اپنے ادراک پر محیط کرلیا، ان پر عشق و وجدان کے دروازے بند ہوگئے کیونکہ عقل و فلسفہ فکر انسانی کو اس طرح اپنے حصار میں جکڑ لیتے ہیں کہ عشق و

وجدان کے لیے خفیف ترین دریچہ بھی باقی نہیں رہتا.................شاید "غشاوۃ و لھم" میں قرآن پاک نے اس ہی طرف اشارہ کیا ہے۔

عشق و وجدان اور صوفی لازم و ملزوم ہیں۔ان کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔

صوفیت کی بنیاد ہر مذہب میں تقریباً ایک ہی ہے اور ہو بھی کیوں نہ ہر مذہب جو الہامی ہے، اس کی بنیادی تعلیمات ایک ہی ہیں۔ دراصل مذہب کی غرض و غایت صرف اور صرف یہ ہے کہ انسان فکر و ادراک کے اس اعلیٰ زینے پر پہنچ جائے جہاں اس کا خالق کے ساتھ ربط قائم ہو جائے اور تمام کے تمام مذہبی نظائر و طور طریقے فی الحقیقت اس ادراک کے اعلیٰ ترین راستے پر چلنے کے ضابطے ہیں۔ جب نسل انسانی عقل و فلسفہ پر تکیہ کر کے آگے بڑھنے کی کوشش کرتی ہے تو روشن راستہ غائب ہو جاتا ہے، اس لیے کہ اپنی محدودیت کے باعث عقل و فلسفہ اس روشن راستے پر چلنے کے لیے معاون کار نہیں ہیں۔لہذا اس مرحلہ پر عقل و فلسفہ اور سائنس کے سہارے چلنے والوں اور صوفیاء کا راستہ جدا ہو جاتا ہے.................لیکن یہ بھی ایک ناقابل تردید تاریخی حقیقت ہے کہ جب عقل و فلسفہ اور سائنس پر مر مٹنے والے عاجز آ گئے، ناکام ہو گئے تو پھر صوفیائے کرام نے ہی ان کی راہنمائی فرمائی۔

تاریخ کے صفحات اس بات کی بیانگ دہل شہادت دے رہے ہیں۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی تک

(علامہ اقبال)

صحبت پیر رومی سے ہوا مجھ پہ یہ راز فاش
لاکھ حکیم سر بجیب ایک کلیم سربکف
(علامہ اقبال)

تصوف دیگر مذاہب میں

تصوف دراصل اپنی نیتوں اور اعمال میں اخلاص لانے کا نام ہے۔اس طرح الہامی مذاہب کے وہ حلقے جنہوں نے خلوص نیت کے ساتھ اپنی نیتوں میں اور اعمال میں اخلاص لانے کی کوششیں کی "صوفی" ہی کہلائے گئے۔

قبل ازیں تحریر کیا جاچکا ہے کہ صوفیائے کے ادراک کی بنیاد عشق و وجدان ہیں۔دیگر مذاہب کے ماننے والوں میں بھی ہمیشہ عشق اور وجدان میں سفر کرنے والے حلقے موجود رہے ہیں..................صوفی چونکہ لامتناہی ذات اللہ سے وابستہ ہوتا ہے۔ اس طرح ایک صوفی کے دل میں کسی بھی مذہب کے بارے میں عصبیت کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔اس طرح صوفیت کا دائرہ کار وسیع ہوتا ہے۔ادراک کی ظاہری سطح پر تو نسل انسانی مختلف مذاہب میں بٹی نظر آتی ہے،لیکن بحیثیت نوع سب انسان ایک ہی ہیں۔یہ تو عقل وفلسفہ کے گورکھ دھندے ہیں،جس نے اس باطنی سطح کے باہر نسل انسانی کو مذہبوں کے مابین منافرت کی دیوار کھڑی کر کے اور الگ الگ مفروضہ تعبیر بھی کر کے منقسم کر رکھا ہے وگرنہ الہامی طرز فکر کی بساط ایک ہے..................اس طرح تمام مذاہب کے صحیح صوفی بے شک اپنے اپنے معاشرتی قدروں کے مطابق انفرادی رنگ لیے ہوں بہ باطن ایک ہیں۔ذیل میں چند مذاہب میں تصوف کا مختصر تذکرہ کیا جارہا ہے۔

ہندو تصوف

''اپنشد'' جن کی تعداد ایک سو ساٹھ ہے۔تصوف پر قدیم ترین تصانیف ہیں۔ ان کا زمانہ تصنیف حضرت عیسٰی ؑ سے آٹھ سو سال پہلے کا ہے ....اپنشدوں کی تعلیمات کی روح ''برہمہ گیان (عرفان حقیقت)'' ہے۔ چنانچہ سوال کیا گیا کہ وہ کیا شے ہے، جس کا عرفان ہو جانے سے سارے جگت کا عرفان ہو سکتا ہے؟ ....اس کا جواب یہ دیا گیا کہ وہ شے ''خدا'' ہے ....اگر انسان کو اس کا عرفان ہو جائے تو ساری کائنات کا عرفان حاصل ہو جائے گا''۔

اپنشدوں کی تعلیمات کے مطابق یہ کائنات سراسر غیر حقیقی (دھوکا، مفروضہ) نہیں ہے بلکہ حقیقی بھی ہے اور غیر حقیقی بھی ہے ....کائنات اس اعتبار سے حقیقی (خارج میں موجود ہے) کہ مظہر ذات حق ہے اور اعتبار سے غیر حقیقی ہے کہ بذات خود موجود نہیں ہے جبکہ حق تعالٰی کی حقیقت وجود ہے.......... وہ بالذات موجود ہے۔

یہ کائنات جیسی نظر آتی ہے، ایسی کیوں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ خدا کی مرضی یونہی تھی ....وہ مختار مطلق ہے کوئی شخص اس سے باز پرس نہیں کر سکتا۔ وہ جو چاہتا ہے، کرتا ہے ....دنیا میں رہو، مگر اس سے دل مت لگاؤ۔

''بیراگ'' (اللہ کے سوا سب سے ترک تعلق) بہترین طرز حیات ہے۔ انسان کے حقیقی دشمن باہر نہیں بلکہ اندر ہیں اور وہ یہ ہیں۔ کام (شہوت)، کرودھ (غصہ) موہ (حرص) لوبھ (لالچ) اہنکار (تعصب)۔

جب تک ان پانچ دشمنوں کو مغلوب (نفس امارہ) نہیں کرو گے، برہم گیان

(عرفان) حاصل نہیں ہوسکتا۔ جس کو برہم گیان حاصل ہو جاتا ہے، وہ خود برہمن ہو جاتا ہے۔ یعنی برہمن کی صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔ جب انسان برہمن بن جاتا ہے، تو اس میں یہ چار صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔

اطمینان، ہمت، خدمت خلق اور دوسروں کی فائدہ رسانی۔

برہمن وہ ہے، جو ہر شے میں اسی ذات واحد کا جلوہ دیکھتا ہے۔ توحید یہی ہے کہ دوسرے کا خیال دل سے نکل جائے۔ "ایشور" صرف انہی کو درشن دیتا ہے، جو اس کے دیدار کے لیے بے تاب ہیں اور اسے حاصل کرنے کے لیے سراپا جستجو ہیں۔

اسے پانے کی شرائط حسب ذیل ہیں۔

دم (ضبط نفس)۔ دان (ایثار)۔ دیا (شفقت)۔ جپ (ذکر)۔

تپ (مجاہدہ)۔ دھیان (مراقبہ)

"ایشور" انسان کے پردے (قلب) میں وشرام (سرائیت) کرتا ہے۔ وہ اپنے عاشقوں کے دل میں سکونت پذیر ہے۔

جو خدا کے سوا غیر سے دل لگاتا ہے، وہ ابدی محرومی میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

انسان کی سب سے بڑی بدبختی یہ ہے کہ وہ "سنسار" (دنیا) سے دل لگائے۔

اگر چہ ہندو اپنے مذہب کی بنیادی "ویدوں" کو مانتے ہیں، مگر مرکز توجہ ویدوں کے بجائے اپنشد، برہم سوتر، بھگوت گیتا پر ہے۔ اس لیے ان کو "پرستھان تریا" (تین بنیادی کتابیں) کہا گیا ہے۔ تینوں کتابوں کا لب لباب یہ ہے کہ ہندو کا تصوف اسے ترک دنیا کی طرف مائل کر دیتا ہے۔ یہ لوگ دنیا اور روحانیت کے مابین میزان قائم نہیں رکھ پاتے۔ ہندو چونکہ سنسار کو "بندھن" قرار دیتے ہیں، اس لیے ان کے اذہان ترک دنیا کی طرف مائل ہیں اور اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔ اسلام نے دنیا اور

روحانیت کے مابین شاندار توازن قائم کیا ہے۔ ہندو مذہب میں "سنیاس" کی تعلیم دی جاتی ہے اور ہندو صوفی اس لیے "سنیاسی" کہلاتا ہے۔

اسلام کے صوفیاء کے نزدیک ریاضت و مجاہدہ ایک مشق ہے، نفس کو مغلوب کرنے کے لیے، ترک دنیا نہیں۔ مذہب اسلام کے صوفیاء کے نزدیک اللہ کی دی گئی دنیا کی نعمتوں سے کنارہ کشی کرنا کفران نعمت ہے۔

بدھ تصوف

ہندوؤں کا سنیاسی بدھ مت میں "بھکشو" بن جاتا ہے۔ بدھ مت بنیادی طور پر ہندو مت ہی کی ایک صورت ہے۔ کثرت پرستی اور ذات پات کی تقسیم ہندو معاشرے کی ایسی بنیادی چیزیں تھیں، جو ہندو دھرم کی اشاعت پر کاری ضرب لگا رہی تھیں۔ بدھ مت نے سارا زور ان ہی نقائص کو دور کرنے پر صرف کیا۔ گوتم بدھ کے نزدیک یہ دنیا تین طرح کے مصائب میں بھری ہوئی ہے۔

۱۔ رنج و الم، جن سے انسان آئے روز دوچار ہوتا رہتا ہے۔ جن میں بیماری، بڑھاپا اور موت سب سے اہم ہیں۔

۲۔ عارضی زندگی یعنی دنیا فانی ہے اور کسی چیز کو قرار حاصل نہیں ہے۔

۳۔ غیر یقینی کائنات کی تمام اشیاء غیر حقیقی ہیں کیونکہ اگر یہ حقیقی ہوتیں تو فانی نہ ہوتیں۔

بدھ مت کے پیروکاروں کو تلقین کی گئی کہ وہ سماجی زندگی کو خیر آباد کہہ دیں۔ گھر، خاندان، پیشہ، سماج وغیرہ سب کو چھوڑ کر یا تو تنہائی کی زندگی بسر کریں یا تارک

الدنیا لوگوں کی صحبت اختیار کریں۔ جائے رہائش کا آبادی سے دور ہونا ضروری ہے۔ ان کا لباس بھی متعین کر دیا گیا ہے، جو تین کپڑوں پر مشتمل ہے۔ جس میں ایک تہہ بند، ایک کوٹ کی قسم کا کپڑا اور ایک چادر شامل ہے۔ سر اور ڈاڑھی کے بال بالکل مونڈھ دیئے جاتے ہیں .... خوراک بھیک مانگ کر حاصل کی جاتی ہے۔ محنت اور مزدوری ممنوع قرار دی گئی ہے۔ اس راہبانہ زندگی میں ہر شخص داخل ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے رنگ ونسل، ذات پات وغیرہ کی کوئی قید نہیں۔ البتہ چند لوگوں پر اس کے دروازے ضرور بند ہیں۔ مثلاً غلام اور مخصوص بیماریوں میں مبتلا افراد۔

ان راہبوں کو بھکشو کہا جاتا ہے، جس کے لیے حکم ہے کہ وہ مہینے میں دو بار تزکیہ نفس کرے۔ تزکیہ نفس کے دن کو ''اوپاسھ'' یعنی روزے کا دن کہا جاتا ہے۔ ان تمام عبادات کا صلہ صرف سکون قلب یا ''نروان'' ہے۔

نروان سے ہی مکتی حاصل ہو سکتی ہے۔ اگر ہم بغور جائزہ لیں تو یہ اعمال سراسر غیر فطری ہیں اور فطرت کو کبھی تسخیر نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام میں ایسے اعمال کی کلیتاً ممانعت کی گئی ہے۔

یونانی تصوف

یونان میں تصوف کا آغاز فلسفی آرمینس سے ہوتا ہے۔ اس وقت مغربی ایشیا میں سامی افکار اور فارسی کے زرتشی عقائد پھیلے ہوئے تھے، جنہوں نے رفتہ رفتہ عمومی رسوم کی صورت اختیار کر لی۔ فلسفیانہ افکار نے عقلیت پسند ذہنوں کو ان رسوم سے بدگمان کر دیا۔ انہوں نے ایک طرف تو خیر و شر اور نیکی و بدی کی قدروں کی تلاش شروع کر دی تو دوسری طرف شر سے محفوظ رہنے کے طریقوں کو تلاش کیا۔ اسی ماحول میں

آرمینس کی باطنی رسوم نے جنم لیا۔اس نے زہد، ریاضت اور تزکیہ نفس کو بنیاد قرار دے کر ذاتی باطن وارادت کی اشاعت شروع کی اور تاریخ میں پہلی بار خانقاہیں قائم کی گئیں۔ اس سے یہ عقیدہ پیدا ہوا کہ اگر روح جسم کی بندشوں اور مادی حدود سے آزاد ہو جائے تو اس کی قوتوں میں بے حد اضافہ ہوگا۔اس چیز نے تصوف میں سے رہبانیت کا راستہ نکالا۔ان کے ہاں ''آواگون (تناسخ) کا فلسفہ بھی کارفرما تھا، جو ہندی اثرات کا نتیجہ تھا۔آرمینس کے نزدیک نجات اخروی کے لیے مجاہدہ اور ریاضت ضروری ہے۔مجاہدہ اور ریاضت ہی سے فنافی اللہ یا قرب الٰہی کا مقام حاصل ہوتا ہے۔

آرمینس کے بعد دوسرا امام فیثا غورث ہے۔آرمینس کے نزدیک روح جسم میں مقید ہے جبکہ فیثا غورث نے روح کو انسان کے عروج اور بلندترین قوت کے حصول کا ایک ذریعہ جانا، لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ افزائش نسل کا سلسلہ ختم ہونا چاہیے تا کہ انسان اس مادی دنیا کی قید سے نجات حاصل کر سکے۔

یونان کے بعد اسکندریہ میں فیثا غورث فلسفہ قائم ہوا، جس کی رو سے خدا کچھ اور ہے، روح کچھ اور ہے جسم کچھ اور۔یہ تینوں مختلف النوع چیزیں ہیں۔خدا نے روح کو جو غیر مطلق تھی، جسم میں مقید کر دیا، جو مطلق شر ہے۔چنانچہ جسمانی خواہشات و جذبات پر قابو پانا ہی روح کی معراج ہے۔اس کے حصول کے لیے زہد و عبادت اور ریاضت بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔

فیثا غورث کے بعد یونان کا بڑا فلسفی، جو بڑا صوفی بھی تھا، ''حکیم افلاطیوس'' تھا۔وہ وحدت الوجود کا قائل تھا۔اس کی رائے میں وجود جزئی حقیقی ہے اور الواحد میں مضمر ہے۔یہ ''الواحد'' وحدت مطلقہ ہے۔بسیط ہے اور لامتناہی ہے۔جسمانیت اور صورت سے پاک ہے اور تمام صفات سے بالاتر ہے۔جب ہم اس کی صفات کی نفی کر

دیں تو وہ کسی حد تک قرین عقل اور قابل فہم ہوسکتا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ہم توحید اور خیر کی صفات بھی اس سے منسوب نہیں کر سکتے کیونکہ ان سے بھی اس کی ذات محدود ہو جاتی ہے۔

تمام کثرت یعنی یہ کائنات اسی ''الواحد'' سے صادر ہوئی ہے۔لیکن اس صدور کا مطلب یہ نہیں ہے کہ الواحد کائنات کی کثرت میں گم ہوگیا یا یہ کائنات الواحد (خدا) بن گئی۔افلاطینوس کہتا ہے کہ خدا کو حواس اور عقل کے ذریعے نہیں پا سکتے۔اس تک پہنچنے کا ذریعہ اشراق، شہود یا وجدان ہے۔جس طرح عقل خدا اور نفس کے درمیان واسطہ ہے،اسی طرح نفس، روح اور جسم کے درمیان واسطہ ہے۔خدا اور جسم درجہ کمال کے دو کنارے ہیں۔اعلیٰ ترین درجہ خدا ہے اور ادنیٰ ترین درجہ جسم ہے۔خدا وحدت ہے تو جسم کثرت ہے۔جو ارواح مادی لذات میں مکمل طور پر منہمک نہیں ہوتیں، بلکہ خدمت خلق بھی کرتی ہیں اور کچھ خوبیاں بھی اپنے اندر پیدا کر لیتی ہیں۔وہ جسم کی موت کے بعد دوبارہ انسانی اجسام سے متعلق ہوجاتی ہیں (یہ آوا گون یا تناسخ کی کیفیت ہوئی) اور جن لوگوں کی ارواح اپنے اصلی وطن کی طرف جانے کا شوق رکھتی ہیں، ایسے لوگوں کے لیے لازم ہے کہ وہ عالم مادی اور علائق دنیاوی سے قطع تعلق کریں اور تہذیب وتزکیہ نفس میں منہمک ہوجائیں۔

یونانی تصوف میں تزکیہ نفس کے تین مراتب بیان ہوئے ہیں۔

۱۔ تصفیہ نفس: یعنی نفس کو تمام صفات رذیلہ سے پاک کرنا۔

۲۔ تجلیہ نفس یعنی میل کچیل دور کر کے نفس کو صقیل کرنا، نفس کو جلا دینا تا کہ وہ صفات جمیلہ قبول کر سکے۔

۳۔ تحلیہ نفس: یعنی نفس کو اوصاف حمیدہ سے آراستہ کرنا۔افلاطینوس کے نزدیک

سلوک معنوی کے بھی تین مراحل ہیں اور وہ تین یہ ہیں۔
ہنر، عشق اور حکمت۔
یونان کے اس فلسفی صوفی کا اثر عیسائی، یہودی اور اسلامی تصوف پر پڑا ہے۔

یہودی تصوف

یہودی تصوف میں ظاہری رسم ورسوم پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ یہودیوں کے ہاں تصوف پنپ نہ سکا۔ یونانی اثرات کے تحت یہودیوں کے ہاں بھی تصوف نے جنم لیا۔ جس کا بہترین نمائندہ "صوفی فیلو" ہے۔ اس نے مذہب اور فلسفے دونوں کا مطالعہ کیا اور ان میں تطابق پیدا کرنے کی کوشش کی۔

عام طور پر یہودی تصوف میں خدائے خالق اور خدائے مطلق کے دو جداگانہ وجود ملتے ہیں۔ یہودیوں کے نزدیک تورات کا خدا خدائے خالق ہے، لیکن خدائے مطلق اس سے علیحدہ ہستی ہے، جو انسانوں کی عقل سے ماوراء ہے۔

عیسائی تصوف

عیسائی تصوف کی بنیادیں بابلی اور مصری باطنیت میں گڑھی ہوئی ہیں۔ بابلی صوفیاء کے نزدیک کائنات کے تمام واقعات نہ تو قوانین فطرت کے مطابق ہیں اور نہ انسانی ارادے کے تابع ہیں۔ بلکہ دیوتاؤں کے احکام کا نتیجہ ہیں۔ یہ دیوتائی فیصلے باطنی اسرار ہیں، جو انسان ایک خاص قسم کی ریاضت اور ورزش سے پا سکتا ہے۔ اسی بناء پر بابل میں صوفیانہ حلقے قائم ہوئے۔ یہی چیز یونان میں دیو مالائی صورت اختیار کر گئی۔ ادھر بابل اور مصر میں اس چیز نے نجوم، رمل اور دیگر خرافات کی صورت

اختیار کر لی۔ایران سے اہرمن ویزداں کی کشمکش میں زرتشی فلسفہ بھی بابل میں آن وارد ہوا............بابل کے اس معجون مرکب کا اثر مصر کے باطنی نظام پر بھی پڑا۔

عیسائیت میں مذہب کا تصور بالکل باطنی، داخلی اور ذاتی ہو کر رہ گیا۔چنانچہ ''حواری'' کے لقب سے بہت سے صوفیاء حضرت عیسیٰؑ کے گرد اکٹھے ہو گئے۔حضرت عیسیٰؑ کے اس جملے سے عیسائی تصوف کا آغاز ہوتا ہے۔

''آسمانی بادشاہت تمہارے اندر ہے'' جو کوئی اپنے نفس کو پہچان لے وہ اسے پا لے گا.................دراصل تمام الہامی مذاہب کی بنیاد ایک ہی ہے۔

حضورؐ کا فرمان ہے کہ ''جس نے اپنے نفس کو پہچانا، اس نے اپنے رب کو پہچانا''

عیسائی تصوف کی بنیادی شرط یہ ہے کہ انسان براہ راست خدا کے ساتھ تعلق قائم نہیں کر سکتا اور یہ واسطہ صرف یسوع مسیحؑ ہیں۔جبکہ اسلام نے خدا اور بندے کے درمیان کسی کو واسطہ نہیں ٹھہرایا۔اللہ مختار کل ہے، لیکن بندے کو ان اوصاف سے متصف کرنے کے لیے جو خدا سے ربط کا موجب بنتے ہیں۔صاحب نظر کی ضرورت کو ناگزیر قرار دیا ہے۔بندے کے دل میں اللہ سے ربط کی خواہش پیدا ہونا، خدا کی عنایت ہے اور اس خواہش کی تکمیل میں بندے کو تیار کرنا اور نگرانی کر کے اس قابل بنانا کہ وہ اللہ سے ربط قائم کر سکے، اللہ کا عرفان رکھنے والے بندوں کی ذمہ داری ہے۔اسلام کی تعلیمات یہی ہیں۔

عیسائی تصوف کا بانی ''پولوس'' ہے۔پولوس کے بعد ''کلیمنٹ'' اور اس کے بعد اہم شخصیت ''آگسٹائن'' کی ہے۔اس نے کہا ہے کہ انسان فطرتاً گناہ گار ہے اور نیکی یا بدی اختیار کرنے کی قوت رکھتا ہے۔جو شخص نفسانی خواہشات کو پورا کرتا ہے، تو وہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔چنانچہ عیسائیت میں رہبانیت اور قنوطیت نے جنم لیا۔آگسٹائن کے

نزدیک جذب و مشاہدے کا راستہ انسانی زندگی کا بہترین و بلندترین مقصد ہے اور یہ مشاہدہ اسی دنیا میں ممکن ہے۔

اسلامی تصوف

اسلام میں تصوف کا آغاز دراصل ''اصحابہ صفہ'' سے ہی ہو گیا تھا۔

تاہم جب دوسری صدی ہجری میں اسلامی تصوف کا چرچا ہوا تو ہندی، یونانی، عجمی اور عیسائی تصوف کے اثرات بھی بعض ایسے صوفیائے سو کے ذریعے اسلامی تصوف میں بھی داخل ہوئے جو تصوف کی اصل روح سے نا آشنا تھے۔ ایسے نام نہاد صوفی مسلمان صوفیاء کے پہلو بہ پہلو ہر دور میں موجود رہے۔ اسلام میں جو تصوف پروان چڑھا، اس میں دو قسمیں بن گئیں۔

۱۔ اسلامی تصوف جو قرآن وحدیث، معصومینؑ اور آثار صحابہ کرام سے ماخوذ ہے اور دین و دنیا میں عملی زندگی پر زور دیتا ہے۔

۲۔ غیر اسلامی تصوف، جس میں ہندی، یونانی، عیسائی اور عجمی تصوف کے اثرات کی آمیزش ہے، جو سنیاس، ترک علائق اور رہبانیت پر زور دیتا ہے۔ بدقسمتی سے تصوف کے مخالفین نے جن میں مسلم اور غیر مسلم دونوں برابر کے شریک ہیں، اسلامی تصوف پر اعتراض کرتے وقت غیر اسلامی تصوف کو پیش نظر رکھا اور قبائح کو مدنظر رکھتے ہوئے غیر اسلامی تصوف کی شکل کو ہدف تنقید بنایا۔

اسلامی تصوف کیا ہے؟ اس کی شناخت یہ ہے کہ وہ لازماً قرآن وحدیث کو اپنا سرچشمہ بنائے اور اپنے عمل کو اسوہ حسنہ اور آثار صحابہ پر استوار کرے۔ تصوف پر بعض معترضین کا بنیادی اعتراض یہی ہے کہ وہ غیر قرآن ہے۔ مثال کے طور پر علامہ غلام احمد

پرویز اپنی تصنیف ''تصوف کی حقیقت'' میں رقم طراز ہیں۔

''قرآن اور حدیث میں تصوف اور صوفی کے الفاظ تک نہیں ملتے۔اس لیے ابتدائی دور میں مسلمان صوفیاء کے وجود کا بھی پتہ ونشان نہیں ملتا''۔(شاید صاحب کتاب حضرت اویس قرنیؓ کو بھول گئے ہیں)

ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کے اولین دور میں مولانا،مولوی،علامہ کا وجود نہیں ملتا .... تاریخ میں یہ کہیں تذکرہ نہیں۔علامہ حضرت عثمان غنی،علامہ ابو ذر غفاریؓ..................اس طرح کی لاحاصل بحثیں تو معترضین نے بہت کی ہیں،لیکن یہ سب بے بنیاد ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام ہی صوفی ہیں۔جو صحابیؓ زہد وریاضت اور عشق حقیقی میں بڑھ کر تھے،اتنے ہی بڑے صوفی تھے۔یہ الگ بات ہے کہ اس وقت ان کو صوفی کے نام سے موسوم نہیں کیا گیا۔جس طرح کہ علامہ اور مولانا جیسے الفاظ بعد کے ادوار کی پیداوار ہیں۔اسی طرح آنے والے دور میں صدق دل سے شعائر اسلام پر کاربند شخص کو ''صوفی'' کا نام دیا گیا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ 140 ہجری سے پہلے جن کے نام کے ساتھ لفظ ''صوفی'' استعمال کیا گیا وہ ''ابو ہاشم عثمان'' ہیں۔صوفیوں کی پہلی خانقاہ ''رملہ'' کے قریب موجودہ فلسطین میں 140 ہجری میں قائم ہوئی۔اس کے بعد لفظ ''صوفی'' بہت سے اشخاص کے ساتھ استعمال ہونا شروع ہوا۔ان بزرگوں نے تصوف کو خود اختراع نہیں کیا ہے بلکہ یہ باطنی سلسلہ رسول اللہ سے منسلک ہے۔

علامہ غلام احمد پرویز کی پوری کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ عقلیت پسند علامہ پرویز جو بظاہر صوفیاء کے خلاف ہیں،بہ باطن وہ بھی اسلامی تصوف کے رد عمل

کے طور پر خلاف ہیں۔ورنہ وہ کشف والہام اور دوسرے غیب بینی کے ذرائع سے بے خبر نہیں ہیں۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی اور اسلامی تصوف

تصوف کو قرآن واحادیث کے عین مطابق ظاہر وثابت کرنے والے محققین و مصنفین بھی موجود ہیں۔پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے اپنی کتاب ''تاریخ اور تصوف'' میں ایک باب ''اسلامی تصوف کے ماخذ'' لکھا ہے۔یہاں پر اس کا مختصر خلاصہ پیش کیا جارہا ہے۔

1- تصوف کا ماحصل

تصوف کی رُل رب کو دیکھنے کی آرزو اور اللہ سے ارتباط قائم کرنا ہے۔اگر ہم غور کریں تو پورے ہی قرآن میں اس بات کی تاکید کی گئی ہے۔ایک روحانی سالک باری تعالیٰ سے ارتباط اور اس کے عرفان کے لیے ہی تو یہ سارے مراقبات، مجاہدات اور ریاضتیں کرتا ہے کہ وہ اپنے خالق اللہ کا عرفان حاصل کر سکے۔تصوف کا اللہ کے عرفان کے علاوہ کوئی مقصد حیات نہیں ہے۔سورۃ کہف کی آیت نمبر 110 میں فرمان الٰہی ہے۔

'' تم میں سے جو شخص اپنے رب سے ملاقات کا آرزومند ہے، اسے لازم ہے کہ اعمال صالحہ بجالائے اور اپنے رب کی اطاعت میں کسی کو شریک نہ کرے''۔اور صوفی کی پوری زندگی اس آیت مبارکہ کی عملی تفسیر ہوتی ہے۔

2- اسلامی تصوف کے عناصر ترکیبی

اسلامی تصوف کے عناصر ترکیبی تین ہیں۔

کامل توحید، تقویٰ اور عشق۔

کامل توحید کا تصور قرآنی حقیقت ہے اور قرآن پاک کی تعلیمات کا سارا زور ہی توحید پر ہے۔ بے شمار آیات میں توحید الٰہی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ سورہ حدید کی آیت نمبر 3 کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

ترجمہ: بس وہی ہر شے کا اول ہے، وہی آخر ہے۔ ہر شے کا باطن و ظاہر وہی ہے اور وہ ہر شے کی ماہیت سے آگاہ ہے۔

تقویٰ جو تصوف کا دوسرا عنصر ہے، کو قرآن مجید سے راہنمائی لینے کی شرط قرار دیا گیا ہے۔ یعنی قرآن صرف ان لوگوں کی راہنمائی کرتا ہے، جو متقی ہوں۔ غیر متقی قرآن سے راہنمائی کا اہل نہیں ہے۔

سورہ نحل کی آیت نمبر 128 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ: بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے، جو متقی ہیں اور محسن بھی ہیں۔

عشق تصوف کا تیسرا عنصر اس طرح ہے کہ توحید و تقویٰ کے میدان ہی میں عشق پنپ سکتا ہے۔ وہ دل جو توحید اور تقویٰ سے عاری ہوں ان کے قلوب میں عشق کا پیدا ہونا محال ہے۔ توحید کے بعد تقویٰ کا پیراہن زیب تن کرنے سے عشق کی حرارت کا پیدا ہونا ناگزیر ہے۔ سورۃ بقرہ کی آیت نمبر 165 میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"اور جو لوگ مومن ہیں، وہ سب سے زیادہ اللہ سے ہی محبت کرتے ہیں"۔

اسی طرح سورۃ توبہ کی آیت نمبر 24 میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

''اے رسولؐ! مسلمانوں سے فرما دیجیے کہ اگر تمہیں اپنے باپ دادا اور بیٹے بھائی اور بیویاں اور رشتے دار اور وہ اموال جو تم نے بڑی محنت سے کمائے ہیں اور تجارت جس کے مندا پڑ جانے سے تم بہت ڈرتے ہو اور وہ مکانات جنہیں تو بہت عزیز رکھتے ہو، اگر ان میں سے کوئی چیز بھی تمہیں اللہ سے اور اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ پیاری یا عزیز ہو تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ صادر ہو جائے .... اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا''۔

☆......☆......☆

اسلامی تصوف کے مشہور سلسلے

چوتھی صدی ہجری یعنی دسویں صدی عیسوی میں صوفیا نے تزکیہ نفس کے مختلف طریقے وضع کئے جو سلسلہ یا خانوادہ کہلاتے ہیں۔ان سلسلوں کی تعداد بہت زیادہ ہے' آگے چل کر اور بہت سی شاخیں ہو جاتی ہیں۔ان میں سے ہر شاخ کا ایک بانی ہے۔ہر سلسلے میں منبع بالآخر حضرت علیؓ کی ذات تک پہنچتا ہے۔صرف ایک سلسلہ نقشبندیہ ایسا ہے جس کی ابتدا حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بتائی جاتی ہے۔برِ اعظم پاک و ہند میں زیادہ مشہور سلسلے یہ ہیں۔

سلسلۂ قادریہ

اس سلسلے کے بانی شیخ عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم ہیں۔انہوں نے اس سلسلے کی بنیاد مشہور صوفی حضرت جنید بغدادیؒ کی تعلیمات پر رکھی ۔اس سلسلے میں زیادہ زور

درود شریف پر دیا جاتا ہے۔یہ لوگ سماع کے خلاف ہیں۔ذکر جلی اور ذکر خفی دونوں کو جائز سمجھتے ہیں۔

سلسلہءِ چشتیہ

اس سلسلے کے بانی حضرت خواجہ علو ممشاد دینوریؒ ہیں لیکن برِاعظم پاک و ہند میں اس سلسلے کو اصل شہرت سلطان الہند حضور خواجہ غریب نواز سید معین الدین حسن چشتی اجمیریؒ کی وجہ سے نصیب ہوئی۔اس سلسلے میں زیادہ زور کلمہ شہادت پر دیا جاتا ہے اور خاص طور پر لفظ "اللہ" کی ورد کی بڑی تاکید کی جاتی ہے۔چشتی صوفیاء کے نزدیک سماع جائز ہے بشرطیکہ اخلاق کے منافی نہ ہو۔

سلسلہءِ سہروردیہ

اس سلسلے کے بانی ابو نجیب سہروردی ہیں۔اس سلسلے میں سانس روک کر "اللہ ہو" کہنے کی تاکید کی جاتی ہے۔یہ لوگ سماع کی بجائے تلاوت کلام پاک پر زور دیتے ہیں۔ذکر جلی اور خفی دونوں طریقوں سے کرتے ہیں۔

سلسلہءِ نقشبندیہ

اس کے بانی خواجہ بہاء الدین محمد نقشبندی ہیں۔انہوں نے اس کی بنیاد حضرت بایزید بسطامی کی تعلیمات پر رکھی۔برِاعظم پاک و ہند کے مسلمان اس سلسلے سے خواجہ باقی باللہ کے ذریعے متعارف ہوئے۔حضرت مجدد الف ثانی نے اس سلسلے کو مزید ترقی دی۔اس سلسلے کے صوفیا مراقبے پر زیادہ زور دیتے ہیں۔سماع کے خلاف ہیں اور اذکار میں بھی ذکر خفی کو جائز سمجھتے ہیں۔

اسلامی تصوف کا دستور العمل

تصوف کا دستور العمل یا طریق جسے اصطلاح میں "تزکیہ نفس" کہتے ہیں قرآن ہی سے ماخوذ ہے اور تزکیہ نفس قرآن سے ثابت ہے۔

سورہ جمعہ کی آیت نمبر 2 کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

''اللہ وہ ذات پاک ہے، جس نے ان ہی میں سے ایک عظیم المرتبت رسول مبعوث فرمایا جو ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب الٰہی وحکمت کی تعلیم دیتا ہے''۔

تزکیہ نفس کس طرح ہو؟ اس کا کیا طریقہ ہو؟ یہ ساری تفصیل سورہ مزمل کی ابتدائی گیارہ آیات میں درج ہے۔اس کے مطالعے سے واضح ہو جائے گا کہ صوفیاء صحیح معنوں میں سنت رسولؐ کے پیروکار ہیں اور ان کی زندگی حقیقی معنوں میں اسلامی زندگی ہے۔ان آیات کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

''اے کملی اوڑھنے والے! کھڑے رہا کر رات کو، مگر تھوڑی دیر کے لیے۔ آدھی رات یا اس میں سے کم کرلیا کر دیا کچھ بڑھا دیا کرو اور قرآن کو خوب آہستہ آہستہ پڑھا کرو۔تحقیق ہم ڈالنے والے ہیں تیرے اوپر ایک بھاری بوجھ کا حکم۔تحقیق رات کا اٹھنا بہت سخت ہے، نفس کو کچلنے میں اور بہت سیدھا کرنے والا ہے بات کو۔یعنی اس وقت دعا بھی ٹھیک دل سے نکلتی ہے۔تحقیق تیرے لیے دن میں بڑا مشغلہ رہتا ہے اور ذکر کر اپنے رب کے نام کا اور اسی کا ہو رہ، سب سے ٹوٹ کر۔وہ رب ہے مشرق او رمغرب کا۔اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔پس اس کو اپنا کارساز بنا لے اور ان باتوں پر صبر کر جو کافر تیری نسبت کہتے ہیں اور قطع تعلق کر لے ان سے وضع داری کے ساتھ اور چھوڑ دے مجھ پر ان جھٹلانے والوں کو جو خوشحال اور دولت مند ہیں اور انہیں تھوڑی سی مہلت دے''۔

اس ترجمے کو آپ غور سے پڑھیں تو معلوم ہو جائے گا کہ صوفیاء کرام نے سلوک کے تمام بنیادی اصول انہی آیات سے اخذ کیے ہیں، جن کی مزید وضاحت یہاں پیش کی جارہی ہے۔

۱۔ حکم موجود ہے کہ آخر شب میں اٹھو۔ یہ حکم اس آیت سے ماخوذ ہے کہ ''کھڑے رہا کرو رات کو''۔

۲۔ اٹھ کر نماز تہجد پڑھو۔ یہ حکم سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 79 میں بھی آیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ ''اور رات کے ایک حصے میں بیدار رہا کرو اور تہجد کی نماز پڑھا کرو۔

۳۔ نماز تہجد میں ترتیل کے ساتھ قرآن کی تلاوت کیا کرو اور نہایت آہستہ آہستہ واضح طور پر قرآن پڑھ۔ یہ حکم اس آیت سے ماخوذ ہے۔ ''ورتل القرآن ترتیلا'' اس آیت میں ''رتل'' کے بعد ''ترتیل'' کا لفظ تاکید کے لیے لایا گیا ہے۔ یعنی بہت رک رک کر قرآن پڑھو تاکہ معانی میں تدبر حاصل کرسکو۔ جس کے نتیجے میں قرآن کے معنی ذہن نشین ہو جائیں گے اور اس کی بدولت باطن میں وہ انقلاب آجائے گا جو تلاوت کا مقصود ہے۔

۴۔ تزکیہ نفس کا چوتھا نکتہ ذکر وفکر، مراقبہ، مجاہدہ، اوراد، اشغال اور سلوک کے جملہ لوازم سے مقصود صرف یہی ہے کہ نفس امارہ مغلوب ہو جائے۔ یہ مقصود اس آیت سے ثابت ہے۔ تحقیق اٹھنا رات کا بہت سخت ہے نفس کو کچلنے اور بہت سیدھا کرنے والا ہے بات کو۔

۵۔ تزکیہ نفس کے زمرے میں سالک کو اسم ذات کے ذکر کی تلقین کی جاتی ہے۔ یہ تلقین اس آیت سے ماخوذ ہے ''واذکر اسم ربک'' یعنی ذکر کر اپنے رب کے نام کا۔

۶۔ تصوف کے طریق میں چھٹی چیز قرآن پاک میں غور وفکر اور اس کے معانی و مفاہیم میں غیر جانبداری کے ساتھ سوچ وبچار ہے۔ اس تبتل کی تلقین قرآن

مجید میں ہے۔ ''وتبتل الیہ تبتیلا'' یعنی پوری طرح اپنے تمام حواس خمسہ کو قرآن پاک کے معنی و مفاہیم میں مرتکز کر دینا۔ اس کا مفہوم ہے قرآن میں غور وفکر اس طرح ہو کہ سوائے قرآن کے توجہ کسی طرف نہ ہو۔ ''تبتل'' کا مادہ ''بتل'' ہے۔ بتل کہتے ہیں قینچی کے ساتھ کاٹ دینے کو جو قطع تعلق شریعت میں مقصود ہے۔ وہ یہ ہے کہ توجہ قرآن پر اس طرح مرکوز کی جائے کہ باقی تمام چیزیں اس طرح کٹ جائیں کہ ان لمحات میں ان کا تصور تک نا پید ہو جائے۔ جس تبتل سے شریعت میں منع کیا گیا ہے، وہ عیسائیوں کا تبتل ہے یعنی نکاح اور عائلی و معاشرتی زندگی سے قطع تعلق کر لینا۔ یہی رہبانیت ہے جس سے قرآن نے منع فرمایا ہے۔

۷۔ تلقین کی جاتی ہے کہ اللہ کو اپنا وکیل یعنی کارساز بناؤ۔ صرف اسی ذات واحد پر بھروسہ کرو۔ اپنی دولت، مال، اولاد، جائیداد اور مادی تعلقات پر بھروسہ مت کرو۔ یہ تلقین اس آیت سے ماخوذ ہے کہ ''فاتخذہ وکیلا'' یعنی بنالے اسی کو کارساز۔

۸۔ سالک کو تلقین کی جاتی ہے کہ اغیار کے اعتراضات پر صبر کرو یعنی اگر کوئی تم پر طعن وطنز کرے، اعتراض کرے، تمہیں برا بھلا کہے یا تمہارے ساتھ بدسلوکی کرے، ضرر پہنچائے تو تم اس کی جفاؤں کو خاموشی کے ساتھ برداشت کر لو۔ کیونکہ اگر تم اس سے الجھے تو مقصد فوت ہو جائے گا۔ جب تم نے اللہ کو وکیل بنایا ہے تو وہ تمہاری طرف سے مدافعت کے لیے کافی ہے۔ تم اپنا کام کیے جاؤ، یہ حکم اس آیت سے ماخوذ ہے ''واصبر علی مایقولون''۔

۹۔ روحانی سالک کو اس بات کا پابند کیا جاتا ہے کہ مخالفین سے کنارہ کشی کر لے

کسی سے تکرار کر کے لڑے نہ۔ ہمیشہ راست بازی کو قائم رکھے اور خوش کلامی کا دامن نہ چھوڑے۔ یہ حکم اس آیت سے ماخوذ ہے ''واھجر ھم ھجرا جمیلا'' ان سے عمدگی کے ساتھ کنارہ کش ہو جاؤ۔

۱۰۔ سالک کو تاکید کی جاتی ہے کہ جو لوگ تمہاری تکذیب یا تردید کریں تو تم ان سے بحث و مباحثہ نہ کرو، کیونکہ تمہاری توجہ مقصود سے ہٹ جائے گی۔ لوگوں سے الجھنا، مناظرے، مقابلے اور مجادلے کرنا یہ سب باتیں ایک راہ سلوک کے مسافر کے لیے مضر اور ضرر رساں ہیں۔ یہ حکم اس آیت الٰہی سے ماخوذ ہے ''فقد لی والمکذبین'' اور چھوڑ دے ان جھٹلانے والوں کو جو خوشحال اور مالدار ہیں۔

یہ اسلامی تصوف کے 10 بنیادی اصول و ضوابط ہیں اور سب کے سب قرآن سے ماخوذ ہیں۔ تصوف کیا ہے؟ تزکیہ نفس کا دوسرا نام ہے۔ رسولؐ اللہ کی بعثت کے مقاصد چہارگانہ میں سے دوسرا مقصد ہے۔ سورہ جمعہ کی آیت نمبر 2 کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے۔

''اللہ ہی تو ہے جس نے امیوں میں سے ایک عظیم الشان رسول مبعوث فرمایا، جو انہیں اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کے نفوس کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب الٰہی اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور ان کے نفوس کا تزکیہ کرتا ہے اور اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے''۔

تصوف کا ضابطہ اخلاق وطریق

اسلامی تصوف میں تزکیہ نفس کے علاوہ جن عملی باتوں کی تعلیم دی جاتی ہے اور جو مروج ہیں، یہ ضوابط و قواعد سب کے سب قرآن مجید سے ماخوذ ہیں یا پھر سیرت النبیؐ سے اخذ شدہ ہیں۔

۱۔ بیعت

تمام سلاسل طریقت کے ہاں بیعت کا نظام رائج ہے۔ یہ طریق سنت نبویؐ سے ثابت ہے۔ سلاسل طریقت میں ہر ایک بیعت کا مجاز نہیں ہوتا ہے۔ صرف مجاز ہی ایسا کرنے کا حق رکھتا ہے اور بیعت کا یہ طریقہ قرآن وسنت سے ہی لیا گیا ہے۔ کہیں باہر سے اسلامی تصوف میں نہیں آیا ہے۔ سورۃ فتح کی آیت نمبر 10 کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

''بلاشبہ جو لوگ آپؐ کے دست مبارک پر بیعت کرتے ہیں، وہ دراصل اللہ سے بیعت کرتے ہیں''۔

اس ہی سورہ کی آیت نمبر 18 میں بھی یہی مضمون ہے۔

''بے شک اللہ راضی ہو گیا ان مومنوں سے جس وقت وہ بیعت کرتے تھے، آپؐ سے اس درخت کے نیچے''۔

۲۔ خلوت ومراقبہ

خلوت کا مطلب ہے کہ ذہن کو ایک ایسے رخ سے تزین کرنا جب

وہ دنیا کی سوچوں سے آزاد ہو جائے۔ذہن میں ہر وقت ماحول کے خیالات گردش کرتے رہتے ہیں اور ذہن کو بہت کم ایسا آزاد وقفہ ملتا ہے کہ وہ دنیاوی سوچوں سے خالی ہو جائے۔یہ چیز ذہن کی حقائق کی طرف مسافرت کے راستے میں رکاوٹ بنتی ہے۔اس کا ثبوت ہمیں نبی اکرمؐ کی حیات مبارکہ میں واضح طور پر ملتا ہے کہ آپؐ غار حرا میں خلوت نشین ہو کر مراقبہ یعنی خالی الذہن ہونے کی مشق فرماتے تھے۔اس وقت آپؐ منصب نبوت سے سرفراز نہیں ہوئے تھے اور کسی نوعیت کی عبادت فرض نہیں ہوئی تھی۔پھر یہ درست خیال نہیں ہے کہ آپؐ غار حرا میں کوئی مخصوص مذہبی عبادت کرنے تشریف لے جاتے تھے۔یہ عبادت مراقبہ کی ہی عبادت ہے۔اس سلسلہ میں علامہ اقبال نے فرمایا ہے۔

صاحب تحقیق را جلوت عزیز
صاحب تخلیق را خلوت عزیز

محبت یا عشق

محبت یا عشق اہل تصوف کی بنیاد ہے۔محبت یا عشق کے بغیر دلوں کی زمین کتنی ہی زرخیز نہ ہو اس پر تصوف کی فصل نہیں اگتی۔محبت اور عشق کے بغیر دیار تصوف کا راہی بننا وقت ضائع کرنے کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔اللہ کی محبت تو اسلامی تصوف کا اصل جوہر ہے۔سورہ بقرہ کی آیت نمبر 165 کا ترجمہ ملاحظہ کریں۔

''جو لوگ مومن ہیں، وہ اللہ کی محبت میں سوختہ ہیں''۔

اللہ کی محبت اور عشق میں ڈوبے بغیر تصوف کے دیار سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔

محاسبہ

سورہ حشر کی آیت نمبر 18 میں تلقین کی گئی ہے۔

''اور لازم ہے کہ ہر شخص اس پر نظر رکھے (محاسبہ کرے) کہ اس نے آئندہ کل یعنی آخرت کے لیے کیا توشہ آگے بھیجا ہے۔کون کون سے اعمال صالحہ اس کے نامہ اعمال میں درج ہیں۔پس چاہیے کہ ہر مومن محاسبہ کرے اور محاسبہ کی بنیاد بھی عشق و محبت ہے۔گہرے غور و فکر اور مراقبہ کے بغیر اپنی ذات کا محاسبہ بہت مشکل ہے۔

مجاہدہ

مجاہدہ یعنی خدا کی تلاش میں صعوبت و مشقت اٹھانا اولیائے کرام کا طریق ہے۔خواہ زندگی کے مراحل کتنے ہی کٹھن اور دشوار ہو جائیں راہ سلوک کا مسافر اپنا راستہ کھوتا نہیں کرتا۔یہی طریق انبیاء کرام کا ہے۔حضرت ایوبؑ نے نہایت صبر و استقامت سے بیماری کا مقابلہ کیا۔تمام مال و متاع جاتا رہا،لیکن اللہ کا شکر ادا کرتے رہے اور ایک لفظ شکایت تک دل میں نہیں لایا۔اسی طرح شعب ابی طالب میں رسولؐ خدا اور مسلمانوں پر مصائب و مشکلات کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔بھوک و افلاس نے ڈیرے جما لیے۔یہاں تک کہ مسلمانوں کو درختوں کی چھالیں تک ابال کر کھانا پڑیں۔لیکن ان کے پایہ استقلال میں ذرہ بھر بھی لغزش پیدا نہ ہوئی۔

قرآن پاک میں بیان ہوا ہے۔

''اور جو لوگ ہم سے ملنے کے لیے مجاہدہ کرتے ہیں، ہم یقیناً انہیں اپنی طرف آنے والی راہیں دکھاتے ہیں''۔(سورہ عنکبوت آیت نمبر 69)

ذکر و فکر

ذکر و فکر کا حکم بھی قرآن پاک میں واضح ہے۔فرمان الٰہی ہے۔

''زمین اور آسمانوں کی پیدائش میں اور رات دن کے باری باری آنے جانے میں اہل عقل کے لیے نشانیاں ہیں۔جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمان و زمین کی ساخت میں غور کرتے ہیں۔(وہ بول اٹھتے ہیں) اے ہمارے رب یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے''۔(سورہ آل عمران آیات 190 تا 191)

راہ سلوک کے مسافر کو تلقین کی جاتی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے ذکر کرتے رہو۔یہ تلقین سورہ انفال کی آیت نمبر 45 میں بھی کی گئی، جس کا ترجمہ ہے۔

''یاد کرو اللہ کو بہت تا کہ تم فلاح پاؤ''۔

راہ سلوک کا راہی گہرا ادراک رکھتا ہے۔ہر وقت کائنات کی حقیقت اور غور و فکر میں ڈوبا رہتا ہے۔قرآن کریم کا پورا زور اس بات پر ہے کہ انسان کے مادی شعور پر جو گانٹھ لگ چکی ہے، کھل جائے۔ذہن مروجہ شعور سے آمادہ ہو جائے اور کائنات کے اسرار و رموز سمجھتے ہوئے ذات مطلق تک پہنچ جائے۔راہ سلوک کے راہی کے فکر و خیال میں ہر دم اللہ بستا ہے۔

اسی طرف نشاندہی کرتے ہوئے حضرت سلطان باہوؒ نے فرمایا تھا۔

''جو دم غافل سو دم کافر''۔.................یعنی راہ سلوک پر سفر کرنے والے کو اللہ کے علاوہ کچھ نہیں سوجھتا۔

حکیم الامت ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نے فرمایا ہے۔

ے

فقر قرآں! اختلاط ذکر و فکر

فکر راہ کامل ندیدم جزبہ ذکر

☆☆☆☆☆

باب سوئم

خاندانی حالات و تعلیم تربیت

اسلامیانِ ہند کی آزادی کے نقیب اول

نورِ حق کی ضیائیں، ایمان کی کتاب کے رنگین اوراق پر بکھری پڑی تھیں۔ بے قرار نگاہوں میں کیف و سُرور کی ایک غیر مرئی روشنی چمک رہی تھی اور دلِ بے تاب گلشنِ عرفان کی خوشبوؤں سے معمور تھے۔ سلطان الہند کی بارگاہِ محبت میں ہزاروں شکستہ دل، سرِ نیاز جھکائے کھڑے تھے۔ چُپ چاپ، خاموش، مہر بہ لب۔۔۔ ان میں تڑپنے کی طاقت تھی نہ شکیبائی کی۔ وہ خشوع و خضوع سے عقیدت کا نذرانہ پیش کرنے کیلئے یہاں آئے تھے۔ درِ خواجہؒ پہ ان کی حاضری تکمیلِ ایمانی کی مظہر تھی اور رحمتوں کی ہوائیں جھوم جھوم کر اُن کے دامن، امید کی کلیوں اور مسرت کے پھولوں سے بھر رہی تھیں۔ فرشتے فقیروں کے بھیس میں صندل بہ جبیں تھے اور حُوریں، کہکشاں کی اوٹ سے آسمانِ چشت کے آفتاب جہاں تاب کو دیکھ دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔ ہر طرف سرکار غریب نوازؒ کا فیض عام جاری تھا۔ اہل نظر، دِل کی آنکھوں سے نظارہ کئے جا رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ دنیا میں فقط آنکھوں کا ہونا کافی نہیں نرگس کی بھی آنکھیں ہوتی ہیں مگر آج تک اُس نے کچھ نہیں دیکھا۔ اس لئے خواجہ خواجگان ایسے رمز آگاہ کن اور واقفِ سرِ الست کی تصویرِ مصطفیٰ ؐ کو اشکِ مژگاں سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ یہ تنویرِ مرتضیٰ تو صدیوں سے فروزاں ہے اور تاریکیوں میں اجالا کر رہی ہے، اس کی روشنی تک پہنچنے کے لئے چشمِ نرگس کی نہیں، باطن کی آنکھ کی ضرورت ہے، جو صرف اور صرف ایمان کی محبت کے لازوال جذبے سے ادا ہوتی ہے۔ محبت ایک ایسی شمع ہے جو بادِ صرصر میں بھی اپنی لو برقرار رکھتی ہے۔

اس کی تب و تابِ جاودانہ میں دَیر و حرم کی عظمت کے نقوش ملتے ہیں اور دُنیا کے بُت

کدوں میں خُدائے بزرگ و برتر کے اس اولین مقدس گھر کے بام و دَر پلکوں کی محرابوں میں سما کر رہ جاتے ہیں جسے ابراہیم خلیل اللہ نے اپنے ہاتھوں سے تعمیر کیا اور آج بھی بو الان سے لے کر جوالان تک حق پرستوں کی محبت کا ملجاو ماوئی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی جلوہ گاہِ حق سے محبت کے دین کو عام کرنے کیلئے اس عالمِ رنگ و بو میں تشریف لائے اور گمراہ لوگوں کو صراطِ مستقیم دکھایا۔ آپؐ امین کہلائے۔ رفتہ رفتہ یہی محبت صراط اللہ ،صراط الانبیاء، صراط الصدیقین ،صراط الشہداور صراط الصالحین بن گئی۔ سرورِ دو عالمؐ سے والہانہ محبت کا یہ فیضان صدیوں جاری رہا۔ آج بھی جاری ہے اور قیامت تک جاری و ساری رہے گا۔ جو صراطِ محبت پر چل رہے ہیں، ان کے قلوب جمال و عرفان کی تابانیوں سے منور ہیں اور جو تہی داماں ہیں ، وہ انتہائی بدنصیب ہوں گے۔ جس طرح خانہ کعبہ کسی وقت طواف سے خالی نہیں رہتا اور حضور سیّد المرسلینؐ، شفیع المذنبینؐ، خاتم النبینؐ، رحمتہ اللعالمینؐ کے روضہ پُرانوار پر ہمہ وقت لاکھوں فرزندانِ توحید، ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام عقیدت پیش کرنے کیلئے حاضری دیتے ہیں۔ اسی طرح وہ اہلِ اطاعت جن کے قلوب عرشِ عظیم سے متصف اور خانہ خدا اور روضہ رسولؐ سے مناسبت تامہ رکھتے ہیں۔ ان کے مزارات بھی کسی وقت ارادت مندوں سے خالی نہیں رہتے ان ہی مزارات مقدسہ میں سے حضرت خواجہ سید معین الدین چشتیؒ کا آستانہ جنت نشان بھی ہے۔ جہاں رحمتِ خداوندی اور انوارِ رسالتؐ کی ہر لحظہ بارشیں ہوتی ہیں اور بندگانِ خدا جوق در جوق محبت کے پھول نچھاور کرنے کے لئے آتے ہیں۔ یہاں ایک عالم فیض پاتا ہے کہ نبیؐ کی آل کا گھر ہے، جہاں خُدا کی میر سامانی ہے۔ یہ خیابانِ ارم ہے، جہاں ہر طرف محبت و معرفت کی مہک ہے۔ مُعین وھوالمُعین ،کاذکرِ جمیل دلوں کو تازگی بخشتا ہے، جیسے پھولوں کو نسیمِ سحر اور سبزے کو شبنم طراوت بخشتی ہے۔ سرکار بندہ نوازؒ بھی خدائے بزرگ و برتر کی محبت عام کرنے میں زندہ دل ہیں، جن سے محبت کرنے والا زندہ ہی نہیں بلکہ زندہ جاوید ہو جاتا ہے۔ خُدا، جس کو ارض و سما نہیں سما سکتے اور جو شہ رگ کے بھی قریب ہوتا ہے، درِ خواجہؒ پہ آنے والے بندہ مومن کے دل میں یوں سما جاتا ہے کہ پھر نہیں جاتا۔ ایسے ہی دل حقیقی

معنوں میں خدا کا گھر ہوتے ہیں۔اللہ اللہ محبت کا کیسا ایمان افروز منظر ہوتا ہے،جب ہزاروں خواجہ پرست دوردراز کی مسافتیں طے کر کے دربارِ عالیہ میں حاضر ہوتے ہیں،امید کی کرنیں،انہیں اس در کی خاک چھاننے کیلئے کشاں کشاں لے آتی ہیں کہ کٹھن راہوں کی مشکلات کا احساس تک نہیں رہتا اور خواجہ بزرگؒ کی مسافرنوازی ان کے دلوں میں محبت کی عظمت کے نقوش دوام ثبت کردیتی ہے۔تجلیوں کے اس سُرور آگیں ماحول میں کوئی حدیثِ دلبراں دُہرانے لگتا ہے تو اسے آنکھوں کے سامنے فاران کی چوٹیوں سے گنبدِ خضرا نظر آتا ہے اور پھر نیل کے ساحل سے تابخاکِ کاشغر حرم کے پاسبان قطار در قطار کھڑے دکھائی دیتے ہیں۔اس وقت لوح تحت الشعور پر کوئی لکھ دیتا ہے کہ یہ آل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اولادِ علی علیہ السلام کا گھر ہے کیونکہ جب سرکار غریب نوازؒ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت میں آنے کے بعد ان ہی کے حکم سے اجمیر تشریف لائے تھے،اس وقت برصغیر کے گوشے گوشے میں کفروضلالت کی تیرگی پھیلی ہوئی تھی۔آپ نے باطل کے پندار کا طلسم توڑا،جہلا کے بتوں کو پاش پاش کیا،حتیٰ کہ آپ کے بابرکت قدموں سے یہاں وہاں ،جہاں تہاں،کراں تا کراں،روشنی ہی روشنی پھیل گئی۔معین الدین لقب پایا،ولی ہند کہلائے ،حبیب اللہ کا خطاب ملا۔

خواجہ خواجگان سرتاج اولیاء اشرف رُوئے زمین مانے گئے۔اس سے بڑھ کر آپ کی اور تعریف کیا ہوگی کہ آپؒ شہِ بطحاؐ کے محبوب ہیں اور ویران سینوں کو محبت کے گلزاروں میں بدل رہے ہیں۔یہ ان کے فقر واستغنا کی معراج اعلیٰ کا مقام ہے کہ شاہان زمن بھی اس چوکھٹ پر عجز وانکساری سے جبینیں جھکائے آتے ہیں۔اسی دہلیز پر شعرا کی فکرِ رسا گرم تجسس رہتی ہے اور نکتہ وران عالم بھی سربہ زانو دکھائی دیتے ہیں؛سرکار غریب نواز کی آواز ملکے اور مدینے۔۔۔مرکزِ تجلیات اجمیر میں،فیضان دہلی میں اور احسان کلیر میں،ان کے حلقہ بگوش جس جگہ قدم رکھتے ہیں،جہان آباد کردیتے ہیں۔دینِ حقہ کے شیدائی کہتے ہیں کہ خواجہ غریب نوازؒ کی بیعت یداللہ فوق ایدیھم کی تفسیر ہے اور معین الدینؒ جلوہ یزداں ہی تو ہیں،جنہوں نے برصغیر پاک وہند کے گوشے گوشے میں اسلام کے چراغ

جلائے۔آج آپؒ کے طفیل اجمیر کا ذرہ ذرہ مہ کامل ہے، جس پر اہلِ محبت کی نظریں مرتکز ہیں۔آپؒ کی ذات والاصفات ایک ابرِ کرم ہے، جس نے اپنے فیض کی بارش سے کفر والحاد کی بنجر زمینوں کو توحید کی صداقت وحقانیت کے شاداب گلشن میں تبدیل کردیا۔آپ کی حیاتِ مقدسہ حُسنِ اخلاق کا ایک صاف وشفاف چشمہ ہے، جس سے روحانیت کے ہزاروں دریا پیدا ہوئے اور جنہوں نے اپنی سیرابی و شادابی سے انسانیت کی ویران بستیوں کو سدا بہار کردیا۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سلطان الہند خواجہ معین الدینؒ کیونکر غریب نواز چشتیؒ کہلائے؟ آپ نے کس طرح اسلام پھیلایا۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا انداز کیا تھا۔؟ وعظ، نصیحت، تعلیم وتلقین یا درس وتدریس، اگر خواجہ معین الدینؒ ایسے صوفیا یہی طریقہ اختیار کرتے تو یہ کام تو دوسرے مُلا یا مولوی بھی سرانجام دے سکتے تھے مگر اُن سے اس قدر تبلیغِ اسلام نہ ہوسکی اور نہ ہی کفار نے ان کے ہاتھوں پر اِسلام قبول کیا۔تو یقینا صوفیا کا طریقِ تبلیغ منفرد اور جُدا گانہ تھا اور ایک بزرگ کا کہنا ہے کہ یہ طریق محبت تھا، وہ طریقِ محبت جو خدا کے دوستوں اور دشمنوں کے علاوہ کافروں، فاسقوں، فاجروں، گناہگاروں اور بدکاروں سے محبت کرنا سکھاتا ہے اور یہ کام بڑا مشکل ہے۔خواجہ غریب نوازؒ عربی اور فارسی پر کامل دسترس رکھتے تھے، لیکن اُن کا ذریعہ ابلاغِ بیان تھا، نہ زبان تھی۔صرف محبت ہی ان کی زبان تھی، ان کا بیان تھی، محبت ان کے اور اپنوں اور غیروں کے درمیان تھی، جو کیفیاتِ قلبی کی ترجمان تھی۔آپ سراپا محبت وخلوص تھے۔انوار جلال وجمال کے مظہر، محبت آپ کا دین تھی، آپ کا ایمان تھی، آپ کا مذہب تھی، مشرب ومسلک تھی، اس محبت میں جذب تھا، کشش تھی، دلنوازی تھی کہ لوگ کشاں کشاں چلے آتے تھے۔کافر آیا، مومن ہوگیا۔عاصی آیا، نیکوکار بن گیا۔دشمن آیا، دوست ہوگیا۔سلاطین کی افواجِ قاہرہ کی تلواریں جو کام نہ کرسکیں، وہ اللہ کے ولی کی نگاہ نے کر دکھایا۔

تلقین و درس اہلِ نظر یک اشارت است

پاکستان اسی بزرگ کی محبت کا ثمر ہے اور سرکار غریب نوازؒ اسلامیانِ ہند کی آزادی کے نقیبِ اوّل ہیں۔آخر کیوں نہ ہو، آپ کے دستِ شفقت کو چوم کر برصغیر کے لاکھوں

افرادِ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ جن کے بعد آنے والی نسلوں نے بالآخر 14 اگست 1947ء کو قائدِ اعظمؒ کی قیادت میں متحد ہو کر حکیم الامت علامہ اقبالؒ کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کر دکھایا، جو خود بھی سرکار بندہ نوازؒ کی محبت کے دیوانے تھے۔

ہمیشہ صورتِ بادِ سحر آوارہ پھرتا ہوں
محبت میں ہے منزل سے بھی خوشتر جادہ پیمائی
دلِ بے تاب جا پہنچا دیارِ پیرِ سنجرؒ میں
میسّر ہے جہاں درمانِ دردِ ناشکیبائی

(علامہ محمد اقبالؒ)

حرم سے اجمیر تک پھیلی ہوئی وسعتوں میں آج بھی خواجہ غریب نوازؒ کی محبت کے ترانے گونج رہے ہیں۔ چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی جہاں بھی ستیزہ کار ہوگا، غریب نوازؒ معین و مددگار کی حیثیت سے وہاں موجود ہوتے ہیں۔

☆.....☆.....☆

اجمیر کے خواجہ

تاریخ پیدائش	:	14 رجب المرجب 537 ہجری
		بمقام قصبہ چشت، ہرات افغانستان۔
نام والد ماجد	:	حضرت خواجہ سید غیاث الدین کاظمی
نام والدہ ماجدہ	:	حضرت ام الورائع مہ نور
پیشہ	:	باغبانی
آغازی روحانی سفر	:	552 ہجری

(نوٹ) لفظ خواجہ افغانستان کی ریاست "توران" میں سادات کرام کا لقب ہے۔ خواجہ کے معنی ہیں آقا، مالک، پیشوا، مولانا، ہادی)

حضرت خواجہ غریب نواز سلطان الہند شہر "چشت" ہرات افغانستان 14 رجب المرجب 537 ہجری کو صبح صادق کے وقت پیدا ہوئے۔ یہ سیاسی طوائف الملوکی کا دور تھا۔ ہر طرف شورشیں برپا تھیں اور مشرق وسطیٰ کی مسلم تہذیب وثقافت کو

بے شمار فکری چیلنجز درپیش تھے۔ مسلم ثقافت کے تمام مراکز میں تاتاری خانہ بدوشوں اور مقامی قبائل ہیں۔ مختلف معرکہ آرائیاں برپا تھا۔ خاک وخون کی یہ جنگ خراسان کے مشرقی صوبوں تک پھیل چکی تھی اور قتل وغارت گری وتباہی وبربادی کا بازار گرم تھا۔

سیستان اور ایران کے کچھ حصوں پر ''سلطان ملک معز الدین سانگر'' کی حکمرانی تھی، جو ذہین اور بہادر ہونے کے باوجود اندرونی بغاوت اور خارجی خلفشار کو مسدود کرنے سے قاصر تھا۔ اس بد امنی اور افراتفری کے ماحول سے بے زار ہو کر حضرت خواجہ غریب نواز کے دادا ''خواجہ سید سراج الدین'' جو ہجرت کر کے چشت چلے آئے، جو ان دنوں ایران کا قصبہ تھا اور آج کل افغانستان کے شہر ''ہرات'' کا حصہ ہے۔ اس وقت آپ کی عمر صرف 13 برس تھی۔ اس کمسنی میں آپ نے علمائے اسلام اور اہل باطن کی مظلومیت، جفاؤں اور بے حرمتی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور یادوں کے یہ زخم آپؒ کے سینہ میں ثبت ہو کر رہ گئے۔ چونکہ آپؒ ''چشت'' میں تولد ہوئے، اس لیے آپ ''چشتی'' کہلائے اور ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ آپ کی ذات گرامی سے جاری ہوا۔

حضرت خواجہ غریب نواز کے والد ماجد خواجہ سید غیاث الدین تھے، جو ایک صاحب کرامت اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ حضرت خواجہ غریب نواز کے والد گرامی کے ہاتھوں بھی ہزاروں لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور آپ کا وصال 545 ہجری میں ہوا۔ شام کے دروازہ سے متصل آپ کا مزار پرانوار طالبان حق کے لیے مرجع خواص وعام ہے۔

سلطان الہند کی والدہ ماجدہ

سلطان الہند کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی ''حضرت ام الورع مہ

نور" تھا اور آپ "حضرت سید داؤد بن عبد اللہ" کی صاحبزادی تھیں۔

آپ فرماتی ہیں کہ "جب معین الدین میرے شکم میں تھے تو مجھے جنت کے خواب آتے تھے۔ گھر میں ہر طرح کی خیر و برکت تھی۔ جس وقت خداوند کریم نے حضرت خواجہ غریب نواز کے جسم میں روح ڈالی تو میں اکثر شکم سے تسبیح و تہلیل کی آواز سنتی تھی۔ یہ آوازیں سن کر ایک وجدانی کیفیت مجھ پر طاری ہو جاتی تھی۔ معین الدین کی پیدائش کے وقت سارا گھر انوار الٰہی سے روشن تھا"۔

دنیا میں جتنے بھی اللہ کے مقرب بندے پیدا ہوئے ہیں، ان کی ماؤں نے خواجہ غریب نواز کی والدہ محترمہ جیسی صورت حال کا مشاہدہ ضرور کیا ہے۔ دراصل یہ ایک سعید روح کا دنیا میں آنے پر قدرت الٰہی کا اظہار ہے۔ ایسے مقرب الٰہی بندوں کی پیدائش نہ صرف ایسے محترم گھرانوں بلکہ نوع انسانی کے لیے ایک سعادت ہوتی ہے۔ حضرت خواجہ غریب نواز کی ذات گرامی اور بے پایاں عظمت سے تو اک عالم منور ہوتا تھا۔ بھلا آپ کی والدہ ماجدہ اس بے کراں نور کا مشاہدہ کیونکر نہ کرتیں۔

حضرت خواجہ غریب نواز کا بچپن

حضرت خواجہ غریب نواز کا بچپن عام بچوں سے بہت مختلف تھا۔ فی الحقیقت آپ مادر زاد ولی تھے۔ بچپن کے زمانہ میں ہی آپ کی باتوں سے اندازہ لگا لیا گیا تھا کہ بڑے ہو کر آپ ایک برگزیدہ ہستی بنیں گے۔ تین چار سال کی عمر میں حضرت خواجہ غریب نواز کا بچپن اپنے ہم عمر بچوں کو گھر بلاتے اور ان کو کھانا کھلا کر اظہار مسرت فرماتے۔

بچپن میں ہی آپ کا دل رقت آمیز جذبات سے لبریز تھا۔ عید کے موقع پر

جب آپ بچے تھے کہ نیا لباس زیب تن کیے نماز عید کی ادائیگی کے لیے تشریف لے جا رہے تھے کہ راستہ میں دفعتاً آپ کی نظر ایک نابینا بچے پر پڑی، جس نے پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر آپ کا دل گہرے دکھ اور تاسف بھر گیا۔ آپ آبدیدہ ہو گئے اور فوراً گھر آ کر اپنے نئے کپڑے اتار کر اس بچے کو پہنا دیئے اور خود اس کے کپڑے پہن کر اسے اپنے ساتھ نماز عید کی ادائیگی کے لیے لے گئے۔

آپ کے والدین نے آپ کا نام ''حسن'' رکھا تھا۔ بچپن آپ کا ''چشت'' میں گزرا اور یہیں آپ کی پرورش ہوئی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم و تربیت گھر پر ہی حاصل کی کیونکہ آپ کے والد گرامی ایک بہت بڑے عالم تھے۔ 9 سال کی عمر میں آپ نے قرآن شریف حفظ کر لیا۔ بعد ازاں ''چشت'' کے ایک مکتب میں ہی آپ نے تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کی۔

آپ کے خاندان کی دین داری اور پرہیزگاری مشہور تھی۔ اس خاندان میں کئی جید علماء اور مشائخ پیدا ہوئے۔ زہد و تقویٰ آپ کے خاندان کا شعار اور طرہ امتیاز تھا۔ بچپن میں ہی آپ کی ذات گرامی میں عجز و انکساری، کریمانہ اخلاق، حلیمی و بردباری اور خدمت خلق کے جذبات موجزن تھے۔ 15 برس کی عمر تک پہنچنے پر آپ کے شفیق والدین کا سایہ آپ کے سر سے اٹھ گیا۔

حضرت خضرؑ سے ملاقات

آپ کے والدین کے انتقال کے بعد ایک پن چکی اور ایک باغ آپ کو ترکہ میں ملا۔ آپ نے لڑکپن کی عمر میں ہی معاشی محنت شروع کر دی اور باغ کی آبیاری فرمانے لگے۔ آپ کمسن تھے اور والدین کے سایہ عاطفت سے محروم ہو چکے

تھے۔آپ کا ذہن اسرار الہی اور ذات الٰہی کی غور وفکر میں ڈوبا رہتا اور جسمانی طور پر باغ میں مشقت کرتے۔

اولیاء کرام نے ہمیشہ توازن اور ہم آہنگی کی زندگی بسر کی ہے۔رسول اللہ کی سیرت پاک کے مطابق مادی اور روحانی دونوں تقاضوں کو کما حقہ پورا کیا۔ چنانچہ حضرت خواجہ غریب نواز ترکہ میں ملنے والے باغ میں درختوں کو سینچا کرتے۔اس باغ میں ایک دن ''حضرت خضرؑ'' تشریف لائے۔آپ بڑی عجز وانکساری سے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بہترین انگوروں کا خوشہ ان کی خدمت میں پیش کیا۔

حضرت خضرؑ نے اپنی نظر کیمیا سے آپ کی لوح جبیں سے آپ کی ساری باطنی کیفیت پڑھ لی۔چنانچہ انہوں نے اپنی ''زنبیل'' سے ''کنجارہ'' کا ایک ٹکڑا نکالا اور دانتوں سے چبا کر حضرت خواجہ غریب نواز کے منہ میں رکھ دیا۔اس کا کھانا تھا کہ حضرت خواجہ غریب نواز کا قلب مبارک انوار الٰہی اور اسرار الٰہی سے روشن ہو گیا۔اس واقع کے بعد آپ نے اپنا یہ باغ اور دیگر مال واملاک راہ الٰہی میں خیرات کر دیا اور طلب الٰہی کا شوق اس قدر غالب آیا کہ اس شوق کی تکمیل کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور مسافرت اختیار کر لی۔

حضرت خواجہ غریب نواز کا شجرہ نسب

آپ کا شجرہ نسب حضرت علی المرتضیٰؑ سے ہوتا ہوا حضورؐ سید المرسلین سے جا ملتا ہے۔بعد کی جو کتابیں حضرت خواجہ غریب نواز کے نسب نامہ کے متعلق ملتی ہیں،ان میں جو شجرہ بیان ہوا ہے،وہ درست نہیں ہے۔فقیر (راقم الحروف) نے جو شجرہ نسب تحریر کیا ہے،یہ ہمارے بزرگوں سے سینہ بہ سینہ چلا آرہا ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن بن خواجہ سید غیاث الدین بن خواجہ سید سراج الدین بن خواجہ سید کمال الدین بن خواجہ سید احمد حسن بن خواجہ نجم الدین بن خواجہ سید محمد رضا بن سید احمد حسین بن حضرت سید محمد بن سید موسیٰ بن امام زادہ سید ابراہیم مرتضیٰ بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بن امام جعفر صادقؑ بن امام محمد باقرؑ بن سید الساجدین حضرت امام زین العابدینؑ بن حضرت سیدنا حضرت امام حسینؑ بن حضرت مولا مشکل کشا شیر خدا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم (قلمی)

''مراۃ الانساب'' میں آپ کا شجرہ نسب یوں درج ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین بن خواجہ سید غیاث الدین حسن بن خواجہ کمال الدین بن خواجہ احمد حسین بن خواجہ نجم الدین طاہر بن خواجہ عبدالعزیز بن خواجہ ابراہیم بن خواجہ ادریس بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بن امام جعفر صادقؑ بن امام محمد باقرؑ بن سید الساجدین حضرت امام زین العابدینؑ بن حضرت سید الشہدا سید حضرت امام حسینؑ بن حضرت مولا مشکل کشا شیر خدا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ۔

تاریخ عرب کے مطالعہ سے یہ حقیقت بے نقاب نظر آتی ہے کہ علم الانساب اہل عرب کے نزدیک ایام جاہلیت سے لے کر عہد نبوت اور زمانہ خلافت تک مستقل حیثیت رکھتا تھا، لیکن یہ کسی کتابی صورت میں نہیں بلکہ اس علم کے ماہرین اور واقفین کی زبان پر اس کی صحت وعدم صحت کا دارومدار تھا اور یہی وجہ تھی کہ ان کی زبانی روایات انساب الرجال کے لیے ایک مابہ الاعتماد سند ہوتی تھیں۔ ایام طفلی اور لڑکپن کے زمانہ میں بچوں کو ان کے آباؤ اجداد کے نام یاد کروائے جاتے تھے، تاکہ انہیں اپنی نسبی حالت سے واقفیت ہو۔ اسی طرح عرب کے مختلف قبائل کے سلسلہ میں نسب کی انہیں تعلیم دی جاتی تھی تاکہ وہ اپنے اغیار واحباب کی نسبی حالت سے بھی ناواقف

نہ رہیں۔ چنانچہ بیشتر صحابہ کی نسبت مشہور ہے کہ انہیں علم الانساب میں کامل دستگاہ حاصل تھی۔لیکن عجمیوں نے اس جانب کبھی توجہ نہیں کی۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ آج اولوالعزم شخصیتوں کے سلسلہ نسب میں کچھ نہ کچھ اختلاف ضرور ہے۔ بالفرض کوئی سلسلہ نسب آج اگر بہ ترتیب قائم ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ ان لوگوں کو جن کے ہاتھوں سے یہ لڑی پروئی گئی ہے۔علم الانساب سے پوری دلچسپی تھی اور انہیں اپنے نسبی سلسلہ کو برقرار رکھنے کا پورا خیال تھا، لیکن یہ ایک ایسی مثال ہے، جسے دنیا شذوذ وندرت کے ساتھ پیش کرتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ آج نائب النبی کے نسب نامہ میں بھی صریحی اختلاف موجود ہے۔

تذکرۃ الانساب	مراۃ الانساب	خزینۃ الاصفیا	اقتباس الانوار	قلمی اخبار الاخیار کی حاشیہ پر نوشتہ ۱۲۲۷ء
خواجہ غیاث الدین	خواجہ غیاث الدین	خواجہ غیاث الدین	خواجہ غیاث الدین	خواجہ غیاث الدین
خواجہ کمال الدین	خواجہ کمال الدین	خواجہ کمال الدین	کمال الدین سید احمد حسین	خواجہ حسن احمد
خواجہ عبدالعزیز طاہر	خواجہ احمد حسین	خواجہ احمد حسین	خواجہ طاہر	خواجہ نجم الدین
خواجہ ابراہیم	خواجہ نجم الدین طاہر	خواجہ طاہر	خواجہ عبدالعزیز	خواجہ طاہر حسن
خواجہ الیاس	خواجہ عبدالعزیز	خواجہ عبدالعزیز	خواجہ ابراہیم	خواجہ عبدالعزیز
خواجہ ادریس	خواجہ ابراہیم	خواجہ ابراہیم	امام علی رضاؑ	خواجہ ابراہیم
امام موسیٰ کاظمؑ	خواجہ ادریس	امام علی رضا	امام موسیٰ کاظمؑ	خواجہ ادریس
	امام موسیٰ کاظمؑ	امام موسیٰ کاظمؑ		امام موسیٰ کاظمؑ

جیسا کہ مندرجہ بالا نقشہ سے اختلافات کی حقیقت آشکارا ہوتی ہے۔

کتاب ''تذکرۃ المعین'' میں بحوالہ سیر العارفین جو نسب نامہ مرقوم ہے، وہ بھی اپنے اعتبار سے سب سے مختلف ہے، لیکن اس اختلاف نامہ میں ہم نے اس لیے اسے شامل نہیں کیا کہ کتاب سیر العارفین میں کوئی نسب نامہ درج نہیں ہے۔

پس یہ حوالہ غلط ہے۔ بہر حال اب یہ مسئلہ ضروری باقی ہے کہ ان تمام نسب ناموں میں کس کتاب نے صحیح نسب بیان کیا ہے؟ فی الحال ہم اس پر تاریخی اصول سے بحث نہیں کر سکتے۔ مختصر یہ کہ کتاب مراۃ الانساب نے صحیح سلسلہ نسب بیان کیا ہے اور عام طور پر بکثرت اس جانب رجحان ہے اور تمام تذکروں سے آپ کا سادات حسینی سے ہونا ثابت ہے۔

خواجہ بزرگ کے اسلاف کرام کے متعلق اس وقت تک ہمیں کوئی ذاتی علم نہیں ہے اور نہ کسی تذکرے میں اس مسئلہ پر صراحت کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ ایسی حالت میں ہماری خاموشی بھی بجائے خود ایک اعتذار ہے۔

(حوالہ کتاب تاریخ السلف)

سلطان الہند کا سلسلہ طریقت

حضرت خواجہ معین الدین خلیفہ خواجہ سید عثمان ہارونی، خلیفہ حاجی سید شریف زندنی، خلیفہ حضرت خواجہ سید قطب مودود چشتی، خلیفہ سید ابو یوسف چشتی، خلیفہ سید ابومحمد، خلیفہ سید ابو احمد ابدال چشتی، خلیفہ خواجہ ابواسحٰق شامی، خلیفہ حضرت ممشاء علی دینوری، خلیفہ خواجہ ہبیرۃ البصری، خلیفہ حذیفہ المرعشی، خلیفہ حضرت سلطان ابراہیم ادھم بلخی، خلیفہ حضرت فضیل بن عیاض، خلیفہ خواجہ عبدالواحد بن زید، خلیفہ حسن بصری، خلیفہ اویس قرنیؓ، خلیفہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم۔

حضرت خواجہ غریب نواز کے سلسلہ طریقت کا مختصر احوال

حضرت خواجہ غریب نواز کا سلسلہ چشتیہ بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے توسل سے سرکار دو عالمؐ سے ہی جا ملتا ہے۔ حضرت خواجہ غریب نواز چشتی کا سلسلہ بھی حضرت

حضرت سید عثمان ہارونی کے توسل سے حضرت ممشاء دینوری سے ہوتا ہوا حضرت حسن بصری اور حضرت اویس قرنیؓ سے جاملتا ہے۔ حضرت خواجہ حسن بصری جو حضرت اویس قرنیؓ کے خلیفہ تھے، کے والد ماجد ''حضرت موسیٰ راعی'' نے حضرت علیؓ کے دست چوم کر اسلام قبول کیا تھا اور آپ کی والدہ ماجدہ ام المومنین حضرت ام سلمیٰؓ کی کنیزوں میں سے تھیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آپ کا نام ''حسن'' رکھا تھا۔

ایک حوالہ کے مطابق آپ 21 ہجری کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی کنیت ''ابوسعید'' اور ''ابومحمد'' تھی۔ ہیرے جواہرات کی تجارت کرتے تھے۔ جلیل القدر تابعین میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ 79 برس کی عمر میں 5 رجب المرجب 110 ہجری کو وفات پائی۔ آپ کا مزار قدیم ''بصرہ'' میں ہے۔ حضرت عبدالواحد بن زید حضرت خواجہ حسن بصری کے ''خلیفہ اکبر'' تھے اور آپ بصرہ کے رہنے والے تھے۔ پیدائش مدینہ منورہ میں ہوئی تھی۔ کنیت ''ابوالفضل'' تھی۔ دین کے باطنی پہلوؤں کی سیرابی کے لیے حضرت علی المرتضیٰؓ کی صحبت اقدس میں بیٹھے رہتے تھے۔ چالیس برس تک مجاہدات کی، مشکلات جھیلیں اور جب حضرت خواجہ حسن بصری کے حلقہ ارادت میں آئے تو اپنا سب کچھ راہ خدا میں خیرات کر دیا۔ دائم الصلوۃ تھے۔ پانچ پانچ دن فاقہ کے بعد دو چار لقمے غذا کے کھا کر اللہ کا شکر بجالاتے۔ سماع کے دوران آپ کی آنکھیں رقت قلب سے بھر آتی تھیں اور اکثر دیوانہ وار رونے لگتے۔

عباسی دور حکومت میں 177 ہجری میں انتقال فرمایا اور بصرہ میں مدفون ہوئے۔ وفات سے پہلے ''حضرت فضیل بن عیاض'' کو خلافت بخشی۔ حضرت فضیل بن عیاض اور حضرت خواجہ بشیر حافی حضرت سلیمان ثوری اور حضرت داؤد طائی کے ہمعصر تھے۔ خلیفہ ہارون الرشید آپ کا معتقد تھا۔ آپ حضرت خواجہ حسن بصری سے ملاقات کی

تڑپ لے کر بصرہ روانہ ہوئے کہ راستہ میں ان کے انتقال کی خبر سنی اور ان کے خلیفہ ''خواجہ عبدالواحد بن زید'' کے در پر جا کر دھاڑیں مار مار کر روئے۔ بعد ازاں ان ہی سے آپ کو خلافت ملی۔

آپ نے محرم 187ہجری میں اس دار فانی سے کوچ فرمایا اور حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ کے پاس ہی مدفون ہوئے۔ حضرت ابراہیم بن ادھم آپ کے خلیفہ تھے۔ حضرت ابراہیم بن ادھم ''بلخ'' کے شاہی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے والد محترم ''سلطان ادھم بن سلیمان بن منصور بلخی'' تھے۔ جوانی میں گناہوں سے توبہ کی اور تیسری دنیا کی سیاحت کے لیے نکل پڑے۔ عمر عزیز کا زیادہ تر حصہ ''شام'' میں گزرا۔ اپنے زمانے کے جلیل القدر مشائخ طریقت سے روحانی فیض پایا اور حضرت فضیل بن عیاض کے مرید ہوئے۔ حضرت جنید بغدادی کے بقول آپ علماء کے علوم کی کلید تھے۔ 6 جمادی الاول 262ہجری کو ابو عبداللہ عباسی کے عہد میں وصال فرمایا اور بیت المقدس کی ایک پہاڑی پر آپ کا مزار بنا، جو آج تک موجود ہے۔

آپ کی سن ولادت 177ہجری ہے۔ بلخ میں پیدا ہوئے تھے۔ کنیت ابو اسحٰق تھی اور حضرت خواجہ حذیفہ المرعشی نے آپ سے خرقہ خلافت پایا، جن کا لقب ''سدید الدین'' تھا اور وہ دمشق کے نواحی شہر ''مرعش'' کے رہنے والے تھے۔

پیدائشی نام ''بدرالدین'' تھا۔ کمسنی میں ہی قرآن شریف حفظ کیا اور حضرت فضیل بن عیاض اور حضرت بایزید بسطامی کی بھی زیارت کی۔ ہر وقت زہد و ریاضت میں مستغرق رہتے تھے۔ 24 شوال 276ہجری کو وفات پائی۔ حضرت خواجہ ہبیرۃ البصری آپ کے خلیفہ تھے، جو بصرہ میں تولد ہوئے۔ ''امین الدین'' لقب تھا۔ آپ نے سترہ برس کی عمر میں علوم ظاہری و باطنی سے استفادہ کر لیا تھا۔ آپ اکابر اولیاء میں

شمار ہوئے۔ سو برس کی عمر میں 8 شوال 287 ہجری کو بصرہ میں وفات پائی اور یہیں آسودہ خاک ہیں۔

سلسلہ چشتیہ کے بانی ''حضرت ابو اسحٰق شامی'' کے مرشد حضرت ممشاد دینوری آپ کے خلیفہ بنے۔ حضرت ممشاد دینوری بڑے جلیل القدر بزرگ اور اپنے زمانہ کے بڑے مشائخ میں سے تھے۔ دینور آپ کا وطن تھا، جو کرمان شاہ کے مغربی کوہستان میں واقع ہے۔ آپ کی پرورش بغداد میں ہوئی۔ آپ کا اصل نام ''علو'' اور لقب ''کریم الدین'' تھا۔ مگر آپ ''دینوری'' مشہور ہوئے۔ دولت مند گھرانے سے تعلق رکھتے تھے مگر جب عشق الٰہی اور حب رسولؐ کی ضیاء دل میں جلوہ گر ہوئی تو سارا مال و متاع اللہ کی راہ میں لٹا دیا۔ یہاں تک کہ روزہ افطار کرنے کے لیے بھی پاس کچھ نہ رکھا۔ رخت سفر باندھا، مکہ معظمہ تشریف لائے اور بیت اللہ شریف میں ذکر و فکر اور عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔

ارادت سے قبل 20 سال تک مجاہدات کے یہی معمولات قائم رہے اور پھر مرشد حق کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ اس زمانہ میں شہباز طریقت ''حضرت ہبیرۃ البصری'' کی بارگاہ عالیہ سے ایک دنیا فیض حاصل کر رہی تھی۔ چنانچہ آپ بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کا شرف حاصل کیا۔ قبل ازیں آپ حضرت جنید بغدادی، خواجہ محمد رویم، خواجہ ابوالحسن اور حضرت خواجہ سری سقطی جیسے بزرگوں سے فیضیاب ہو چکے تھے۔ حضرت ممشاد دینوری نے اپنے زاویہ فکر کے پیش نظر رشد و ہدایت کے کئی چراغ روشن کیے اور علم و فضل کی روشنی و معرفت الٰہی کی نورانی شعاعیں پھیلانے کی خاطر خواب میں حضور نبی کریمؐ سے محفل سماع کی اجازت حاصل کی۔ کیونکہ آپ کے ارشاد کے مطابق سماع خدا کی طرف سے روح کا سفر ہے۔ سماع ارواح کی قوت اور

اجسام کی غذا اور قلوب کی حیات ہے۔آپ نے سماع کو دین اسلام کی اشاعت کا ذریعہ بنایا اور ہزاروں بے چین دلوں کو سوز وگداز،ذوق وشوق اور صبر وسکون کی دولت سے مالا مال کیا۔14 محرم 298 ہجری کو واصل باللہ ہوئے۔دینور میں آپ کا روضہ مرجع انام ہے۔حضرت ابو اسحٰق ،حضرت ممشاد دینوری کے خلفائے عظام میں سے تھے۔شام کے شہر ''مالوفہ'' میں آپ کی ولادت ہوئی۔لقب ''شرف الدین'' تھا۔ممشاد دینوری نے بغداد میں آپ کو ملاقات کے دوران ''چشت'' جانے کا حکم دیا اور یوں حضرت ابو اسحٰق مرشد کے حکم کے بموجب چشت پہنچے اور باقی ساری عمر دین حق کی تبلیغ وترویج میں گزار دی۔سماع کے بے حد رسیا تھے بلکہ یہاں تک کہتے تھے کہ سماع کے دوران فیوض وانوار کا نزول ہوتا ہے۔ایک بار کافی عرصہ گزر گیا بغداد میں بارش نہ ہوئی۔خلیفہ وقت نے آپ سے دعا کی درخواست کی تو آپ نے خلیفہ کو اپنے ہاں سماع کی محفل میں مدعو کیا۔کہا جاتا ہے کہ جب سماع شروع ہوا تو موسلا دھار بارش شروع ہوگئی اور دوران سماع مسلسل بارش برستی رہی۔

خواجہ ابو اسحٰق شامی چشت میں ایک عرصہ قیام کے بعد چند روز کے لیے شام کے شہر ''عکہ'' میں پہنچے ہی تھی کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔سن وفات 329 ہجری یا 342 ہجری بتایا جاتا ہے۔حضرت سید ابو احمد ابدال چشتی آپ کے مرید خاص تھے، جنہوں نے 20 برس کی عمر میں چشت میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔خلیفہ معتصم باللہ کے زمانے میں پیدا ہوئے اور آپ ''قدوۃ الدین'' کے لقب سے ملقب ہوئے۔ آپ نجیب الطرفین سید تھے۔مجاہدات میں سخت کوشی اختیار کی۔آپ کی تاریخ ولادت 260 ہجری ہے اور تاریخ وفات 355 ہجری بیان کی گئی ہے۔آپ کا مزار شریف ''چشت'' میں ہے۔حضرت خواجہ ابو محمد آپ کے صاحبزادے اور خلیفہ تھے۔ان کا لقب

''ناصح الدین'' تھا اور آپ کی پیدائش 331 ہجری میں ہوئی ۔چار سال کی عمر میں ہی صوم وصلوٰۃ کے پابند ہو گئے تھے۔سات برس کی عمر میں گوشہ نشینی اختیار کی اور جب چوبیں برس کے عمر کو پہنچے تو سجادہ نشین بنا دیئے گئے ۔ضعیف العمری میں سلطان محمود غزنوی کے لشکر کے ہمراہ جہاد میں شریک ہو کر سومنات گئے ۔ 411 ہجری رجب المرجب میں انتقال ہوا۔

حضرت خواجہ سید یوسف چشتی آپ کے خلیفہ بنے جن کا لقب ناصرالدین تھا اور وہ شام کے رہنے والے تھے ۔حضرت خواجہ یوسف چشتی کے والد گرامی ''حضرت سید سمعان'' بڑے متقی پرہیز گار تھے ۔حضرت خواجہ محمد چشتی کی ہمشیرہ کا نکاح آپ سے ہوا تھا۔آپ 375 ہجری میں پیدا ہوئے ۔پچاس برس کی عمر میں حضرت ابو اسحق چشتی شامی کے مزار پر حاضر ہوئے اور قریب ہی اپنے ہاتھوں سے ایک حجرہ تعمیر کر کے بارہ برس تک قیام پذیر رہے ۔4 ربیع الاول 459 ہجری کو انتقال فرمایا اور چشت ہی میں مدفون ہوئے ۔آپ کی وفات کے بعد خرقہ خلافت حضرت سید مودود چشتیؒ کو ملا، جو آپ کے فرزند تھے ۔حضرت مودود چشتی کا لقب ''قطب الدین'' تھا۔435 ہجری میں چشت میں پیدا ہوئے اور بلخ میں تعلیم حاصل کی ۔آپ کو سماع کا بہت ذوق تھا اور سماع بہت سنتے تھے ۔ایک سال تک روضہ رسولؐ کی جاروب کشی کی ۔

آپ نے 527 رجب المرجب کو انتقال فرمایا اور چشت میں مدفون ہوئے ۔حضرت خواجہ قطب سید مودود چشتی کا سلسلہ نسب حضرت امام علی نقیؑ سے ملتا ہے ۔ان کی اولاد ''ڈھاڈر'' بلوچستان میں بالخصوص اور پورے پاکستان میں بالعموم پھیلی ہوئی ہے ۔مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا سلسلہ نسب بھی آپ سے ملتا ہے ۔آپ کی اولاد سے جو سلسلہ چلا وہ مودودی چشتی کہلایا۔ان کا شجرہ نسب بھی فقیر (مصنف) کے

پاس موجود ہے۔حضرت حاجی سید شریف زندانی آپ کے خلیفہ تھے، جن کے روبرو حضرت سید عثمان ہارونی نے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

حاجی شریف زندنی اپنے زمانے کے ممتاز بزرگ اور عالم دین تھے۔ولادت باسعادت زندنہ میں ہوئی، جو مضافات بخارا میں ہے۔سن پیدائش 492ہجری بتایا جاتا ہے۔امام بخش نے ''حدیقۃ اسرار فی اخبار الابرار'' جس میں سلسلہ چشتیہ کے بزرگوں کے مختصر حالات قلمبند ہیں، حاجی شریف زندنی کے متعلق لکھا ہے۔

'' آں مقتدائے عصر و پیشوائے دہر و عالم تبحر حضرت خواجہ حاجی شریف زندنی قدس اللہ سرہ العزیز ونوراللہ مرقدہ، یہ حقیقت ہے کہ آپ نے ساری عمر دین کی تبلیغ میں گزاری۔بخارا کے گردونواح میں آپ کے تبحر علمی کا بڑا شہرہ تھا۔آپ نے 3رجب المرجب 612ہجری میں 120برس کی میں عمر میں وفات پائی۔بعض کتب تاریخ میں آپ کی وفات 11رجب بھی مرقوم ہے۔آپ کو زندنہ میں ہی دفن کیا گیا، جہاں آپ کا مزار مرجع وخواص وعام ہے۔آپ کی وفات کے بعد آپ کی خلافت حضرت عثمان ہارونی نے سنبھالی، جو حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے مرشد کامل تھے۔اسی حسن ترتیب سے حضرت خواجہ غریب نواز کا سلسلہ چشتیہ باہم مربوط ہے اور حضرت خواجہ حسن بصریؒ سے ہوتا ہوا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مل جاتا ہے۔

حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ

(مرشد سلطان الہند)

حضرت خواجہ عثمان ہارونی کا پیدائشی نام ''عثمان'' اور کنیت ''ابوالنور'' تھی۔ آپ سادات کے ایک معزز گھرانے میں 529ہجری میں پیدا ہوئے (بعض محققین نے آپ کا سن ولادت 526ہجری بھی لکھا ہے)۔ آپ کا سلسلہ نسب امام زادہ سید ہارون ابن امام موسیٰ کاظمؑ سے جا ملتا ہے۔ سلطان الہند کے مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی نے ابتدائی تعلیم اپنے والدین کے زیر سایہ حاصل کی۔ بعد ازاں اپنے دور کے نامور علمائے کرام سے علوم ظاہری کی تکمیل کی اور علوم شریعت کی تکمیل کے بعد علوم حقیقی (طریقت) کی طرف متوجہ ہوئے۔

ارباب سیر کے نزدیک آپ نے اپنی عمر کے 70برس زہد اور ریاضت و مجاہدہ میں گزارے اور بے شمار حج کیے۔ عالم اسلام کے تمام ممالک کی سیر و سیاحت کی اور خرقہ خلافت حضرت حاجی شریف زندنی سے حاصل کیا۔ آپ نے اپنے ہمعصر بے شمار اولیائے کرام سے ملاقاتیں کیں۔ طویل عرصہ سیر و سیاحت میں گزارنے کے بعد مدینہ منورہ میں کچھ عرصہ قیام فرمایا اور مدینہ شریف میں ہی 91برس کی عمر میں 617ہجری میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کا مزار پر انوار حرم شریف سے متصل ''شریف مکہ'' کے مکان کے سامنے زیارت گاہ خلائق ہے۔

حضرت عثمان ہارونیؒ کی کتب

(۱) انیس الارواح (ملفوظات) ۔ (۲) ہدایہ۔

حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے ملفوظات ''انیس الارواح'' کے نام سے مشہور ہیں۔ جن سے متلاشیان حق نے بہت بڑی تعداد میں استفادہ کیا ہے۔ آپ کے یہ ملفوظات حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ نے جمع کیے ہیں۔ آپ کی دوسری مشہور فقہ کی کتاب ''ہدایہ'' ہے۔ اس کتاب کے بارے میں ''تجدید تصوف وسلوک'' کے مصنف ''عبدالباری ندوی'' رقمطراز ہیں۔

''حضرت عثمان ہارونی نے خود فقہ کی مشہور کتاب ''ہدایہ'' کا نسخہ اپنے ہاتھ سے نقل فرمایا تھا''۔

حضرت عثمان ہارونی کے چار خاص مرید

حضرت عثمان ہارونی سے بباطن تو ایک عالم منور تھا اور فیض پاتا تھا اور آپ کے مریدان کی تعداد ان گنت ہے، لیکن آپ کے چار مریدین ایسے ہیں، جنہوں نے آپ کا بہت قرب پایا۔ یہ چار خوش قسمت اور باسعادت حضرات بذیل ہیں۔

۱۔ حضرت شیخ الاسلام نجم الدین صغریؒ۔
۲۔ حضرت خواجہ فخر الدین گردیزیؒ۔
۳۔ حضرت شیخ سعدی لنگوچیؒ۔
۴۔ حضرت شیخ محمد ترکؒ۔

ان چاروں بزرگوں اور حضرت خواجہ عثمان ہارونی کا انتہائی قرب رکھنے والی شخصیتوں کو حضرت خواجہ غریب نواز (سلطان الہند) کا قرب حاصل تھا اور یہ خواجہ

بزرگ چشتی کے پیر بھائی ہونے کے ناطے سے زیادہ مشہور تھے۔

حضرت شیخ نجم الدین صغریؒ کے بارے میں حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاءؒ راوی ہیں کہ جب حضرت خواجہ بزرگ اجمیر سے دہلی سے تشریف لائے تو حضرت نجم الدین صغریؒ دہلی کے شیخ الاسلام تھے۔حضرت خواجہ غریب نوازؒ اور آپ کے مابین گہری دوستی تھی۔چنانچہ حضرت خواجہ غریب نواز آپ کو دیکھنے کے لیے خود تشریف لے گئے تھے۔حضرت فخر الدین گردیزی ایک ایسے خوش بخت شخص ہیں، جنہیں حضرت عثمان ہارونی کا خادم خاص ہونے کا شرف حاصل ہے۔

خادم خاص کی حیثیت سے آپ حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے زیادہ مزاج شناس تھے اور حضرت خواجہ عثمان ہارونی کا جو تعلق اللہ سے استوار تھا۔اس تعلق کے کئی گوشوں کے حضرت فخر الدین گردیزی شاہد تھے، لیکن حضرت فخر الدین گردیزی کے بیان کردہ حالات بھی دستیاب نہیں ہیں۔اسی طرح حضرت شیخ الاسلام نجم الدین صغری کے حالات زندگی بھی کسی کتاب میں نہیں ملتے اور حضرت شیخ سعدی لنگوچی و شیخ محمد ترک جیسے بزرگ جنہوں نے حضرت خواجہ عثمان ہارونی کی حد درجہ قربت پائی، کے حالات زندگی و دینی کارنامے بھی زمانے کی دست و برد کا شکار ہو چکے ہیں، جواب دستیاب نہیں ہیں۔

اسی طرح سلطان الہند کے مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی کی زندگی کے بہت سے منور گوشے جن سے تشنگان علم کی پیاس بجھتی، پردہ اخفاء میں چلے گئے ہیں۔

حضرت سلطان الہند کی شادیاں اور اولاد کا احوال

''کتاب سیر الاولیاء'' میں مذکور ہے کہ حضرت خواجہ غریب نواز ایک ایسے دور میں اجمیر تشریف لائے تھے کہ تقریباً سارے ہندوستان میں کفر و شرک اور بت پرستی کا رواج تھا۔ ہندوستان پر سرکش حکمران ''انا ربکم الاعلیٰ'' کا دعویٰ کرتا تھا۔ سب لوگ اپنے آپ کو خدائے عزوجل کا شریک ٹھہراتے تھے۔ کفر کی تاریکیوں نے ان کے دلوں پر قفل لگا رکھے تھے۔

حضرت خواجہ غریب نواز اجمیر میں سکونت اختیار کرنے کے بعد روحانی طور پر تو اپنے مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے قریب تھے، لیکن حقیقتاً ان کی مفارقت آپ کو گوارا نہ تھی۔ اس وقت حضرت خواجہ عثمان ہارونی بغداد میں مقیم تھے۔ چنانچہ حضرت سلطان الہند ان کی قدم بوسی کے لیے 598 ہجری میں اجمیر سے بغداد روانہ اور بغداد پہنچ کر کچھ عرصہ قیام فرمایا۔ مرشد کامل کی صحبت سے مستفیض ہوتے رہے۔ اسکے بعد کچھ عرصہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی درگاہ پر معتکف رہے۔ یہاں سے غزنی پہنچے۔ بعد ازاں دہلی سے ہوتے ہوئے اپنے مستقر اجمیر تشریف لائے۔ تھوڑی مدت رہنے کے بعد دوبارہ خراساں چلے گئے اور تصنیف و تالیف میں مہمک ہو گئے۔ 610 ہجری میں دہلی سے ہوتے ہوئے چوتھی بار اجمیر تشریف لائے اور اس کے بعد اجمیر کی سرزمین کو کبھی داغ مفارقت نہ دیا۔

اجمیر شریف آپ جیسے جلیل القدر بزرگ، وارث النبیؐ فی الہند کی مساعی جمیلہ سے گہوارہ ہدایت بنا۔ جہاں سے اسلام کی کرنوں سے ہندوستان کے دور و نزدیک

کتاریک گوشے منور ہو گئے۔ آپ کی حیات اقدس کے باب میں تمام مورخین اس امر پر متفق ہیں کہ آپ نے دو شادیاں کیں۔ آپ کی پہلی زوجہ محترمہ حضرت بی بی امۃ اللہ تھیں، جو کسی ہندو راجہ کی بیٹی تھیں اور انہوں نے حضرت خواجہ غریب نواز کے دست حق پرست پر اسلام قبول فرمایا تھا۔ جبکہ آپ کا دوسرا نکاح اجمیر کے گورنر "حضرت میراں سید حسین خنگ سوار" کی چچا زاد بہن "حضرت بی بی سیدہ عصمت" سے ہوا۔ محترمہ بی بی عصمت حضرت سید وجیہہ الدین کی صاحبزادی تھیں۔ ان ہر دو ازواج مطہرات کے بطن سے آپ کے تین فرزند اور ایک دختر متولد ہوئے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

"حضرت خواجہ فخر الدین، حضرت خواجہ سید حسام الدین اور بی بی حافظ جمال حضرت بی امتہ اللہ کی اولاد تھے۔ دوسری بیوی حضرت بی بی عصمت اللہ سے حضرت خواجہ سید ضیاء الدین ابو سعید پیدا ہوئے"۔

مگر علامہ خواجہ صفیؒ، خواجہ بندہ نواز گیسودراز کی رائے سے زیادہ اتفاق کیا گیا ہے کہ پہلی بیوی کے شکم سے صرف ایک صاحبزادی بی بی حافظ جمال پیدا ہوئیں۔ آپ کے تینوں فرزند بی بی عصمت اللہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ بہر حال اس سے کسی مصنف یا مولف کو انکار نہیں کہ آپ کی ایک بیٹی اور تین بیٹے تھے۔ حضرت غریب نواز کے بڑے فرزند کا نام "خواجہ سید احمد المعروف فخر الدین" تھا، جو "خواجہ احمد" کے نام سے بھی مشہور تھے۔

کتاب "فوائد الفوائد" کے مطابق خواجہ فخر الدین احمد 611ہجری میں پیدا ہوئے اور ساری عمر یاد الٰہی میں مستغرق رہے۔ فارغ اوقات میں گزر بسر کے لیے کھیتی باڑی کرتے تھے۔ 652ہجری میں وفات پائی۔ اجمیر شریف سے تقریباً 35 میل یعنی

57 کلو میٹر دور قصبہ ''سرواڑ'' میں دفن کیے گئے۔ جہاں آج بھی ایک تالاب کے کنارے آپ کا مزار زائرین کی توجہ کا مرکز ہے۔خواجہ غریب نوازؒ کے آستانہ عالیہ پر حاضری دینے والے یہاں بہر صورت عقیدت کے پھول نچھاور کرتے ہیں۔3 سے 6 شعبان المعظم آپ کا عرس منایا جاتا ہے۔

حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے دوسرے فرزند ارجمند خواجہ سید علی المعروف ضیاء الدین ابو سعید کے متعلق تذکرہ نگاروں نے تحقیق کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی جبکہ آپ کی اولاد میں سے خواجہ سید احمد اور خواجہ سید وحید بڑے مشہور و معروف بزرگ ہیں، جن کی اولاد جاری ہوئی ہے۔آپ کا مزار عالیہ حضرت خواجہ غریب نواز کی درگاہ شریف میں شاہی گھاٹ سے متصل جھالرہ کے اوپر واقع ہے۔آپ کے تیسرے لخت جگر حضرت خواجہ سید جعفر المعروف ''حسام الدین'' ہیں، جن کے بارے میں پتہ چلتا ہے کہ وہ عالم شباب میں ہی گھربار اور وطن کو خیر آباد کہہ کر ابدالوں کی جماعت میں شامل ہو گئے تھے۔ اس کے بعد اولیاء و مشائخ کے مزارات پر حاضری دیتے رہے۔ساری عمر زہد و ریاضت میں گزاری۔جنگلوں میں رہتے رہے حتیٰ کہ کسی کو آپ کی تاریخ رحلت اور مقام مدفن کا علم نہیں ہو سکا۔آپ نے زندگی گوشہ گمنامی میں بسر کی۔

حضرت بی بی حافظہ جمال کا مزار خواجہ بزرگ کے قبہ شریف کے بیرونی حصہ میں ہے۔آپ کے متقی و پرہیز گار ہونے کا زمانہ معترف ہے۔آپ کی شادی سید رضی الدین ناگوری سے ہوئی۔ 19 رجب المرجب کو بی بی حافظہ جمال کا عرس منایا جاتا ہے۔برصغیر کے دور دراز شہروں سے عورتیں کثیر تعداد میں آپ کے مزار مبارک پر حاضری دینے آتی ہیں۔

حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے وصال مبارک کے بعد ان کی اولاد امجاد میں سے

صرف ''سید احمد'' المعروف خواجہ فخر الدین اور ''سید علی'' المعروف ضیاء الدین ابوسعید سے اولاد کا سلسلہ جاری ہوا۔

حضرت خواجہ سید احمد فخر الدین کے صاحبزادے ''خواجہ سید حسام الدین'' سوختہ تھے۔ حضرت فخر الدین نے آپ کا نام اپنے پیارے بھائی کی یاد میں ان کے نام پر رکھا تھا۔ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے پوتے سید حسام الدین سوختہؒ نے حضرت سید محمد نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ سے فیض حاصل کیا۔ آپ کا مزار مبارک اجمیر سے 80 میل یعنی 129 کلومیٹر کی مسافت پر ''سانبھر'' میں ہے۔ ان کے بعد آپ کی اولاد امجاد میں سے حضرت خواجہ سید معین الدین خورد اور حضرت خواجہ قیام الدین باریال کا ذکر آتا ہے۔

حضرت خواجہ سید معین الدین خورد کی اولاد میں سے خواجہ سید فخر الدین ابوسعید، خواجہ سید وحید الدین اور حضرت خواجہ سید نظام الدین تینوں بیٹوں سے اولاد کا سلسلہ جاری ہے۔ حضرت خواجہ سید قیام الدین باریال کی اولاد میں خواجہ سید نجم الدین سے اولاد جاری ہے۔ سجادہ نشین دیوان سید آل حبیب علی خان چشتی الکاظمی مدظلہ العالی آپ ہی کی اولاد امجاد میں سے چلے آرہے ہیں۔

خواجہ سید معین الدین خورد کے بیٹے خواجہ سید فخر الدین المعروف ابوسعید کے تین بیٹے ''خواجہ سید سعید الدین، خواجہ سید کمال الدین، خواجہ سید نجم الدین'' تھے۔ سعید الدین کے سید نجیب الدین المعروف محمود شاہ چشتی کی اولاد میں سے ''فقیر'' (مصنف) کے پردادا سید عبدالعلی لقب چراغ علی شاہ المعروف ''سوہنے شاہ'' کا شجرہ 18 ویں پشت میں جاملتا ہے، جو مصنف کے پاس قلمی موجود ہے۔

سید عبدالعلی المعروف چراغ علی شاہ عرف سوہنے شاہؒ کے تین بیٹے سید مراد علی

شاہ، سید سردار علی شاہ، سید نواز علی شاہ تھے۔ سید مراد علی شاہ "دجوہا شریف" تحصیل "نکودھر" ضلع جالندھر انڈیا ہی میں رہ گئے تھے۔ سید سردار علی شاہ اور سید نواز علی شاہ پاکستان آگئے۔ سید سردار علی شاہؒ کے بیٹے سید ایوب علی شاہؒ، سید نواز علی شاہؒ کے بیٹے سید محمد علی شاہ، سید رفیق شاہ، سید محمد حسین شاہ موجود ہیں۔

حضرت خواجہ غریب نواز کی بیعت کا احوال

اپنی بیعت کے حوالے سے حضرت خواجہ غریب نواز خود یوں رقمطراز ہیں۔

"مسلمانوں کا یہ دعا گو معین الدین چشتی بمقام بغداد شریف حضرت امام موسیٰ کاظم کے روضہ اطہر سے متصل مسجد میں اپنے مرشد پاک حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ کی دولت پابوسی سے مشرف ہوا۔ اس وقت روئے زمین کے مشائخ کبار، ان کی محفل اقدس میں حاضر تھے۔ جب اس درویش نے سر نیاز زمین پر رکھا تو پیر و مرشد نے ارشاد فرمایا۔

"دو رکعت نماز ادا کر"، میں نے نماز ادا کی تو فرمایا "قبلہ رو بیٹھ"، میں تعمیل حکم میں بیٹھ گیا، پھر حکم فرمایا "سورہ بقرہ پڑھ"، میں نے پڑھی۔ پھر ارشاد ہوا کہ "اکیس بار درود شریف پڑھ"، میں نے پڑھا، پھر آپ کھڑے ہو گئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر آسمان کی طرف منہ کیا اور فرمایا "آؤ! تا کہ میں تمہیں خدا تک پہنچا دوں"۔

بعد ازاں قینچی لے کر دعا گو کے سر پر چلائی اور "کلیم خاص" عطا فرمائی۔ پھر ارشاد ہوا "بیٹھ جاؤ" میں بیٹھ گیا، تو فرمایا "ہمارے خانوادے میں شبانہ روز کے مجاہدے کا معمول ہے، تو آج رات اور دن مشغول رہ"۔ یہ درویش بموجب فرمان عالی مشغول

رہا۔ دوسرے دن جب حاضر خدمت ہوا تو فرمایا ’’آسمان کی طرف دیکھ‘‘۔ چنانچہ میں نے دیکھا تو آپ نے ارشاد فرمایا ’’کہاں تک دیکھتا ہے؟‘‘، میں نے عرض کیا ’’تحت العرش تک‘‘، آپ نے پھر فرمایا ’’ہزار بار سورہ اخلاص پڑھ‘‘ میں نے پڑھی، فرمایا ’’پھر آسمان کی طرف دیکھ‘‘، میں نے دیکھا، آپ نے پوچھا ’’اب کہاں تک دیکھتا ہے؟‘‘ میں نے عرض کیا ’’حجاب عظمت تک‘‘۔ چنانچہ آپ نے فرمایا ’’آنکھیں بند کر‘‘ میں نے اپنی آنکھیں بند کر دیں۔ پھر فرمایا ’’کھول‘‘ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کے بعد مرشد پاک نے اپنی انگلیاں دکھا کر سوال کیا ’’کیا دیکھتا ہے؟‘‘ میں نے عرض کیا ’’اٹھارہ ہزار عالمین کا مشاہدہ کر رہا ہوں‘‘۔ ازاں بعد سامنے پڑی ہوئی ایک اینٹ اٹھانے کا حکم فرمایا۔ میں نے تعمیل حکم میں اینٹ اٹھائی تو اسکے نیچے اشرفیوں کا ڈھیر تھا۔ آپ نے فرمایا ’’انہیں لے کر جا کر فقراء میں تقسیم کر دے‘‘۔ میں نے حکم کی تعمیل کی اور واپس حاضر خدمت ہوا تو ارشاد فرمایا ’’چند روز ہماری صحبت میں گزارو‘‘ میں نے عرض کیا ’’تابع فرمان ہوں‘‘۔ (انیس الارواح)

حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی اس بیعت کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ حضرت خواجہ غریب نواز 552 ہجری میں ’’مرشد کامل‘‘ کی تلاش میں سمرقند بخارا سے روانہ ہوئے اور سیدھے عراق کے شہر ’’نیشاپور‘‘ کے نواحی قصبے ’’ہارون‘‘ پہنچے۔ بعض کتابوں میں ’’ہارون‘‘ کو ’’ہرون‘‘ لکھا گیا ہے۔ یہ قصبہ ان دنوں حضرت خواجہ عثمان کی ذات با برکات کے فیوض سے جگمگا رہا تھا۔ آپ کے کمالات کی شہرت ایک عالم تک پھیلی ہوئی تھی۔ حضرت خواجہ غریب نواز نے آپ کا شہرہ سنا تو ہارون میں آکر سکونت پذیر ہو گئے۔

یہاں اس قصبے میں پہنچ کر آپ کے دل نے گواہی دی کہ یہی وہ گوہر مقصود ہے جس کی آپ کو تلاش تھی۔ آپ کے وجدان نے کہا کہ یہی وہ چشمہ فیض ہے، جس سے

معین الدین کی تشنگی بجھے گی۔ بغداد میں چند روز قیام کے بعد حضرت خواجہ غریب نواز دس برس تک اپنے مرشد کامل خواجہ عثمان ہارونی کے ہمراہ سفر و سیاحت میں رہے۔ یہ مدت آپ نے اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر رہ کر گزاری۔ چنانچہ آپؒ خود فرماتے ہیں..................

''بغداد میں چند روز اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر رہا۔ پھر حضرت نے اس دعا گو کو ساتھ لے کر خانہ کعبہ کا سفر اختیار فرمایا۔ الحاصل ایک شہر میں پہنچے۔ یہاں ایک جماعت درویشوں کی دیکھی جو شراب عشق الٰہی میں سرشار، عالم سکر و حیرت میں از خود رفتہ تھی۔ چند دن ان کی صحبت میں رہتا ہوا۔ مگر وہ حضرات ''عالم صحو'' میں نہ آئے''۔

آخر کار حضرت خواجہ عثمان ہارونی حضرت خواجہ غریب نواز کے ساتھ ''قالوبہ'' میں رونق افروز ہوئے اور یہاں کی جامع مسجد میں اعتکاف فرمایا۔

سلطان الہند مرشد کے ہمراہ مکہ معظمہ اور دیار حبیبؐ میں

حضرت عثمان ہارونی اپنے مرید معین الدین کو ساتھ لے کر ''قالوبہ'' سے مکہ معظمہ کی طرف عازم سفر ہوئے اور مکہ پہنچ کر زیارت و طواف خانہ کعبہ سے مشرف ہوئے۔ اس مقام پر حضرت خواجہ عثمان ہارونی نے حضرت خواجہ غریب نواز کا ہاتھ پکڑا اور ان کے حق میں دعا فرمائی۔

''یاالٰہی! معین الدین کو قبول فرما اور مقرب بارگاہ فرما''۔

اس مناجات کے بعد ندا آئی ''ہم نے معین الدین کو قبول کیا''۔ اس ندا پر حضرت خواجہ معین الدین بے اختیار رو پڑے۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی نے ارشاد

فرمایا۔

''معین الدین! تیرے لیے یہ خوشی کا مقام ہے کہ تیرا نام اللہ کے محبوب بندوں میں لکھ لیا گیا ہے اور تجھے سرکردہ مشائخ کا درجہ عطا کیا گیا ہے''۔

زیارت کعبہ کے بعد حضرت خواجہ غریب نواز مرشد کامل کے زیر سایہ دیار حبیبؐ پہنچے اور حرم نبویؐ میں حاضری دی۔ آپ فرماتے ہیں ''مرشد پاک نے مجھ سے فرمایا ''سلام کر''میں نے ہدیہ تسلیم پیش کیا، آواز آئی،

''وعلیکم السلام یا ولدی قرۃ العینی سراج کل امتی المشائخ بر و بحر''۔

یہ آواز سن کر حضرت عثمان ہارونی نے فرمایا''اب تو درجہ کمال کو پہنچ گیا ہے''۔

مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی زیارتوں سے مشرف ہونے کے بعد حضرت خواجہ عثمان ہارونی نے حکم دیا کہ ''بدخشاں چلو''۔ بدخشاں کے سفر پر روانگی سے قبل، حضرت خواجہ عثمان ہارونی نے حضرت خواجہ غریب نواز کو 28 دنوں پر مبنی فقر کی تعلیم دی اور اس تعلیم کی تکمیل کے موقع پر فرمایا۔

''اے معین الدین! تم درجہ اکملیت تک پہنچ چکے ہو۔ دیئے گئے درس و ہدایت پر پوری طرح عمل کرنا تاکہ قیامت کے روز مجھے شرمندہ نہ ہونا پڑے''۔

مرشد کے ہمراہ بدخشاں کا سفر اور بغداد میں قیام

دیار حبیبؐ میں مرشد نے حکم فرمایا کہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ ان کے ہمراہ بدخشاں جائیں گے۔ مرشد کے حکم پر تو عاشقان حق نے جانیں تک نثار کردی ہیں۔ یہ حضرت خواجہ غریب نواز کے لیے بہت بڑی سعادت تھی کہ مرشد انہیں اپنے ہمراہ سفر پر لے جارہے تھے۔ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے دل میں نہ جانے مرشد کی اس عنایت پر

کتنے جلترنگ پھوٹ پڑے تھے، جس کا اظہار کسی نہ کسی طریقے سے تو ہونا تھا۔ چنانچہ اس مستی و سرشاری کی کیفیت میں آپ نے حجاز سے ہی حضرت عثمان ہارونی کا ''رختِ سفر'' اپنے سر پر اٹھایا اور دوران سفر اپنے سر پر ہی اٹھائے رکھا اور ایک لمحہ کے لیے بھی اپنے نفس کو آسودگی نہ دی۔ بدخشاں میں آپ ملاقات کے لیے ایک ایسے درویش کے ہاں گئے، جو حضرت جنید بغدادی کی اولاد میں سے تھے اور جن کی عمر ایک سو چالیس برس تھی اور پھر بدخشاں سے اپنے مرشد کے ہمراہ حضرت خواجہ غریب نواز بخارا آئے اور یہاں کے علماء و مشائخ سے ملاقاتیں کیں۔ خود حضرت خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں۔

''میرے حضرت (مرشد کریم) اسی طرح دس سال سفر میں رہے اور پھر بغداد آئے۔ چند روز قیام کر کے پھر عازم سفر ہوئے۔ مسلسل سفر کرتے رہے اور میں حضرت کا سامان سر پر رکھے ساتھ ساتھ پھرتا رہا۔ آخر حضرت نے بیس سال کی مسافرت کے بعد بغداد میں قیام فرمایا''۔

حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ مرشد کی محبت میں اس قدر فریفتہ تھے کہ بیس سال سے زیادہ عرصہ مرشد کریم کا ''سامان سفر'' سر پر اٹھائے پھرتے رہے۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی بھی اپنے اس مرید کو از حد درجہ عزیز رکھتے تھے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یک جان دو قالب والی صورت حال تھی۔ چنانچہ حضرت عثمان ہارونی نے حضرت خواجہ غریب نواز کو یہ نعمت عطا فرمائی جس کی کوئی حد نہیں۔ اپنا عصا جو ہاتھ میں تھا، حضرت خواجہ غریب نواز کو عطا فرما دیا۔ اپنے مخصوص اوراد کی اجازت (اسم اعظم) کی اجازت انہیں مرحمت فرما دی اور لطف و عنایات فرماتے ہوئے اپنا مصلی اور خرقہ مبارک عطا کر کے اپنی جانشینی سے سرفراز فرما دیا...................۔

تبرکات مصطفویؐ جو خواجگان چشت میں سلسلہ بہ سلسلہ ان کے پاس چلے

آرہے تھے۔ حضرت خواجہ غریب نواز کو عطا کر کے نصیحت فرمائی کہ "خلق سے طمع نہ رکھنا، آبادی سے دور مخلوق سے کنارہ کش رہنا اور کسی سے کچھ طلب نہ کرنا" یہ ارشاد فرمایا کہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی نے حضرت خواجہ غریب نواز کو اپنے "کناء مبارک" میں لے لیا۔ پیشانی اور آنکھوں کو بوسہ دیا اور دعا فرمائی۔

"ہم نے تجھے خدا کے سپرد کیا" پھر عالم تحیر میں مشغول ہو گئے۔ مرشد کامل کی تعلیمات سے فراغت پانے اور خرقہ خلافت حاصل کرنے کے بعد حضرت خواجہ غریب نواز وطن مالوف تشریف لانے اور چند روزہ قیام کے بعد پھر زیارت حرمین کے لیے روانہ ہو گئے۔ حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ ایک دن روضہ اطہر کے روبرو بہ چشم نم عبادت میں مستغرق تھے کہ آواز آئی۔

"معین الدین کو حاضر کرو" خدام والا مقام نے جستجو کی اور معین الدین کہہ کر آواز دی۔ اس نام کے بہت سے لوگ متوجہ ہوئے۔ آخر خدام والا نے روضہ مبارک پر حاضر ہو کر عرض کیا.............. "یا رسول اللہ اس نام کے تو کئی آدمی ہیں" چنانچہ مکرر آواز آئی.............. "تو پھر معین الدین چشتی کو لاؤ"۔ خدام عالی مقام دوڑے اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی" کو لے آئے۔

طلبی رسول خدا احمد مجتبیٰ محمد پر حضرت خواجہ غریب نواز شاداں وگریاں ایک عجیب حالت میں درود شریف پڑھتے ہوئے روضہ مبارک پر حاضر ہوئے۔ نہایت مودب ودست بستہ کھڑے ہو گئے کہ ندا آئی۔

"اے معین الدین حسن! تو ہمارے دین کا مددگار ہے۔ ہندوستان کی ولایت ہم نے تجھے عطا کی۔ اب اجمیر میں جا کر قیام کر۔ وہاں بہت زیادہ کفر وشرک کی ظلمت پھیلی ہوئی ہے، جاؤ تمہارے اجمیر میں قیام سے اسلام کی روشنی پھیلے گی"۔

یہ مژدہ جانفزا سن کر حضرت خواجہ معین الدین حیران تھے کہ ہندوستان کا ملک کون سا ہے؟ کہاں ہے؟ آپ کو اس کے محل وقوع کا علم نہ تھا۔ اسی سوچ میں آپ کی آنکھ لگ گئی۔ حضور سرکار کائناتؐ نے ''عالم رویا'' میں آپ کو مشرق و مغرب کی سیر کروا دی اور جنت کا ایک انار حضرت خواجہ غریب نواز کو عنایت کر کے فرمایا۔

''جاؤ معین الدین اب آج سے تم غریب نواز بھی ہو، اللہ تعالیٰ تمہارا حامی و ناصر ہو، جاؤ اجمیر چلے جاؤ''۔

حضرت خواجہ غریب نواز کا سفر ہندوستان اور دہلی میں قیام

روضہ رسولؐ سے اجمیر شریف ہندوستان جانے کا حکم ملنے پر حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے رخت سفر باندھا اور ہرات، تبریز و بلخ سے ہوتے ہوئے غزنی کے راستے ہندوستان روانہ ہوئے۔ زبان زد خاص و عام روایت یہ ہے کہ حضرت خواجہ سلطان الہند سب سے پہلے لاہور تشریف لائے اور حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری کے مزار پر چلہ کشی کی اور روحانی فیوض و برکات سے مستفیض ہونے کے بعد وجد میں آ کر یہ مشہور زمانہ شعر کہا۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں راہ پیر کامل، کاملاں راہ راہنما

(یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ سرکار غریب نواز کی لاہور آمد کسی بھی معتبر تاریخی

حوالے سے ثابت نہیں ہے)

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت خواجہ غریب نواز لاہور سے سیدھے ملتان چلے گئے، جو اس وقت اجمیر اور دہلی کے راجاؤں کا دارالسلطنت اور اہم مقام تھا۔ یہاں کچھ عرصہ قیام فرمانے کے بعد آپ نے اجمیر کا رخ کیا۔ پہلے دہلی پہنچے۔ اس وقت یہاں کا حکمران ''کھانڈے راؤ'' تھا۔ اجمیر پر مشہور راجپوت ''راجا پرتھوی راج'' المعروف ''رائے پتھورا'' کی حکومت تھی اور اس کی فوج ''جے چند'' کے کنٹرول میں تھی۔ حضرت خواجہ غریب نواز نے دہلی پہنچ کر ''رائے پتھورا'' کے خاص مندر اور محل کے درمیان قیام فرمایا۔ برہموں اور پنڈتوں کو جب آپ کی آمد کا علم ہوا تو بہت پریشان ہوئے۔ کھانڈے راؤ کو مطلع کیا اور عرض کی کہ اس درویش کو یہاں سے جانے کا حکم دیا جائے ورنہ دیوتا ناراض ہوجائیں گے۔

برہموں اور پنڈتوں کے کہنے پر کھانڈ راؤ نے حضرت خواجہ غریب نواز کو پیغام بھیجا کہ آپ یہاں سے چلے جائیں مگر آپ نے راجا کے اس حکم پر کوئی توجہ نہ دی اور اطمینان کے ساتھ اسلام کی اشاعت و تبلیغ میں مصروف ہوگئے۔ آپ کی پر عظمت شخصیت سے متاثر ہوکر بہت سے ممتاز ہندو اور سرکردہ راجپوت مسلمان ہوگئے۔ کھانڈے راؤ کو جب اس حقیقت حال کا علم ہوا تو وہ غضبناک ہوگیا اور تمام حالات سے پرتھوی راج کو آگاہ کیا۔ پرتھوی راج یہ اطلاع پاکر دہلی پہنچا اور حضرت خواجہ غریب نواز کی مقدس محفل کی رونقوں کو دیکھ کر گھبرا گیا اور آپ کو ہندوستان سے نکال دینے کی تراکیب سوچنے لگا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پرتھوی راج کی ماں جو علم نجوم اور جادوگری کے فن کی ملکہ تھی، نے اپنے بیٹے کو پیشن گوئی کی تھی کہ ایک درویش ہندوستان میں آئے گا، جو تیری حکومت کو مٹادے گا اور اپنے دین کو فروغ دے گا۔ تم اس سے خوش خلقی کے ساتھ پیش

آنا۔اس کی تواضع وتعظیم تم پر لازم ہے۔اگر ایسا نہ کرو گے تو اپنی جان اور سلطنت سے ہاتھ دھو بیٹھو گے اور جس وقت اس نے دہلی کے حاکم کی اطلاع پر حضرت خواجہ غریب نواز کو دیکھا تو اسے اپنی ماں کی پیشن گوئی یاد آ گئی۔مگر اس کے باوجود اس نے مکر وفریب کے جال بچھا دیئے۔

قصبہ ''سمانا'' پٹیالہ میں قیام اور اجمیر روانگی

دہلی میں تبلیغ واشاعت کے بعد حضرت خواجہ غریب نواز نے قصبہ ''سمانا'' ضلع پٹیالہ میں قیام فرمایا تو رائے پتھوار کی چال کے تحت بہت سے آدمیوں نے آپ کو خوش آمدید کہا اور آپ کی اقامت کا بندوبست کرنے کی پیشکش کی۔حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے مراقبہ کیا تو حضرت محبوب خداؐ نے آپ کو ہدایت فرمائی کہ

''اے معین الدین! ان لوگوں کی بات کو ہرگز نہ ماننا..................ان کی نیت میں فتور ہے''۔

یہ ہدایت پانے کے بعد آپ نے رائے پتھوار کے آدمیوں سے کہا کہ درویش کو سوائے ذات خدا کے کسی کی حاجت نہیں۔اس کے بعد آپ اجمیر روانہ ہو گئے۔اس موقع پر آپ کے ہمراہ 40 درویش تھے۔حضرت خواجہ غریب نواز 10 محرم الحرام 561 ہجری کو اجمیر پہنچے اور شہر سے باہر ایک سایہ دار درخت کے نیچے آرام فرمانے کا ارادہ ظاہر کیا۔جس وقت آپ نے اجمیر شہر کو اپنے قدوم بامنزلت سے مشرف فرمایا،اس وقت کا اجمیر شہر کفر وشرک کا بہت بڑا مرکز تھا۔اجمیر کی گلیاں اور کوچے ظلم وکفر کی تاریکیوں میں گم تھے۔

اجمیر شریف میں قیام کا احوال

حضرت خواجہ غریب نوازؒ اجمیر شہر کے باہر ایک سایہ دار درخت کے نیچے اپنے عقیدت مندوں ہمراہ ٹھہرے۔ ابھی آپ کے قافلے والوں نے اپنا پورا سامان بھی نہ کھولا تھا کہ ایک شخص نے تکبر و رعونت بھرے لہجے میں گستاخانہ انداز سے کہا۔

''یہ سرکاری اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ یہاں سامان مت اتارو''۔

حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے اس گستاخی کے باوجود تبسم فرمایا اور ان لوگوں کو مخاطب کیا۔

''ہمیں اونٹوں سے کیا سروکار! وہ تو یہاں بیٹھے ہی رہیں گے، لو ہم جاتے ہیں''۔ اتنا فرما کر حضرت خواجہ غریب نوازؒ اپنے درویشوں کے ہمراہ پہاڑی کی جانب چلے گئے۔ بعد ازاں پرتھوی راج کے اونٹ آ کر بیٹھ گئے تو دو دن تک بیٹھے ہی رہے۔ ساربانوں نے انہیں اٹھانے کی حتی المقدور کوشش کی مگر اونٹ اپنی جگہ سے ہلنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ بالآخر یہ ماجرا رائے پتھورا کے علم میں لایا گیا، جس نے ساربانوں کو حکم دیا کہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ سے معافی مانگیں۔ چنانچہ ان کے معافی مانگنے کے بعد آپ نے دعا فرمائی اور اونٹ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی آمد سے پہلے اگر ہندوستان میں آفتاب اسلام طلوع ہو چکا تھا۔ لیکن ابھی پوری طرح ضیاء فگن نہیں ہوا تھا۔ ہندوستان کا زیادہ حصہ کفر و ظلمت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ اجمیر شریف تو شرک کا گڑھ تھا، لیکن آپ کی آمد اور قیام کے بعد نہ صرف اجمیر شریف بلکہ ہندوستان کے گوشے گوشے میں اسلام کی ضیاء پاشیاں جگمگانے لگیں۔

"آنا ساگر" کی بستی میں پجاریوں سے معرکہ

اجمیر میں حضرت خواجہ غریب نوازؒ "آنا ساگر" کے کنارے ایک سایہ دار درخت کے نیچے خیمہ زن تھے۔ "آنا ساگر" مندروں کی بستی تھی۔ ایک اندازے کے مطابق مندروں کی یہ بستی ساڑھے تین سو پجاریوں کا مسکن تھی اور "رائے پتھورا" کی جیب خاص سے روزانہ اس بستی میں ساڑھے تین من تیل سے چراغاں کیا جاتا تھا۔

"خزینۃ الاصفیاء" اور "بستان معرفت" میں لکھا ہے کہ "آنا ساگر" کے اطراف میں بہت سے بت خانے تھے، جن میں روزانہ کئی من پھول نچھاور کیے جاتے تھے۔ کئی من تیل سے ان بت خانوں میں چراغاں کیا جاتا تھا۔ ان مندروں میں بعض میں گائیوں کی مورتیاں بھی تھیں، جن کی پرستش کی جاتی تھی، لیکن اس سنگین صورت حال کے باوجود حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے یہاں باقاعدہ طور پر تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ تو اجمیر کے ہزاروں ہندو اور "آنا ساگر" کے پجاری اس پر غضبناک ہو گئے۔

بڑی سنگین اور خطرناک صورت حال پیدا ہوگئی۔ آخر کار ان لوگوں نے غرور تکبر اور طیش کے عالم میں مشترکہ طور پر نہتے حضرت خواجہ غریب نوازؒ پر حملہ کر دیا۔ یہ لوگ خنجروں، بھالوں اور برچھیوں سے مسلح تھے، لیکن حضرت خواجہ غریب نوازؒ ان کو دیکھ کر مسکراتے رہے۔ آپ نے اس مشتعل ہجوم کو اپنے قریب آنے سے روکا۔ آپ کو اندازہ تھا کہ آپ کو رسول خداؐ نے اس بستی کے لیے منتخب فرمایا اور مشیت ایزدی میں دخل اندازی کے سبب ان مشتعل لوگوں کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ آپ کی خواہش تھی کہ یہ مشتعل ہجوم غضب الٰہی کا ہدف نہ بنے۔ چنانچہ آپ نے اس ہجوم کو انتہائی پیار کے ساتھ آگے بڑھنے اور خود پر حملہ آور ہونے سے منع فرمایا، لیکن ہجوم آپ کی جان لینے کے

درپے رہا۔ تو مجبوراً حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے مٹھی بھر خاک اٹھا کر ان لوگوں کی طرف پھینک دی۔ خاک کا پھینکنا تھا کہ ان لوگوں کے جسم لکڑی کی طرح خشک ہو گئے اور کچھ اندھے، کچھ لنگڑے لولے نظر آنے لگے۔ اس موقع پر اہل اجمیر کی خاصی تعداد بھی موجود تھی۔ جنہوں نے اپنی آنکھوں سے سلطان الہند کی یہ کرامت دیکھی اور متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئی۔

ان مسلمان ہونے والوں میں بعض اجمیر کے ممتاز لوگ بھی تھے۔ حتیٰ کہ اجمیر کے بت خانوں کا ''مہنت رام دیو'' نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ اس کے اسلام لانے کے بعد حضرت سلطان الہند نے اس کا نام ''شادی دیو'' رکھا۔ جہاں آرا بیگم کے بیان کے مطابق رام دیو اصل میں ایک جن تھا، جس کی پرستش اجمیر کا راجہ اور دولتمند لوگ کرتے تھے۔ ان کی یہ توہم پرستی تھی کہ دنیا کی ساری دولت ''رام دیو'' کے پاس ہے۔ رام دیو کے ''شادی دیو'' بننے کے بعد بہت سے دولت مند ہندو بھی مسلمان ہو گئے۔ اسلام کی روشنی کفرستان کے باسیوں کے دلوں میں گھر کرنے لگی۔ ان کے سینے حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے فیض سے نور اسلام سے منور ہونے لگے۔

حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے ''شادی دیو'' کو تبلیغ اسلام کے لیے دوسرے شہروں میں بھی بھیجا۔

پنسلہ تالاب کا واقعہ

حضرت خواجہ غریب نوازؒ ''آنا ساگر'' میں قیام کے دوران ہمہ وقت یاد الٰہی میں مستغرق رہتے۔ درویش جو آپ سے از حد درجہ اُنس رکھتے تھے، آپ کے ساتھ رہتے۔ ان کے قلوب بھی حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے فیض سے رقت سے

بھرے رہتے۔ایک بار حضرت سلطان الہند اپنے درویشوں کے ہمراہ ٹہلتے ٹہلتے "پنسلہ تالاب" پہنچ گئے۔ جہاں آپ نے غسل کا ارادہ فرمایا، مگر برہمنوں نے آپ کو ایسا کرنے سے منع کر دیا۔ چنانچہ سلطان الہند نے اپنے خادم کو طلب کر کے فرمایا۔

" آنا ساگر کا پانی اس صراحی میں بھر دو۔ چنانچہ خادم کے صراحی بھرنے پر دونوں تالابوں کا پانی ختم ہو گیا۔ سارے شہر کے تالاب اور کنویں خشک ہو گئے۔ یہاں تک کہ عورتوں اور چوپائیوں کا دودھ بھی خشک ہو گیا۔ "رائے پتھورا" نے جب اپنی رعایا کے حلقوم تشنہ بلب دیکھے تو بہت گھبرایا۔ خود حاضر خدمت ہو کر حضرت سلطان الہند سے معافی کا خواستگار ہوا۔ آپ نے اسے معاف فرما دیا۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے شہر کے تالاب، حوض اور کنویں دوبارہ پانی سے بھر گئے۔ یہ کرامت دیکھ کر اجمیر کے بہت سے لوگ آپ کے دست حق پرست کو چوم کر مسلمان ہو گئے۔ پے در پے ان واقعات کے وقوع پذیر ہونے پر "رائے پتھورا" نے اجمیر کے عوام کی اکثریت کو مائل بہ اسلام دیکھا تو سخت پریشان ہوا۔ چنانچہ اس نے حضرت خواجہ غریب نوازؒ کو جادو کے اثر سے نیچا دکھانے کی سعی لا حاصل کی اور خواجہ بزرگ کو نیچا دکھانے کے لیے مکر و فریب پر مبنی مختلف ترکیبیں سوچنے لگا۔

ساحر جے پال کا حربہ

رائے پتھورا حضرت خواجہ غریب نوازؒ کو شکست دینے کے لیے سخت مضطرب تھا۔ اسے اپنا تخت اور سلطنت لرزتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ وہ اپنی فہم کے مطابق مختلف تدابیر سوچتا رہا۔ آخر کار اس نے ہندوستان کے مشہور و معروف جادوگر "جے پال" کو حضرت سلطان الہند سے مقابلہ کرنے کے لیے بلوالیا۔ جے پال نے رائے

پتھوارکو یقین دہانی کروائی کہ وہ غیر مذہب کے اس فقیر سے نجات کا کوئی حل تلاش کرلے گا۔چنانچہ جے پال جوگی مرگ چھالا پر بیٹھ کر اجمیر کی طرف روانہ ہوا۔بالکوں کی کثیر تعداد اس کے ساتھ تھی۔اس نے اپنا رعب اور برتری جمانے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا۔اجمیر میں داخلے کے وقت اس کے بالکے جادو یا فریب نظر سے نظر آنے والے شیروں پر سوار تھے۔جادو کے اژدھے ان کے ساتھ دوڑ رہے تھے۔اس کے شیر اور اژدھے آگ برساتے،شور مچاتے حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے ڈیرے کی طرف بڑھنے لگے۔آپ کے ڈیرے کے قریب پہنچنے پر جے پال جوگی نے آپ کے ڈیرے کی طرف آگ پھینکی اور پھر سارے اژدھے اور سانپ ان کی طرف چھوڑ دیئے۔

اہل اجمیر حیرت واستعجاب کے عالم میں اس ہوشربا منظر کو دیکھ رہے تھے۔ آج ملک ہندوستان کا سب سے بڑا ساحر اور جوگی سلطان الہند سے مقابلہ پر اتر آیا تھا۔ وہ سلطان الہند جس کے دل میں اللہ بستا تھا اور جو در و بست صرف اللہ ہی سے اپنا درد بیان کرسکتا تھا۔فقیر کی عجیب حالت ہوتی ہے۔وہ اللہ کے لیے سب کچھ سہہ جاتا ہے۔ کیونکہ ذات خداوندی اس سے اوجھل تو نہیں ہوتی ۔اسکا تو تمام تر انحصار اللہ پر ہوتا ہے۔حضرت ابراہیمؑ کو جب آگ میں ڈالا گیا تو ابراہیمؑ نے یہ نہیں سوچا کہ وہ آگ میں جل جائیں گے بلکہ انہیں خوشی تھی کہ وہ اللہ کے لیے جل رہے ہیں۔

یہ ہے فنا فی اللہ کی شان اور عظمت۔ایسے ارفع ترین مقام پر فائز المرام عالی مرتبت قدسی نفس حضرات کو اگر اپنی جان کا خیال تک بھی آئے تو نا قابل معافی ہوتا ہے۔ کیونکہ اپنا خیال آنا اس بات کی شہادت ہے کہ ابھی دوئی موجود ہے جبکہ اللہ کے ایسے مقرب بندوں کو تلاش کرنے کے باوجود اپنی ہستی کہیں نظر نہیں آتی۔

اہل اجمیر اس منظر کو دیکھ رہے تھے کہ ایک بڑا نامی گرامی جادوگر بوریا نشین

سے مقابلہ کر رہا تھا۔ پھر دیکھنے والوں نے اپنی جیتی جاگتی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی طرف بڑھنے والے اژدھے اور سانپ مر چکے تھے۔ آگ سرد پڑ چکی تھی۔ تمام انواع و اقسام کے سحر دم توڑ گئے تھے۔

جے پال نے حضرت خواجہ غریب نوازؒ سے استفسار کیا کہ آپ نے بارگاہ ایزدی سے کیا منصب پایا ہے اور کس مقام تک آپ کی رسائی ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جادوگری میں آخری حربہ جو تیری دسترس میں ہے، اسے استعمال میں لا۔ آپ کا یہ فرمان سن کر ''جے پال'' نے ''پوست آہو'' یعنی مرگ چھالا نکالا اور اس پر بیٹھ کر ہوا میں پرواز کرنے لگا اور جب نظروں سے اوجھل ہونے لگا تو حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے اپنی نعلین چوبی کی طرف اشارہ کیا کہ جے پال کو حاضر کرو تو نعلین چوبی (لکڑی کی جوتی) فوراً ہوا میں پرواز کر گئیں اور پھر جے پال کی ایسی درگت بنی کہ لکڑی کی یہ کھڑائیں اس کے سر پر برس رہی تھی اور وہ زمین کی طرف آرہا تھا۔

اجمیر کے سارے لوگ یہ منظر دیکھ رہے تھے اور حضرت خواجہ غریب نوازؒ مراقبہ میں تھے۔ جے پال جوگی زمین پر آکر بے ہوش ہو گیا اور اسی عالم میں اس نے خود ایمان کے وہ گوشے دیکھ لیے، جن سے اس کا سینہ منور ہو گیا۔ اس نے حضرت خواجہ غریب نوازؒ سے اپنے افعال کی معافی مانگی۔

''جہاں آراء'' دختر شاہجہان نے اپنی تصنیف ''مونس ارواح'' میں لکھا کہ ''حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی کرامت، روحانیت اور اللہ تعالیٰ کی مدد اور فضل و کرم کے آگے اس کی ساحری نہ چل سکی اور وہ اپنے کیے پر سخت نادم ہوا اور حضرت کے روبرو مشرف بہ اسلام ہو گیا''

خضر بیابانی

جے پال جو ہندوستان کا نامی گرامی ساحر، زندگی کے بڑے سخت مراحل سے گزر رہا تھا، اس نے ساحر بننے کی خاطر اپنی پوری زندگی تیاگ دی تھی اور ہندو معاشرہ میں اسے بڑی قدر و منزلت حاصل تھی، لیکن جب وہ حضرت سلطان الہند سے اپنے تمام تر ساحرانہ حربوں کے باوجود شکست کھا گیا تو اس کے دل میں توحید کی حقیقت تک نہ پہنچ کی سخت تمنا پیدا ہو گئی۔

حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی عظمت اس کے دل میں نقش ہو کر رہ گئی۔ اس ندامت اور تقصیر پر اس نے حضرت سے معافی مانگی۔ حضرت سلطان الہند نے نہ صرف اسے معاف کر دیا بلکہ اسے سلوک کی کئی منازل سے بھی گزارا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد وہ ان کی شاگردی میں آ گیا۔ جے پال جوگی کے بارے میں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت سلطان الہند نے اسے "خضر بیابانی" کا خطاب مرحمت فرمایا اور اس کے حق میں حیات ابدی کی دعا فرمائی۔ یہ دعا مستجاب ہو گئی۔ چنانچہ یہ کہا جاتا ہے کہ "خضر بیابانی" ابھی تک زندہ ہیں اور اجمیر جانے والے بھولے بھٹکے مسافروں کو راستہ بتاتے ہیں۔ بعض زائرین نے یہاں تک بیان کیا ہے کہ حضرت خواجہ غریب نواز کے شہر تک "خضر بیابانی" نے مسافر نوازی کا حق ادا کیا ہے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ رات کے آخری پہر جب مزار کے دروازے بند ہو جاتے ہیں تو حضرت "خضر بیابانی" کو جوگیانہ لباس میں ملبوس درگاہ میں داخل ہوتے دیکھا گیا ہے۔ بہر حال یہ ایک روایت ہے، جس کا کسی مستند کتاب سے حوالہ نہیں مل سکا ہے۔ تاہم ایسا ہونا بعید از قیاس نہیں ہے۔

رائے پتھوار کا انجام

اجمیر میں قیام کے دوران حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے مختصر عرصہ میں ہی غیر مسلموں کو دینِ حقانیت کی متاع سے بہرہ ور کیا۔ لوگ جوق در جوق اسلام قبول کرتے گئے۔ آپ نے راجہ "رائے پتھوار" کو بھی اسلام کی دعوت دی، لیکن یہ سعادت اس بدنصیب کی قسمت میں نہ تھی۔ اس نے نہ صرف اسلام قبول کرنے سے انکار کیا بلکہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچانے کے درپے ہو گیا۔ مگر آپ کی پر عظمت شخصیت کی قدر و منزلت عوام الناس کے دلوں میں گھر کرنے لگی۔

آپ کی انتہا درجہ شفیق و ہمدرد شخصیت لوگوں کے دلوں میں اتر رہی تھی اور آپ کی شخصیت کے اعجاز کا کمال یہ تھا کہ باطنی طور پر لوگوں کے دلوں میں اسلام کی حقانیت کی روشنی انگڑائیاں لیتی اور وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیتے۔ اس طرح آپ کا حلقہ تاثیر مسلسل پھیلنے لگا۔ مگر راجہ رائے پتھوار پر آپ کی گفتار و کردار کا بھی کوئی اثر نہ ہوا۔ اس نے حضرت خواجہ غریب نواز کے کردار کو مشکوک بنانے کے حربے شروع کر دیئے اور ایک طے شدہ سازش کے تحت اس نے اپنی بیٹی "بے نظیر" کو سرکارِ غریب نوازؒ کے پاس بھیجا۔ وہ بن سنور کر آپ کے پاس آئی، لیکن آپ نے نیچی نگاہیں کیے اسے دور سے ہی واپس بھیج دیا۔ اس کے بعد آپ نے رائے پتھوار کے متعلق یہ پیش گوئی فرمائی کہ

"ماترا زندہ بہ مسلماناں سپردیم"

میں نے تجھے زندہ مسلمانوں کے حوالہ کیا۔

ان ہی دنوں سلطان شہاب الدین غوری نے دوسری مرتبہ غزنی سے

ہندوستان پر فوج کشی کی۔" رائے پتھورا" نے اس کا مقابلہ کیا مگر زندہ گرفتار ہو گیا۔

کتاب "سیرت الاقطاب" میں اس حوالے سے لکھا ہے کہ شہاب الدین غوری خراساں میں تھا کہ اس نے ایک رات خواب میں خواجہ معین الدین چشتیؒ کو دیکھا، جنہوں نے اسے بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہندوستان کی بادشاہت عطا فرمانے والا ہے۔یہ خواب دیکھنے کے بعد شہاب الدین غوری نے ہندوستان پر چڑھائی کی اور اسے یہ فتح حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے فیوض و برکات کے طفیل حاصل ہوئی۔ اللہ کی نصرت اس کے شامل حال تھی۔

اس واقعہ کے حوالہ سے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ اجمیر شریف میں حضرت شیخ معین الدین کی خدمت میں حاضر تھا۔ان ایام میں رائے پتھورا زندہ تھا اور کہا کرتا تھا کہ کیا ہی اچھا ہو کہ یہ فقیر (حضرت خواجہ غریب نوازؒ) یہاں سے چلا جائے۔یہ بات وہ ہر شخص سے کہا کرتا تھا۔رفتہ رفتہ یہ خبر حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ تک پہنچ گئی۔چند اور درویش بھی اس وقت اس مجلس میں موجود تھے۔آپ اس وقت حالت "سکر" میں تھے۔فوراً مراقبہ کیا۔مراقبہ ہی میں آپ کی زبان سے "ہم نے رائے پتھورا" کو زندہ مسلمانوں کے حوالہ کر دیا" کے الفاظ ادا ہو گئے۔

دوسری طرف رائے پتھورا نے حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے ہاں حاضری دینے والوں کو سزائے موت کا حکم سنا دیا اور اس موقع پر اس نے حضرت خواجہ غریب نوازؒ کو براہ راست یہ پیغام بھیجا کہ "اجمیر سے فی الفور چلے جائیں"۔

حضرت خواجہ غریب نوازؒ اپنی پیش گوئی کے بعد چلے گئے اور ان کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئے۔

سلطان شہاب الدین غوری اپنی سپاہ اور غازیوں کے ہمراہ اجمیر کی طرف

بڑھا۔اس وقت حضرت خواجہ غریب نوازؒ اجمیر سے ''اوش'' جا چکے تھے۔یہاں سے آپ نے 588ہجری بمطابق 1192عیسوی غزنی کو رونق بخشی۔بعد ازاں دہلی تشریف لے گئے۔شہاب الدین غوری کے فاتحانہ اقدام کے ساتھ ہی آپ نے اجمیر کی سرزمین کو دوبارہ اپنے بابرکت قدموں سے نوازا۔اس وقت پرتھوی راجہ زندہ گرفتار کیا جاچکا تھا۔فتح وکامرانی کے شادیانے بج رہے تھے کہ نماز مغرب کا وقت ہوگیا۔اذان کی آواز سن کر شہاب الدین غوری اسی سمت چل پڑا۔جماعت کھڑی ہوچکی تھی او حضرت خواجہ غریب نوازؒ امامت فرمارہے تھے۔شہاب الدین غوری بھی جماعت میں شریک ہوگیا۔نماز کے اختتام پر یکایک اس کی نظریں حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے چہرہ مبارک پر پڑیں تو یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ یہ وہی سلطان الہند خواجہ اجمیر ہیں،جنہوں نے اسے فتح وکامرانی کی بشارت دی تھی۔شہاب الدین آگے بڑھا اور حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے قدموں میں گر پڑا اور کافی دیر تک روتا رہا۔حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے اس کی درخواست پر اسے اپنے حلقہ مریدین میں شامل کرلیا۔

☆☆☆☆☆

باب چہارم

اثبات وشواہد اولا دخواجہ غریب نوازؒ

بعض مؤلفین اور محققین کے نزدیک حضرت سلطان الہند کی اولاد نہیں تھی۔ بہر حال ان کے موقف میں کوئی ٹھوس شہادت اور مستند تاریخی دلیل نہیں ہے۔اثبات اولا دحضرت سلطان الہند کے ضمن میں بذیل تحقیقی شواہد ملاحظہ فرمائیں۔

ا۔ مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ

مولانا عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ جب حضرت سلطان الہند اخیر عمر کو پہنچے تو ایک رات خواب میں رسول مقبولؐ کی زیارت کا شرف نصیب ہوا۔ آپؐ نے فرمایا: ''معین الدین منی چراسنتے راازسنتہائے من ترک نمودی''۔

اتفاقاً اسی رات ملک خطاب نے جو حضرت خواجہ کے متوسلین میں سے تھے، ہندوں پر حملہ کیا اور ہند کے راجہ کی ایک دختر ان کے ہاتھ آئی۔انہوں نے اسے خواجہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔انہی ایام میں سید وجیہہ الدین مشہدی نے بھی امام جعفر صادقؑ کوخواب میں دیکھا۔آپؑ فرماتے ہیں ''حضورؐ کا حکم ہے کہ اپنی دختر کو حضرت سلطان الہند کے سپرد کر دو اور ان کے عقد میں دے دو''۔

انہوں نے یہ واقعہ خواجہ بزرگ کو سنایا تو اس پر خواجہ سلطان الہند نے فرمایا۔

''اگرچہ ہم بوڑھے ہو گئے ہیں،لیکن حکم رسولؐ خدا کی تعمیل کے بغیر چارہ نہیں ہے''۔

(اخبارالاخیار)

۲۔ حضرت امیر حسن علا سنجریؒ

حضرت امیر حسن علا سنجری حضرت نظام الدین کے حوالہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز میں اور نصیر الدین طالب علم حضرت شیخ الشیوخ العالم حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک جوگی آیا اور زمین کو بوسہ دیا۔ نصیر الدین نے جوگی سے پوچھا ''انسان کے سر کے بال کس طرح بڑے ہوتے ہیں؟'' مجھے ان کا یہ پوچھنا حضرت شیخ کی موجودگی میں ناگوار گزرا۔ اسی اثناء میں خواجہ وحید نبیرہ (پوتے) خواجہ معین الدین آئے اور انہوں نے بیعت کی التماس کی۔

شیخ نے فرمایا ''میں نے یہ تمہارے خانوادے سے پایا تھا تو میری کیا مجال کہ تمہارا ہاتھ ارادت کی نیت سے پکڑوں''۔ خواجہ وحید نے بہت عاجزی کی اور مرید محلوق (سر منڈے) ہو گئے اور یہ طالب علم نصیر الدین بھی محلوق ہو گئے۔ درویشوں کی صحبت کی برکت نے اس پر اثر کیا۔ یہ روایت صریحاً دلالت کرتی ہے کہ وجود اولاد خواجہ یقینی ہے۔ کیونکہ حسن سنجریؒ نے حضرت سلطان المشائخؒ سے سنا ہے اور حضرت سلطان المشائخ نے اس واقعہ کو اپنی موجودگی میں بیان فرمایا ہے۔ حضرت شیخ العالم کا یہ فرمانا ''نص صریح'' ہے۔ اولاد خواجہ بزرگ کی زیارت کی اور خواجہ غریب نواز کی زبان مبارک سے ان کے حق میں ارشاد ہوا کہ ''قطب الدین! تم نے ایک شہباز قبضہ میں کیا ہے، جو سدرۃ المنتہیٰ سے بھی بلند آشیانہ بنائے گا۔ (فوائد الفوائد)

۳۔ حضرت سلطان التارکین حمید الدین صوفی سوالی ناگوریؒ کا بیان

حمید الدین صوفی سوالی ناگوری بھی بیان کرتے ہیں کہ ہمارے خواجہ کے ہاں فرزندان

تولد ہوئے تو ایک دن خواجہ بزرگ نے مجھ سے پوچھا کہ "حمید یہ کیوں ہے کہ جب ہم "مجرد" تھے، جو کچھ خدا سے طلب کرتے تھے، جلدی مل جاتا تھا۔ مگر اب جب کہ متاہل ہو گئے ہیں، جب اس سے کوئی چیز طلب کرتے ہیں تو کام ہونے میں دیر لگتی ہے اور تاخیر سے انجام پذیر ہوتا ہے"۔

میں نے عرض کیا کہ حضرت مریمؑ کے پاس حضرت عیسٰیؑ کے تولد سے قبل جنت کے میوے پہنچتے تھے۔ جب حضرت ذکریاؑ نے ان سے پوچھا "یہ تم نے کہاں سے لیے تو حضرت مریمؑ نے جواب فرمایا تھا۔ "یہ اللہ کی جانب سے ہے" لیکن عیسٰیؑ کے تولد کے بعد منتظر ہوتی تھی کہ میوہ بلا طلب پہنچ جائے گا۔ لیکن فرمان باری تعالیٰ ہوا۔
ترجمہ: کھجور کی ٹہنی پکڑ کر اپنی طرف ہلا، تجھ پر تازہ پکی کھجوریں گریں گی۔ (سورہ مریم)۔

جب آپ نے مجھ سے یہ بات سنی تو بہت پسند آئی اور بہت تحسین فرمائی۔ یہ عبارت بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت خواجہ کی اولاد تھی کیونکہ حضرت شیخ حمید الدین سوالی قدس سرہ حضرت خواجہ بزرگ کے پیوستگان میں سے ہیں اور حضرت مریم کے قصہ کی نظیر لانا، وجود اولاد خواجہ بزرگ کے لیے نہایت واضح دلیل ہے۔

(سرور الصدور)۔

۴۔ خواجہ حسن سنجریؒ کا بیان

حضرت خواجہ حسن سنجریؒ لکھتے ہیں کہ " میں نے خواجہ احمد نبیرہ حضرت شیخ الاسلام حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری قدس سرہ کی زبانی سنا ہے اور یہ خواجہ احمد بہت صالح تھے۔ انہوں نے کہا کہ میرا ایک رفیق تھا جو ہمیشہ دو رکعت نماز نفل برائے حفظ الایمان پڑھا کرتا تھا۔ صاحب سیر الاولیاء لکھتے ہیں کہ فرزندان شیخ الاسلام

حضرت خواجہ معین الدین چشتی کاشتکاری کرتے تھے۔حاکم وقت ان سے مزاحمت کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کے فرزندان نے حضرت خواجہ کوآمادہ کیا کہ آپ شہر جائیں اور بادشاہ سے فرمان حاصل کریں۔اس ضرورت سے حضرت خواجہ بزرگ اجمیر سے دہلی تشریف لے گئے اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے پاس قیام فرمایا۔

قطب الاقطاب حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ نے آپ سے عرض کیا کہ آپ کو کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔آپ گھر میں قیام فرمائیں۔میں جا کر بادشاہ سے فرمان لاتا ہوں۔(فوائد الفوائد)

۵۔ حضرت شیخ محدث دہلویؒ کا بیان

حضرت شیخ محدث دہلوی نے بھی ''اخبار الاخیار'' میں اس ضمن میں ذکر کیا ہے۔ملاحظہ فرمائیں۔

''خواجہ معین الدین خوردؒ کے ذکر میں فرماتے تھے۔شیخ حسام الدین سوختہ کے چھوٹے صاحبزادے شیخ قیام الدین بابر یال نہایت حسین،شجاع اور صاحب ہیبت و عظمت تھے۔ان میں سے ہر ایک یعنی خواجہ معین الدین خوردؒ اور شیخ قیام الدین کثیر الاعیال ہیں۔چشت خان جو''مندو''میں تھے،خواجہ معین الدین خوردؒ کی اولاد سے ہیں اور ان کا نام شیخ قطب الدین ہے۔سلطان محمود خلجی نے ان کو''چشت خان'' خطاب دیا اور بارہ ہزار سوار کا سالار بنایا۔جب سلطان محمود کا اجمیر پر غلبہ ہوا تو چاہا کہ اجمیر چشت خان کے حوالہ کر دے،لیکن چونکہ وہ ''مندو'' میں چھوٹے سے بڑے ہوئے تھے،اس لیے انہوں نے اس کو اختیار نہیں کیا۔حضرت معین الدین خورد کے تین صاحبزادے تھے۔خواجہ سید فخر الدین،خواجہ سید وجیہ الدین اور خواجہ سید نظام الدین تھے۔

(اخبار الاخیار)

شیخ قیام الدین بابریالؒ کی اولاد سے شیخ بایزید ہیں ۔ان کو شیخ بایزید بزرگ بھی کہا جاتا ہے۔ دانش مند تھے اور خواجہ بزرگ کے روضہ پر درس دیتے تھے۔ شیخ احمد مجدد الف ثانیؒ اور دوسرے بزرگان ان کے شاگرد ہیں۔ لوگوں کا اختلاف جو فرزندان خواجہ میں ہے، وہ انہی شیخ بایزید کے بارے میں ہے۔ اختلاف کا منشایہ ہے کہ جب دارالمملکت سلطنت دہلی میں فتور پیدا ہوگیا تو کافر دیار اجمیر پر غالب آگئے اور خواجہ معین الدین کے فرزند ''مندو'' چلے گئے اور وہاں سکونت اختیار کرلی اور شیخ قیام الدین کے نبائر (پوتے) جانب گجرات چلے گئے۔ تحصیل علم کیا اور شیخ بایزید بزرگ بغداد کی جانب چلے گئے اور تحصیل علم فرمائی۔

جب سلطان محمود خلجی نے سالہا سال کے بعد اجمیر پر غلبہ پایا تو شیخ بایزید ''مندو'' تشریف لے آئے۔ شیخ محمود دہلوی ''مندو'' کے شیخ الاسلام تھے۔ علماء اور صلحاء کی صدارت ان سے متعلق تھی۔ انہوں نے اپنی دختر شیخ بایزید کو نکاح میں دے دی اور سلطان محمود خلجی شیخ بایزید کا معتقد ہوگیا۔ چشت خان کو عصبیت کے سبب بادشاہ کا ان کے ساتھ اعتقاد پسند نہ آیا۔ سلطان محمود علماء اور مدرسین کے تقرر کے لیے اجمیر میں تھا کہ چشت خان کو موقع مل گیا کہ بایزید کو بھی اجمیر بھیج دیا تھا تا کہ روضہ مبارک میں درس دیں۔ اجمیر میں ایک مدت کی اقامت کے بعد ایک جماعت نے ان کے فرزندی کا انکار کردیا اور بادشاہ تک یہ بات پہنچائی۔

بادشاہ نے اس زمانے کے علماء و مشائخ سے اس ضمن میں استفسار کیا۔ مخدوم خواجہ حسن ناگوری اور مولانا رستم اجمیری جو اجمیر کے قدیم لوگوں اور علماء میں سے تھے اور دوسرے علماء نے بھی گواہی دی کہ شیخ بایزید، شیخ قیام الدین بابریال اور ابن حسام الدین، ابن شیخ فخر الدین، ابن شیخ خواجہ معین الدین کے فرزندوں میں سے ہیں۔ فی الحقیقت

خواجہ حسن ناگوری کا اعتراف ہی کافی ہے۔ کیونکہ وہ ولی تھے اور ان کے سلسلہ کو پہنچانے والے تھے۔ اسی وجہ سے انہوں نے حضرت شیخ بایزید کے فرزندوں سے رشتہ داری قائم کی اور ان کو اپنی دختر نکاح میں دی۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک آپ کی فرزندی کی نسبت تحقیق شدہ تھی۔

الغرض اولاد خواجہ اور پوتے یقیناً ہیں، لیکن بعض جو یہ کہتے ہیں کہ خواجہ صاحب کی اولاد نہیں تھی، مطلقاً غلط ہے۔ خواجہ بزرگ کی اولاد کا ذکر مشائخ چشت کے ملفوظات میں مذکور ہے اور شیخ محقق نے میاں نجم الدین کے احوال کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ وہ خواجہ قطب الدین قدس سرہٗ کے قرب وجوار میں رہتے تھے اور خواجہ کی روحانیت سے رخصت لے کر اجمیر پہنچ گئے اور قریب زمانے میں وفات پائی۔ کچھ لوگ اس موقف پر ہیں کہ خواجہ صاحب فرزند نہ رکھتے تھے اور ایک جماعت کی یہ رائے ہے کہ خواجہ صاحب کی دو بیویاں تھیں۔ ایک سید وجیہہ الدین مشہدی کی صاحبزادی اور دوسری راجا کی بیٹی جو ملک خطاب کی قید میں آئی جو خواجہ کے مرید تھے۔ انہوں نے پیر کی خدمت میں بھیج دیا۔

ایسے ہی سلطان التارکین ناگوری کا ارشاد بھی خواجہ بزرگ کے اعیال مند ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اس قصہ کے بعد ذکر کیا اور فرمایا کہ ان گزارشات کے باوجود جو لوگ حضرت خواجہ معین الدین کو ''حصور'' سمجھتے ہیں، یہ محض ''اٹکلیں'' ہیں۔

۶۔ حضرت سید محمد گیسودرازؒ کا بیان

جوامع الکلم جو شہباز میدان حقیقت حضرت سید محمد گیسودرازؒ کے ملفوظات ہیں، فرماتے ہیں کہ حضرت قطب الدینؒ نے حضرت خواجہ غریب نواز اجمیریؒ سے سوال کیا کہ اجمیر سے دہلی آمد کا کیا سبب ہے؟ جواباً خواجہ بزرگ نے ارشاد فرمایا کہ ''شیخ فخر الدین زراعت کرتے ہیں، حاکم زمین کے بارے میں ان سے

مزاحمت اور بادشاہ کا فرمان مانگتا ہے اور میرے بیٹے مجھے معذور نہیں جانتے ۔ چنانچہ انہوں نے اصرار کر کے مجھے یہاں بھیج دیا ،تم مجھے رائے دو کہ میں کس سے یہ بات کروں کہ یہ غرض حاصل ہو جائے ۔حضرت قطب الاقطاب خواجہ بختیار کاکیؒ نے عرض کی، آپ مجھے اجازت دیں کہ میں یہ کام کروں ۔چنانچہ شیخ نے فرمایا! ''جاؤ اور کرو''۔

(جوامع الکلم)

۷۔ رسالہ ابراہیمیہ کا بیان

رسالہ ابراہیمیہ میں ذکر ہے کہ خواجہ بزرگ قدس سرہٗ کی بیویاں اور فرزندان تھے ۔چنانچہ ملفوظات شیخ حمید الدین سوالی ناگوری قدس سرہٗ العزیز جو خلیفہ حضرت خواجہ بزرگ ہیں ،بیان کرتے ہیں کہ ایک شب خواجہ معین الدین چشتی نے پیغمبر اسلام کو خواب میں دیکھا اور رسالت مآبؐ نے آپ سے فرمایا۔

''اے معین الدین !تم ہمارے دین کے ''معین'' ہو اور ہماری سنتوں میں سے ایک سنت ترک کرتے ہو ۔جب صبح ہوئی تو ملک خطاب حاکم ''قلعہ بٹیلی'' جو خواجہ بزرگ کے مریدوں میں سے تھا، راجگان میں سے ایک دختر قید کر کے لایا اور حضرت خواجہ کی خدمت میں بھیج دیا ۔آپ نے قبول فرما کر ''بی بی امۃ اللہ'' نام رکھا۔

بی بی حافظہ جمال ان سے متولد ہوئیں ۔چند روز کے بعد سید وجیہہ الدین مشہدی کو امام جعفر صادقؓ نے خواب میں فرمایا کہ اپنی دختر کو خواجہ معین الدین کے نکاح میں دے دو ۔جب یہ مقدمہ خواجہ بزرگ کے پاس پہنچا اور حضرت امام جعفر صادقؓ کے حکم باطنی کی وجہ سے سید وجیہہ الدین مشہدی کی دختر جن کا نام بی بی عصمت تھا، ان کو بھی اپنے نکاح میں لے آئے ۔ان سے بیٹے پیدا ہوئے ۔

۸۔ تاریخ فرشتہ سے اولاد کی شہادت

ملا محمد قاسم تاریخ فرشتہ کے بارہویں مقالے میں رقمطراز ہیں۔

''حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ نے دوسری مرتبہ جب دہلی سے مراجعت فرمائی تو آپ نے نکاح فرمایا۔اس کی شرح اس طرح ہے کہ سید وجیہہ الدین مشہدی جو سید حسین مشہدی کے چچا اور داروغہ اجمیر تھے،ان کی ایک صاحبزادی صاحب با کمال حسن و عفت تھیں۔جب وہ بلوغت کو پہنچ گئیں تو ان کے والد محترم چاہتے تھے کہ ان کو کسی بزرگ خاندان کے حوالہ کر دیں اور اس تعین میں متردد تھے۔یہاں تک حضرت امام جعفر صادقؑ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ:

''اے فرزند!وجیہہ الدین!رسالتمآبؐ کا ارشاد اس بات پر ہے کہ اس لڑکی کو معین الدین چشتیؒ کے نکاح میں لاؤ کہ وہ واصلان درگاہ خداوندی اور خاندان رسالت پناہی سے ہیں''۔

جب وجیہہ الدین نے یہ بات خواجہ بزرگ کو بتائی تو خواجہ بزرگ نے فرمایا کہ میری عمر آخر کو پہنچ گئی ہے مگر چونکہ حکم رسالت مآبؐ اور حضرت امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے،بجز اطاعت چارہ نہیں ہے۔پس شریعت مصطفویؐ کا تقاضا پورا کرتے ہوئے ان کو اپنی زوجہ بنالیا۔چنانچہ ان سے بیٹے تولد ہوئے۔(تاریخ فرشتہ)

۹۔ تزک جہانگیری

سلطان نورالدین جہانگیر بن سلطان محمد اکبر بادشاہ غازی کی تصنیف ہے۔اس میں مرقوم ہے کہ خواجہ حسن نبیرہ خواجہ معین الدین چشتی ایک ہزار روپیہ برائے خرچ ششماہ دارم یعنی خواجہ حسن نبیرہ خواجہ معین الدین چشتی کو ایک ہزار

روپیہ برائے خرچ چھ ماہ دیئے جاتے ہیں۔(تزک جہانگیری)

۱۰۔ شہزادی جہاں آرا بیگم کا بیان

شہزادی جہاں آرا بیگم بنت شاہ جہاں "مونس الارواح" میں کہتی ہیں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ "متاہل" نہیں ہوئے اور بعض کہتے ہیں کہ ان کے فرزند نہیں ہوئے۔یہ دونوں قول غلط ہیں اور صحیح قول یہ ہے کہ حضرت متاہل ہوئے ہیں۔چنانچہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب "اخبار الاخیار" میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ بزرگ نے دو بیویاں کیں۔ایک بی بی عصمت جن کا ذکر پہلے مرقوم ہو چکا ہے، دوسری پیر دستگیر غریب نواز اجمیری نے ایک شب خواب میں دیکھا کہ حضورؐ فرماتے ہیں کہ "تم ہمارے دین کے معین ہو اور ہماری سنتوں میں سے ایک سنت ترک کر دی ہے"۔

اتفاقاً ایک حاکم "ملک خطاب" جن کا نام تھا، انہوں نے کافروں کی حدود پر حملہ کیا اور اس دیار کے راجہ کی لڑکی گرفتار ہوئی۔ملک خطاب حضرت خواجہ غریب نواز پیر دستگیر کے مرید تھے۔چنانچہ اس دختر کو حضرت کی خدمت میں پیش کر دیا۔خواجہ بزرگ نے ان کو قبول فرما کر ان کا نام "بی بی امۃ اللہ" رکھ دیا اور دونوں خواتین سے اولاد ہوئی۔(مونس الارواح)

۱۱۔ "سیر الاقطاب" میں اثبات

"سیرۃ الاقطاب" میں لکھا ہے کہ خواجہ بزرگ سلطان شمس الدین کے عہد میں دو مرتبہ دہلی تشریف لائے۔اول مرتبہ جب اجمیر شریف واپس تشریف لے گئے تو متاہل ہو گئے۔وہ اس طرح ہوا تھا کہ میر سید وجیہ الدین مشہدی اجمیر میں حاکم

تھے۔ان کی ایک پارسا صاحبزادی تھیں، جن کا نام "بی بی عصمت" تھا۔جب وہ بلوغت کو پہنچیں تو ان کے والد نے چاہا کہ ان کو کسی مناسب شخص کے نکاح میں دے دیں۔مگر کسی شخص کو ان کے حال کے موافق نہ پایا۔اسی فکر میں تھے کہ ایک شب امیر المومنین حضرت امام جعفر صادقؑ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں! وجیہہ الدین حضرت رسالت مآبؐ کا حکم یوں ہے کہ اپنی بچی کو قطب المشائخ معین الدین کے سپرد کردو۔ جب بیدار ہوئے تو خواجہ بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے خواب کا اظہار کیا۔خواجہ بزرگ نے فرمایا کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں، لیکن

"فرمان مطاع کونین سرکار عرش آثار را انکار نمی توانیم کرد"۔(سیر الاقطاب)

یعنی سرکار کونینؐ کے فرمان کا انکار نہیں کر سکتا۔پس عقد نکاح باندھ لیا۔

حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز کا دوسرا نکاح "بی بی امتہ اللہ" سے ہوا ہے۔اس کا حوالہ بھی تسلسل کے ساتھ مختلف تاریخی کتب میں موجود ہے اور یہ مسلسل چلا آرہا ہے۔آپ کی زوجہ محترمہ بی بی امتہ اللہ سے ایک بیٹی "بی بی حافظہ جمال" تولد ہوئیں۔عوام الناس میں سے اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ بی بی حافظہ جمال حضرت خواجہ بزرگ کی حقیقی دختر نہیں ہے بلکہ منہ بولی بیٹی ہیں، غلط ہے کیونکہ مقدمات میں معتبر کتب مولف کتاب ہذا دیکھ چکا ہے۔لہذا قول عوام الناس درست نہیں ہے۔بعض لوگ ایسی ہی رائے حضرت سلطان الہند کے فرزندوں کے بارے میں رکھتے ہیں کہ حضرت کے کوئی فرزند نہ تھے، لیکن حقائق سے اس غلط العام بات کا کوئی تعلق نہیں ہے۔مستند تاریخی کتب سے تسلسل کے ساتھ یہ ثابت ہے کہ حضرت سلطان الہند کے تین فرزند تھے۔

۱۲۔ مراۃ الاسرار کی شہادت

سلطان شہاب الدین محمد شاہ جہاں کے عہد میں مراۃ الاسرار تالیف ہوئی ہے۔ صاحب مراۃ الاسرار کہتے ہیں کہ جو کچھ بغرض تعصب مورخوں نے تاریخ اکبرنامہ اور اقبال نامہ میں لکھا، ہر شخص پر ظاہر ہے، لیکن ہمارے پیران چشت کے ملفوظات سے محقق ہوتا ہے کہ خواجہ بزرگ کی بیویاں اور فرزند ہوئے ہیں۔ چنانچہ سلطان التارکین شیخ حمید الدین ناگوری قدس سرۂ خلیفہ بزرگ کے ملفوظات میں لکھتے ہیں کہ ایک شب حضرت خواجہ بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ حضورؐ فرماتے ہیں ''معین الدین! تم ہمارے دین کے معین ہو، لیکن ہماری سنتوں میں سے ایک سنت ترک کرتے ہو''۔

جب صبح ہوئی تو قلعہ بٹیلی کے حاکم ''ملک خطاب'' جو حضرت خواجہ بزرگ کے مریدوں میں سے تھے، راجگان میں سے ایک دختر قید کر کے لائے اور خدمتِ خواجہ میں بھیج دی۔ خواجہ بزرگ نے ان کو قبول فرما کر ''بی بی امتہ اللہ'' نام رکھا۔ بی بی حافظہ جمال ان سے متولد ہوئیں۔ چند روز بعد سید وجیہ الدین مشہدی جو شیخ حسین مشہدی کے چچا تھا، کو خواب میں حضرت امام جعفر صادقؑ کی زیارت ہوئی اور حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ اپنی دختر کو معین الدین کے نکاح میں دے دو۔ چنانچہ بحکم باطنی حضرت امام جعفر صادقؑ سید وجیہ الدین مشہدی نے اپنی دختر جن کا نام بی بی عصمت تھا، خواجہ بزرگ کے نکاح میں دے دیں۔ ان سے خواجہ بزرگ کے تین فرزند تولد ہوئے۔

شیخ فخر الدین، شیخ ضیاء الدین ابو سعید اور شیخ حسام الدین سب سے چھوٹے تھے۔ (مراۃ الاسرار)۔

۱۳۔ خزینۃ الاصفیاء کی شہادت

مفتی غلام سرور لاہوری مولف "خزینۃ الاصفیاء" نے بیان کیا ہے کہ حضرت خواجہ کی دو پارسا اور عفیفہ اہلیہ تھیں۔ اول سید وجیہہ الدین مشہدی جو سید حسین مشہدی المعروف بہ خنگ سوار (سفید گھوڑے پر سوار) کے چچا تھے، کی صاحبزادی ہیں کہ ان کے والد بزرگوار نے امام جعفر صادقؑ کے حکم باطنی سے جو ان کو خواب میں ملا تھا، اپنی صاحبزادی کا نکاح حضرت خواجہ بزرگ سے کر دیا اور اس عفیفہ کا نام "بی بی عصمت" تھا اور خواجہ بزرگ کے تین بیٹے ان عفیفہ کے بطن سے وجود میں آئے۔

یکے، خواجہ ابوسعید، دوم خواجہ فخر الدین، سوم خواجہ حسام الدین اور جو یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت خواجہ بزرگ لاولد تھے، ہرگز قابل اعتبار نہیں ہے اور خواجہ بزرگ کی دوسری اہلیہ جو ایک راجا ہند کی بیٹی تھیں، ان سے تولد ہونے والی خواجہ بزرگ کی دختر "بی بی حافظ جمال" تھیں، جو نہایت عابدہ وزاہدہ تھیں۔

۱۴۔ مناقب المحبوبین

لہذا ان کتب کی عبارات جو اس کتاب میں ذکر کی گئی ہیں، ہر ایک نص صریح ہے۔ حضرت خواجہ بزرگ کی اولاد کے اثبات سے انکار صرف غبی، جاہل اور کج رو دشمن ہی کرے گا، جو دائرہ بحث سے خارج ہے۔ کتاب "مناقب المحبوبین" کے مرتب کندہ حاجی نجم الدین سلیمانی تھے، جو قصبہ "جھونجون" "نزد" "جے پور" ہندوستان کے رہنے والے تھے اور حضرت خواجہ حمید الدین ناگوری کی اولاد سے تھے۔

حاجی صاحبؒ 1250 ہجری بمطابق 1834ء میں پہلی بار تونسہ شریف حاضر ہو کر حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی سے بیعت ہوئے اور چھ ماہ کے قلیل عرصہ میں

خلافت اجازت کی نعمت سے مشرف ہو گئے۔

''مناقب المحبوبین'' حاجی صاحب کی فارسی تصنیف ہے۔حضرت خواجہ خان محمد (مرحوم) سجادہ نشین آستانہ عالیہ سلمانیہ تونسہ شریف کتاب مذکور کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

''مناقب المحبوبین'' حضور رسول اکرمؐ سے لے کر حضرت خواجہ شاہ سلیمان تک سلسلہ چشتیہ کے ملفوظات میں ایک مستند کتاب ہے۔یہ فارسی میں ہے، جس کا اب رواج نہیں رہا۔الحمد اللہ کہ پروفیسر خلیفہ افتخار احمد صاحب چشتی کو اس کے اردو ترجمہ و تلخیص کا شرف حاصل ہوا''۔

اس کتاب میں حضرت خواجہ بزرگ خواجہ غریب نواز ؒ کی شادی اور ان کی اولاد کے بارے میں تحریر ہے کہ آپ نے اجمیر میں آکر دو عورتوں سے شادی کی۔ایک بی بی عصمت دختر سید وجیہہ الدین جو سید حسین خنگ سوار (سفید گھوڑے پر سوار) کے حقیقی چچا تھے اور حضرت امام جعفر صادقؑ کی اولاد میں سے تھے۔خواجہ بزرگ کی دوسری زوجہ محترمہ کا نام بی بی امتہ اللہ تھا، جو نواح اجمیر کے ایک راجا کی بیٹی تھیں۔ان دونوں بیویوں سے آپ کے تین بیٹے اور ایک بیٹی حافظہ جمال تولد ہوئیں۔

بیٹوں میں سب سے بڑے سید فخر الدین تھے۔ان کے بارے میں مولف مناقب لکھتے ہیں کہ ان کی اولاد آج تک (سن 1278ہجری) اجمیر شریف میں سجادہ نشین ہے اور اس وقت دیوان سراج الدین سجادہ نشین ہیں۔دوسرے بیٹے کا نام ابو سعید ضیاءالدین تھا اور تیسرے بیٹے کا نام حسام الدین تھا۔

☆☆☆☆☆

باب پنجم

کشف وکرامات

سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز کی شخصیت ہندوستان میں خورشید جہاں تاب کی مانند ہے۔شہنشاہوں نے تو بزور طاقت لوگوں کو مطیع بنانے کی کوشش کی اور مسلح لشکر لے کر ملکوں پر چڑھائی کرتے رہے مگر فقراء نے اپنے دل میں ذات مطلق اللہ کو بسا کر ایسی چڑھائی کی کہ ابدالآباد تک عوام مسخر ہو گئے۔

سلطان الہند کی ذات گرامی سے اس وقت کرامات کا ظہور ہوا، جب ہندوستان میں لوگ سحر و اساطیر کی روایات میں کھوئے ہوئے تھے۔کرامات کی غرض و غائیت یہی تھی کہ آتش پرستی و بت پرستی کے ماحول کا خاتمہ کیا جائے۔آپ کی ذات اقدس سے چار ہزار چھ سو ساٹھ کرامات منسوب ہیں۔اگر اس میں مبالغہ آرائی کا پہلو بھی ہم پیش نظر رکھیں تو پھر بھی یہ بہت زیادہ تعداد ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہندوستان میں کفر وشرک کا ماحول ایسا تھا اور کفر والحاد میں ڈوبا ہوا معاشرتی منظر نامہ ایسا تھا کہ جب اس معاشرہ میں ایک خدا رسیدہ بندے نے قیام فرمایا تو کفر وشرک،ظلمت توڑنے کے لیے غیر ارادی طور پر سلطان الہند سے کرامات کا ظہور ہونے لگا۔کیونکہ اللہ کے مقرب بندے بڑی محتاط زندگی گزارتے ہیں اور کرامات سے احتراز برتتے ہیں،لیکن جب معاشرتی ماحول کفر وظلمت میں ڈوبا ہوا ہو تو ایسے مقرب الٰہی بندوں سے غیر ارادی طور پر کرامات سرزد ہونے لگتی ہیں۔

۱۔ جنگل میں آتش پرست

ایک رات حضرت سلطان الہند کسی جنگل سے گزر رہے تھے کہ آپ نے جنگل میں آگ کے الاؤ جلتے دیکھے، جس کے گرد سات آدمی پوجا کر رہے تھے۔ اس وقت کا مذہبی منظر نامہ یہ تھا کہ آگ کے پجاریوں کے مجاہدہ کی لوگوں پر شدید دھاک بیٹھی ہوئی تھی اور عوام الناس ان پجاریوں کے حلقہ تاثیر کی گرفت میں ہوتے تھے، جن کے ذہنوں پر ان پجاریوں کی سحر انگیز شخصیت کا نقش اتنی مظبوطی سے بیٹھا ہوا تھا کہ وہ ان پجاریوں کے خلاف سوچنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ جب تک ان پجاریوں کو نہ بدلا جاتا، عوام الناس کی طرز فکر تبدیل ہونا ناممکن تھی۔ یہ آتش پرست مجاہدہ کے دوران چھ چھ ماہ تک کھانا پینا ترک کر دیتے تھے۔

اس جنگل کے نواحات کی تمام آبادی ان پجاریوں کی معتقد تھی۔ حضرت خواجہ غریب نواز نے ان آتش پرست پجاریوں سے پوچھا "تم خدا کو چھوڑ کر اس آگ کی پوجا کیوں کرتے ہو؟"۔ آپ کے اس استفسار پر پجاریوں نے کہا۔

"ہم آگ کی پرستش اس لیے کرتے ہیں کہ قیامت کے دن یہ آگ ہم کو جلا نہ سکے"۔

آپ نے پجاریوں کا یہ جواب سن کر فرمایا۔

"اے آتش پرستو! یہ آگ بھی تمام موجودات کی طرح اللہ واحد کی تابع فرمان ہے اور اس کی حمد وثنا بیان کرتی ہے۔ اگر تم اللہ کی عبادت کرو گے تو کسی بھی قسم کی آگ تمہیں جلا نہیں سکے گی"۔

حضرت سلطان الہند کی یہ بات سن کر آگ کے پجاری تمسخرانہ انداز میں ہنس دیئے اور بولے "بھلا آگ بھی کسی کو جلائے بغیر چھوڑتی ہے؟؟ ہم کیسے آپ کی بات

تسلیم کریں!۔آپ ہماری پوجا میں مخل نہ ہوں اور یہاں سے چلے جائیں"۔

آپ نے فرمایا "میں اللہ واحد کی عبادت کرتا ہوں جس نے اس آگ کو بھی پیدا فرمایا ہے، یہ آگ مجھے کیا جلائے گی، میری پاپوش کو بھی کوئی گزند نہیں پہنچا سکتی"۔ یہ فرما کر آپ نے اپنی نعلین اتار کر آگ میں پھینک دیں۔

روشن آگ کے الاؤ میں جہاں آپ کی نعلین گریں تھیں، ان کے اردگرد سے آگ فوراً نہ صرف بجھ گئی بلکہ نعلین کے اردگرد درجہ حرارت بھی گر گیا اور آپ کی جوتیاں ایسی حالت میں ہی جوں کی توں موجود ہیں، جس طرح کہ اتار کو زمین پر رکھی جاتی ہیں۔ اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ کر آگ کے پجاری حیرت سے ششدر رہ گئے۔ چنانچہ سلطان الہند نے انہیں نہایت پیار اور شفقت سے اللہ ذات واحد سے تعلق قائم کرنے اور اس کی عبادت کرنے پر آمادہ کر لیا۔

پھر ان آتش پرستوں نے حضرت سلطان الہند کا دین قبول کرنے کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے انہیں کلمہ طیبہ پڑھا دیا۔ بعد ازاں یہ لوگ آپ کے جانثار ساتھی بن گئے اور ان کا مذہب بدلنے کے ساتھ ساتھ اس جنگل کے گرد و نواح کی آبادی بھی مسلمان ہو گئی۔

۲۔ ایک لڑکا دہلی کا بادشاہ

حضورؐ کا فرمان ہے کہ "مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے"۔ اس حدیث پاک میں بیان کردہ حقیقت کے مطابق اللہ سے تعلق استوار کر لینے والا شخص جب کسی فرد کو دیکھتا ہے تو ازل سے ابد تک اس شخص کا سارا ریکارڈ اس کے سامنے آجاتا ہے اور یہ سب ایک آن واحد میں ہوتا ہے۔ حضرت سلطان الہند

ایک مجلس میں تشریف فرما تھے کہ ایک لڑکا آپ کے سامنے سے گزرا۔ آپ کی نگاہوں نے اس گزرتے ہوئے لڑکے کا بغور جائزہ لیا تو لوح محفوظ اول ودوئم پر نقش ریکارڈ جو اس لڑکے سے متعلق تھا، آپ نے مشاہدہ فرمالیا۔

چنانچہ آپ نے اس لڑکے سے استفسار فرمایا۔ "تیرا نام کیا ہے؟

لڑکا بولا: "میرا نام شہاب الدین ہے"۔

یہ سن کر آپ نے تبسم فرمایا اور پھر فرمایا "تو دہلی کا بادشاہ بنے گا"۔

چنانچہ آپ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ حرف بہ حرف پورے ہوئے اور سلطان شہاب الدین دہلی کے پایہ تخت پر جا متمکن ہوا۔

۳۔ خنجر آبدار سپاہی

راجا رائے پتھورا آپ کے سخت مخالف تھا۔ ایک بار اس نے ایک سازش کے تحت اپنے ایک ہوشیار، چالاک اور فن سپاہ گری میں ماہر سپاہی کو آپ کے عقیدت مند کے روپ میں آپ کو شہید کرنے کے مشن پر بھیجا۔ یہ سپاہی، جس نے اپنے لباس میں خنجر چھپا رکھا تھا، آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ پر اس کے خیالات منکشف ہو گئے۔ آپ نے تصرف سے اس کے مفسدانہ خیالات کھرچ ڈالے تو اس کا فریب اور دغا عقیدت مندی میں بدل گیا۔ آپ نے فرمایا:

"جب کوئی شخص کسی فقیر کے پاس آتا ہے تو اس کی ایک وجہ بیعت کرنا ہوتی ہے اور دوسری وجہ اذیت پہنچانا۔ اب تم جس ارادہ سے آئے ہو، اس کو پورا کرو"۔

آپ نے نہایت شیریں لہجہ میں اظہار خیال فرمایا مگر اس شخص پر ایسا خوف طاری ہوا کہ اس نے خنجر نکال کر آپ کے قدموں میں رکھ دیا اور نیازمندی کے ساتھ آپ سے معافی کا خواستگار ہوا۔ چنانچہ آپ نے اسے نہ صرف معاف کر دیا بلکہ اس کی

تمنا بیدار کے مطابق اسے اپنے حلقہ مریدین میں شامل کرلیا۔اسلام قبول کرنے کے بعد وہ شخص درویش بن گیا۔اس نے پچپن بار فریضہ حج ادا کیا۔حتیٰ کہ مکہ مکرمہ میں اس کا انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوا۔

۴۔ اجمیر میں رہ کر حج

حضرت خواجہ غریب نواز بظاہر تو ہندوستان میں قیام پذیر تھے،مگر بہ باطن کئی حجوں کی سعادت سے سرفراز ہوئے۔حضرت خواجہ غریب نواز ہندوستان میں اپنی مستقل اقامت کے بعد اجمیر شریف میں رہائش پذیر رہے اور ایسی قطعی کوئی شہادت کسی کتاب اور کسی بھی تاریخی حوالہ سے نہیں ملتی کہ کبھی آپ نے مکہ مکرمہ کا سفر اختیار کیا ہو،لیکن ہندوستان سے جو حجاج دیارِ حبیبؐ میں جاتے تھے،اس دور کے اکثر حجاج کرام کا بیان ہے کہ انہوں نے کئی بار حضرت خواجہ غریب نواز کو دوران حج خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا ہے۔

۵۔ مصلےٰ کے نیچے قرض کی رقم

ایک مرتبہ آپ اپنے ایک عقیدت مند دوست "شیخ خادم علیؒ" کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ اس دوران ایک شخص آیا اور شیخ خادم علی کو سخت برا بھلا کہنا شروع کردیا۔شیخ خادم علی نے اس شخص سے قرض لے رکھا تھا،جس کی ادائیگی ابھی نہ ہوئی تھی۔آپ نے اس شخص کو سمجھایا کہ شیخ خادم علی قرض ادا کردے گا۔اس وقت آپ چلے جائیں۔مگر وہ شخص قرض کی رقم لینے پر ہی مصر رہا۔

چنانچہ حضرت سلطان الہند نے اپنے مصلےٰ کا ایک کونہ اٹھایا اور اس شخص سے کہا کہ اپنے قرض کی رقم گن کر لے لو۔اس شخص نے اپنے قرض سے کچھ زیادہ رقم اٹھانا

چاہی تو اس بدبختی پر اس کا ہاتھ سن ہوگیا اور وہ آہ و زاری کرنے لگا اور حضرت خواجہ غریب نواز سے رو رو کر معافی مانگنے لگا تو آپ نے اس کے حق میں دعا فرمائی۔ چنانچہ آپ کی دعا فرمانے سے اس کا مفلوج ہاتھ دوبارہ ٹھیک ہو کر اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔

۶۔ سلطان الہند اور ڈاکو

ایک بار حضرت خواجہ غریب نوازؒ کا گزر کسی ایسے جنگل سے ہوا جہاں ڈاکوؤں نے اپنی قیام گاہ بنا رکھی تھی۔ یہ ڈاکو اس جنگل سے گزرنے والے مسافروں کو بھی لوٹ لیتے تھے۔ جنگل سے گزرتے ہوئے حضرت خواجہ غریب نواز کا سامنا ان ڈاکوؤں سے ہوا تو ڈاکو آپ کو لوٹنے پر اتر آئے۔ حضرت سلطان الہند نے ڈاکوؤں کو سمجھانے کی کوشش کی مگر ڈاکوؤں پر کوئی اثر نہ ہوا تو مجبوراً حضرت سلطان الہند نے اپنی نگاہ غضب کا ہلکا سا ''پرتو'' ان پر ڈالا تو ڈاکو مارے خوف کے تھر تھر کانپنے لگے۔ ڈاکوؤں پر آپ کی نظر کا اس قدر اثر ہوا کہ خیالات فاسد ان کے اذہان سے محو ہو گئے اور وہ آپ سے معافی مانگنے لگے۔ آپ نے ان کو معاف فرما دیا تو ان راہزنوں کے دل میں آپ کے تصرف نور الٰہی سے منور ہو گئے۔ انہوں نے آپ کے دست شفقت کو چوم کر اسلام قبول کر لیا اور باقی ساری زندگی لوگوں کے رہبر بن کر گزاری۔

۷۔ والیٔ شہر کی موت

ظالم قدرت کی گرفت سے کبھی بچ نہیں سکتا۔ قدرت کی گرفت کبھی دبے پاؤں اس پر آتی ہے اور کبھی آناً فاناً اس کو دنیا سے اٹھا لیتی ہے۔

ایک بار حضرت سلطان الہند کے ایک مرید جو والیٔ شہر کے ''رستم'' تھے، نے آپ سے اس سنگدل حاکم کی شکایت کی۔ اس ظالم حاکم نے مخلوق خدا کو بے حد پریشان

کر رکھا ہے۔ آپ نے اپنے مرید سے پوچھا "اس وقت وہ کہاں ہے" مرید نے عرض کیا۔ "ابھی ابھی سوار ہو کر میدان کی طرف گیا ہے"۔

آپ نے ارشاد فرمایا۔ جاؤ .... جا کر دیکھو .... وہ گھوڑے سے گر کر مر گیا ہے"۔ لوگ تحقیق حال کے لیے میدان کی جانب دوڑے اور جا کر دیکھا کہ والی شہر مرا پڑا ہے اور اس کی نعش کو جانور نوچ رہے ہیں۔

۸۔ فاسق و فاجر آدمی

حضرت سلطان الہند جب بغداد میں حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی درگاہ میں قیام پذیر تھے، تو وہاں اس وقت یہ بات زبان زد عام و خاص تھی کہ جو شخص آپ سلطان الہند کی خدمت اور معیت میں رہ کر تین دن تک صدق نیت اور خلوص دل سے قیام کرے تو اس کا دل نور معرفت سے لبریز ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس دوران ایک یادگار محمد نامی شخص جو فاسق و فاجر تھا، آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے پہلے تو اسے گناہوں سے توبہ کروائی۔ وہ شخص تین روز تک آپ کے ہاں قیام پذیر رہا اور نماز پنجگانہ بھی آپ کے ساتھ ادا کرتا رہا۔

آپ کی معیت میں رہ کر اس کے دل سے فسق و فجور کا زنگ اتر گیا اور آپ کے ساتھ تین روزہ قیام کے اس پر ایسے دائمی اثرات مرتب ہوئے کہ اس نے بقیہ ساری زندگی پاکبازی میں گزاری اور صاحب کشف و کرامات ہو گیا۔

۹۔ یادگار محمد دشمن دین کے دل میں نور ایمان

حضرت خواجہ غریب نواز اپنی سیاحت کے دوران جب مقام "سبزوار" پہنچے تو آپ کو بتایا گیا کہ یہاں کا حاکم نہایت تند خو، بد مزاج، ظالم اور فاسق و

قائم ہے۔ سبزوار شہر کا جو شخص آل رسولؐ کا نام بھی لیتا ہے تو اسے طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی جاتی ہیں۔ اس حاکم کا نام تو "یادگار محمد" تھا لیکن وہ دین اسلام کا بدترین دشمن تھا۔

حضرت خواجہ غریب نواز کو جب اس کے منافقانہ طرز عمل کا احوال معلوم ہوا تو سیدھے اس شخص کے دلکش و پرفضا باغ میں تشریف لے گئے۔ باغ کے حوض سے وضو کیا اور پھر تلاوت کلام پاک میں مصروف ہو گئے۔ یادگار محمد کی سواری جب باغ میں داخل ہوئی تو حضرت خواجہ غریب نواز کے ہمسفر درویش مضطرب ہو گئے کہ نہ جانے یادگار محمد کیا سلوک کرے۔ پیشتر اس کے کہ یادگار محمد کے چہرے پر رعونت کی لکیریں ابھریں، حضرت خواجہ غریب نواز نے نظریں بھر اس کی طرف دیکھا تو آپ کی ایک ہی نظر سے یادگار محمد پر لرزہ طاری ہو گیا اور وہ غش کھا کر گر پڑا۔

حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے حکم پر ایک خادم نے حوض سے تھوڑا سا پانی بھر کر لایا۔ آپ نے بسم اللہ شریف پڑھ کر پانی پر پھونکی اور فرمایا، یہ پانی یادگار محمد کے چہرے پر چھڑک دو۔ خادم نے ایسا ہی کیا تو یادگاہر محمد کو ہوش آ گیا اور وہ ہوش میں آتے ہیں آپ کے قدموں میں گر پڑا۔ حضرت خواجہ غریب نواز نے اس کا سر اپنے قدموں سے اٹھایا، اپنا دست شفقت اس کے سر پر پھیرا اور مناقب اہل بیت رسالت کی تشریحات اس دلنشیں انداز سے دہرائیں کہ یادگار دبار بار روتا تھا۔ ان اشکوں سے اس کا قلب نور ایمان کی حقیقی جلوت سے بھر گیا۔

چنانچہ اس نے حضرت خواجہ غریب نواز کے ہاتھ پر بیعت کی اور جبر و تعدی سے حاصل کی ہوئی ساری دولت اور مال و متاع آپ کے حکم پر فقراء و مساکین میں تقسیم کر دیا۔ حضرت خواجہ غریب نواز نے اسے سبزوار سے بلخ تک کی ولایت بخشی اور اس نے اپنی بقیہ ساری عمر یاد الٰہی، شان رسالت مآبؐ کی تبلیغ میں گزار دی۔

۱۰۔ ضیاء الدین عظیم فلسفی اور سلطان الہند

بلخ کے شہر میں حکیم ضیاء الدین کا بڑا شہرہ تھا۔ حکیم ضیاء الدین اپنے عہد کا عظیم فلسفی تھا۔ بلخ میں اس نے ایک مدرسہ اور ایک پرشکوہ عالیشان باغ بنوا رکھا تھا۔ بلخ کی اکثر آبادی اس عظیم فلسفی سے متاثر تھی۔ لیکن تصوف کے بارے میں اس فلسفی کا نظریہ فاسق تھا۔ بقول مصنف تاریخ فرشتہ تصوف کے بارے میں اس کا نقطہ نظر یہ تھا۔

''تصوف وہ ہذیاں ہے، جو بخار والے بہ حالت ''سکر'' بکا کرتے ہیں یا پھر دیوانوں کی ''بڑ'' ہے۔

حضرت خواجہ غریب نوازؒ کا معمول سیاحت تھا۔ آپ سبزوار سے بلخ پہنچے تو تیر کمان اور چقماق وغیرہ آپ نے اپنے ہمراہ رکھے ہوئے تھے۔ اگر افطاری کے وقت تناول طعام کا بندوبست نہ ہو سکتا تو افطار کے لیے شکار فرماتے۔ ایک روز آپ حکیم ضیاء الدین فلسفی کے باغ میں تشریف لے گئے اور ایک ''کلنگ'' شکار کر کے خادم کو حکم دیا کہ اس کے کباب تیار کیے جائیں اور خود ایک درخت کے نیچے عبادت میں مشغول ہو گئے۔

حکیم فلسفی کسی کام کی غرض سے اس طرف آ نکلا۔ حضرت خواجہ غریب نواز کو صلوٰۃ میں مشغول دیکھ کر قریب ہی بیٹھ گیا۔ حضرت خواجہ غریب نواز نماز کی ادائیگی سے فارغ ہوئے تو اس شخص نے تصوف کا موضوع چھیڑ دیا۔ غالباً اس کی منشا یہ رہی ہوگی کہ وہ اپنے فلسفہ اور منطق کے زور سے حضرت سلطان الہند کو مات دے دے گا۔ اسی اثناء میں خادم نے کباب تیار کر کے حاضر خدمت کیے۔ آپ نے اس میں سے چند کباب علیحدہ کیے اور بسم اللہ پڑھ کر حکیم صاحب کے سامنے رکھ دیئے۔ حکیم ضیاء الدین نے اس میں سے ایک لقمہ تناول کیا تو بحث کا سارا رنگ بھول گیا۔ کباب کھاتے ہی فلسفہ سے توبہ کر لی اور اس کے اندر انوار و تجلیات کی بجلیاں کوندنے لگیں۔ اس پر حضرت سلطان الہند

کے کباب کھلانے سے ایسا عالم وارفتگی طاری ہوا کہ وہ آبدیدہ ہو کر حضرت خواجہ غریب نوازؒ سے لپٹ گیا اور آپ سے آپ کے حلقہ خدام میں شامل ہونے کی درخواست کی جسے آپ نے قبول فرمالیا۔

اس کے بعد حضرت خواجہ غریب نواز نے فلسفی حکیم ضیاءالدین کو خرقہ خلافت مرحمت فرمایا اور وہیں رہنے کا حکم دیا۔

۱۱۔ بتوں کے پجاری رام دیو مہنت کا قبول اسلام

ہندوستان میں حضرت سلطان الہند ''آنا ساگر'' کی ایک نواحی پہاڑی کے قریب اقامت پذیر تھے۔ آپ کا ایک خادم پانی لینے کی غرض سے لکڑی کا کشکول لے کر ''آنا ساگر'' کے کنارے پہنچا تو پجاریوں نے اسے پانی لینے سے روک دیا۔ یہاں ایک بہت بڑا بت خانہ بھی تھا۔ جس کے پجاریوں نے دوسرے لوگوں پر پانی پینے کی پابندی عائد کر رکھی تھی۔ خادم نے واپس آ کر حضرت خواجہ غریب نوازؒ کو صورت حال سے آگاہ کیا تو آپ خود ''آنا ساگر'' پانی لینے کے لیے تشریف لے گئے۔

رام دیو مہنت جو کنارے پر بیٹھا تھا، کو مخاطب کر کے فرمایا۔

''تم انسان کے بنائے ہوئے مٹی کے ان بتوں کو کیوں پوجتے ہو؟''

رام دیو مہنت بولا ''ہم ان مورتیوں کو اپنا معبود مانتے ہیں، اس لیے ان کی پوجا کرتے ہیں''۔

آپ نے فرمایا ''تم لوگ ان بتوں کو خدا سمجھتے ہو، تو پھر ان سے کہو کہ تمہاری باتیں سنیں اور جواب دیں''۔

رام دیو نے کہا ''یہ کیسے ہو سکتا ہے، بھلا مٹی اور پتھر کی مورتیاں بھی بول سکتی ہیں!؟''۔

حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا "ہمارا دین برحق ہے۔ ہمارا خدا ہی سب کا خدا ہے۔ دیکھو! ہم خدا کے حکم سے ان بتوں کو قوت گویائی بخشیں گے"۔

یہ فرما کر حضرت سلطان الہندؒ نے ایک قد آور بت کی طرف دیکھا اور فرمایا "اگر ہمارا دین حق ہے اور ہمارا خالق کونین سچا ہے تو پھر اس معبود حقیقی کے حکم سے بول اور ہماری جانب چل کر آ......"۔ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ وہ بت فوراً حرکت میں آ گیا اور چند قدم چل کر آپ کے قریب پہنچا اور عرض کیا "آپ کا خدا سچا اور آپ کا دین برحق ہے۔ ہم خالق کونین کے حکم سے چل کر آپ کے پاس آئے ہیں اور بول رہے ہیں۔ ان کافروں کا مذہب جھوٹا ہے"۔

حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی یہ کرامت دیکھ کر رام دیو نے فوراً کلمہ طیبہ پڑھا اور حضرت سلطان الہند کے دست مبارک چوم کر مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

شاہ است حسینؑ، بادشاہ است حسینؑ
دین است حسینؑ، دین پناہ است حسینؑ
سرداد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ

☆☆☆☆☆

باب ششم

سلطان الہند کی تصانیف اور خلفاء و متابعین

۱۔ انیس الارواح

انیس الارواح حضرت خواجہ غریب نواز کی برگزیدہ تصنیف قرار دی جاتی ہے۔ اٹھائیس مجالس مبارکہ کے ملفوظات طیبات کے اس مجموعہ کا نام خود خواجہ غریب نے ''انیس الارواح'' رکھا ہے۔ حضرت سلطان الہند اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی کی زبان فیض ترجمان سے مجلس میں جو دینی اور حکمت و ایمان افروز باتیں سنتے تھے، انہیں احاطۂ تحریر میں لے آتے تھے۔ ان ہی باتوں، اقوال و ارشادات کا مجموعہ ''انیس الارواح'' ہے، جس کے مطالعہ سے روحانی سرور ملتا ہے اور پڑھنے والا تصوف کے رموز و اوقات سے نہایت آسانی کے ساتھ آشنا ہو جاتا ہے۔

انیس الارواح میں حضرت خواجہ غریب نواز نے اپنے مرشد کامل کے دینی امور اور شرعی و اخلاقی مسائل و توضیحات کو مرتب کر کے عام لوگوں کو راہ ہدایت دکھائی ہے۔ اصل کتاب فارسی زبان میں ہے۔ تاہم اس کے کئی اردو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اس کی اٹھائیس مجالس میں ترتیب وار جو مسائل سمجھائے گئے ہیں، ان میں ایمان، مناجات، گناہوں کی کثرت کے سبب شہروں کی بربادی، عورتوں کی فرمانبرداری، غلاموں کی آزادی، صدقہ کی ترغیب، شراب کی ممانعت و مذمت، مومنوں اور اللہ کے فرستادہ بندوں کو ایذا پہنچانے کی مذمت، کسی کو گالی دینا اور برا بھلا کہنے کی ممانعت، کسب حلال کی خوبیاں، مصیبت و ابتلاء میں صبر، جانوروں پر ظلم کی ممانعت، سلام میں پہل

کرنے کی فضیلت، کفارہ نماز، سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص کے فضائل۔ اور اہلِ جنت کا بیان، مسجد کی فضیلت، مال و دولت جمع کرنے کے نقصانات، چھینک اور اس کا جواب دینے کا ذکر، اذان کا ذکر، مومنین کا تذکرہ، حاجت رواؤں کا اجر وثواب، زمانہ آخرت، موت کو یاد کرنے کی خوبیاں، مسجد میں چراغ جلانے کا فائدہ، درویشوں کی صحبت کی تاثیر، ازار (پاجامہ وغیرہ) دراز کرنے کے مضرات، علماء کا بیان، توبہ اور اس کے فضائل جیسے موضوعات شامل ہیں۔

انیس الارواح کے چیدہ چیدہ ملفوظات میں بتایا گیا ہے کہ کسی کی حاجت پوری کرنا خدا کی خوشنودی کا باعث ہے۔ اگر کوئی شخص اوراد و وظائف میں مشغول ہو اور کوئی حاجت مند آ جائے تو اس پر لازم ہے کہ اوراد و وظائف چھوڑ کر حاجت مند کی بات سنے اور اس کی استطاعت کے مطابق مدد کرے۔ انیس الارواح کے چیدہ چیدہ ملفوظات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ حلال اور جائز ذرائع سے روزی کمانے والا اللہ کا دوست ہے۔

۲۔ جو شخص فاقہ، موت اور درویش کو دوست رکھتا ہے، فرشتے اس کو اپنا دوست بنا لیتے ہیں اور اس کے لیے بہشت میں جگہ مختص کی جاتی ہے۔

۳۔ جو کسی پیاسے کو پانی پلاتا ہے، رب غفور الرحیم اس کے سب گناہ بخش دیتا ہے۔

۴۔ قرآن کریم کی کثرت تلاوت گناہوں کا کفارہ ہے۔

۵۔ افضل ترین پرہیزگاری موت کو یاد کرنا ہے۔

۶۔ مصیبت اور ابتلا میں چلانا اور سیخ پا ہونا، شکوے شکایت کرنا ستر مسلمانوں کو قتل کرنے جیسا گناہ ہے۔

۷۔ صدقہ دینا ہزار رکعت نماز پڑھنے سے افضل ہے۔

۸۔ کسی مومن کو گالی دینا اپنی ماں بہن کی عصمت دری کے برابر ہے۔

۹۔ تین قسم کے لوگوں پر جنت کے دروازے بند ہیں۔

جھوٹ بولنے والا۔ کنجوس۔ خائن تاجر۔

"دیوان معین" کی طرح "انیس الارواح" کو بھی بعض ناقدین حضرت غریب نوازؒ کی تصنیف نہیں مانتے۔ اس حوالہ سے حضرت نصیرالدین چراغ دہلوی نے اپنی مستند کتاب "خیر المجالس" میں بلیغ ارشادات فرمائے ہیں۔ آپ کا کہنا ہے کہ "انیس الارواح" کی گیارہویں مجلس میں گائے اور گوسفند ذبح کرنے کو خون کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ نظریہ چونکہ حضرت عثمان ہارونیؓ کا ہرگز نہیں ہوسکتا اور نہ ہی اسے حضرت خواجہ غریب نواز نے ملفوظ کیا ہوگا۔

ایسے ہی ایک تذکرے میں لکھا گیا ہے کہ حضرت خواجہ بزرگ اپنے پیرومرشد کے ہمراہ "بدخشاں" پہنچے تو یہاں حضرت جنید بغدادی کی صحبت سے فیضیاب ہونے والے کسی بزرگ کا چھٹی صدی کے ربع آخر تک زندہ رہنا قرین قیاس نہیں۔ اس جیسی دو تین تاویلوں کی بناء پر "انیس الارواح" کو خواجہ بزرگ کی تصنیف تسلیم نہ کرنا ایک اعتبار سے تحقیق کے دروازے ہمیشہ کے لیے بند کرنے کے مترادف ہے۔ ایسی غلطیاں صریر خامہ کی سہو کا نتیجہ ہوسکتی ہیں یا انہیں مخالفین اسلام کی بددیانتی پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ابتداء میں بزرگان دین کے زیادہ تر تذکرے ہندو ناشروں نے شائع کیے ہیں۔ ان کا ایک مقصد پیسہ کمانا اور دوسرا مسلمانوں کے عقائد کو ابہام کے رنگ میں پیش کرنا بھی تھا۔ ویسے بھی ہم نفسیاتی حوالے سے دیکھیں تو ہندو مذہب میں "گاؤ ماتا" کو ایک اہم مقام حاصل ہے اور ہندو مذہب پرکاربند ایک ناشر کے لیے مذہبی تعصب کے بناء پر گائے کی حرمت شامل کرنا بعید نہیں۔ یا پھر گائے جانور وغیرہ ذبح کرنے کی ترغیب انیس

الارواح میں دی گئی ہو تو ہندو ناشروں نے اپنے مذہبی رنگ کے باعث جانوروں خصوصاً گائے کی حرمت کو دانستہ انیس الارواح میں شامل کر دیا ہو اور یقیناً ایسا ہی ہوا ہوگا۔

اگر ہم نفسیاتی تجزیہ کریں تو کیا ہم یہ توقع کر سکتے ہیں کہ ایک مسلمان ناشر اگر ہندو مذہب کی کوئی کتاب شائع کر رہا ہو تو کیا وہ بتوں کی حرمت والے باب میں ہندو عقیدے کے مطابق اس کو قائم رکھے گا یا بت شکنی کے فوائد بیان کرنے کی تمہید باندھے گا۔ یقیناً وہ بت پرستی کی حوصلہ شکنی کرے گا۔

ہندو ناشروں نے ''انیس الارواح'' کی طباعت میں کچھ ایسے ہی طرز عمل کا مظاہرہ کیا ہے۔ بہرکیف دو تین غلطیوں کو چھوڑ کر ''انیس الارواح'' ایک فکر انگیز موضوعات کی حامل برگزیدہ تالیف ہے۔

۲۔ گنج الاسرار

گنج الاسرار حضرت خواجہ غریب نواز کی تصنیف بتائی جاتی ہے۔

اس کتاب کو بعض تذکرہ کتب میں ''گنج اسرار'' بھی لکھا گیا ہے۔ اس کتاب کو حضرت خواجہ غریب نواز نے اپنے مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے حکم کے تحت سلطان شمس الدین التمش کی تعلیم و تربیت و اصلاح کے لیے فارسی میں تصنیف فرمایا۔

یہ کتاب قلمی ہے اور مورخین کے خیال کے مطابق یہ کتاب 611ہجری سے 615ہجری کے درمیانی عرصہ میں مکمل ہوئی۔ اس زمانہ میں حضرت خواجہ غریب نواز دہلی میں مقیم تھے۔ گنج اسرار کو حقیقت میں تعلیمات تصوف کا خزینہ کہنا چاہیے۔ جس میں معرفت کے پچیس ابواب، قرآن حکیم، احادیث مبارکہ اور بزرگان کرام کے اقوال و اشعار بیان کیے گئے ہیں۔ پچیس معرفتوں میں ابتدائی تین معرفتیں علم شریعت و طریقت، حقیقت و معرفت، طہارت و نظامت اور ظاہر و باطن سے متعلق ہیں۔ جبکہ معرفت چہارم

وپنجم میں جذبہ اصلاح باطن اور باطن کی پہچان، راہ حقیقت میں استقامت، حق سبحانہ تعالیٰ اور نبوت و رسالتؐ کی تعلیمات بیان کی گئی ہیں۔

معرفت ششم قرآن کے بیان پر مشتمل ہے۔ جس میں اللہ کی عظیم کتاب کے محاسن و بزرگی پر بحث کی گئی ہے۔ اس کے بعد تربیات حضرت رسالت مآبؐ و فہم پیوستین اطاعت کے موضوع کو چھیڑا گیا ہے۔ معرفت ششم میں عرفان مذہب حقیقی کی قدروں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ معرفت دہم سے لے کر پانزدہم تک دریافتن جمعہ، عام توحید، دانستن، معرفت تلقین مرشد کامل، ذکر فی القلب اور مرشد کی ضرورت کے بنیادی مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ حضرت خواجہ غریب نوازؒ قلبی اعمال، عبادات جلی و خفی اور یفیض، صاحب دِل کو بھی معرفت کا سرچشمہ قرار دیتے ہیں اور ان اُمور پر آپؒ نے تین ابواب میں اقوال وارشادات و قرآنی تعلیمات کا ذکر فرمایا ہے۔

حضرت خواجہ عثمان ہارونی کی دہلی میں تشریف آوری اور نور اسلام پھیلانے کو انیسویں معرفت میں بیان کیا گیا ہے۔ آخری پانچ معرفتیں مقام عالمین تحیر و محویت، پیوستن مستی، سماع، دربار رسالت مآبؐ، خواجگان چشت کے 15 مقامات چودہ علوم اور فنا و بقا کی حقیقتوں کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب کو اگر جدید طرز طباعت سے شائع کروایا جائے تو نہایت ہی مفید اور دین سے شغف رکھنے والے طالبعلموں کے لیے علمی بصیرت کا باعث بن سکتی ہے۔

۳۔ کشف الاسرار

کشف الاسرار کو حضرت خواجہ غریب نواز کا شاہکار قلمی بیان کیا جاتا ہے۔ فارسی زبان کی اس کتاب کے دو نام ہیں۔ کشف الاسرار اور معراج الانوار۔

حضرت خواجہ غریب نواز کی یہ تصنیف بھی تصوف کے بحر بیکراں کو اپنے اوراق میں سموئے ہوئے ہے۔ جس میں چہاردہم جیس دہم اور ذکر خفی پر بحث کی گئی ہے۔ ''چہاردہم'' کہاں سے آئے ہیں، ذکر خفی کی تعلیمات، خداوند تعالیٰ نے اپنی تجلی سے نور محمدیؐ کیسے پیدا فرمایا۔ اول منزل عالم ناسوت، دوم ملکوت، سوئم جبروت اور چوتھی منزل لاہوت ہے۔

کتاب میں تذکرہ کیا گیا ہے کہ مقام محمود، انوار جلال، نور محمدؐ و نور احمدؐ ایک ہی ہیں۔ محمود، محمد، احمد، واحد یعنی ایک ہی چیز ہیں۔ خداوند اقدس نے عناصر اربعہ سے چار وجود پیدا فرمائے اور چار نفس پیدا کیے۔ کشف الاسرار میں ایسی کئی گتھیاں سلجھائی گئی ہیں۔

۴۔ رسالہ تصوف (منظوم)

اس میں حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے اپنے افکار عالیہ منظوم بیان فرمائے ہیں۔ یہ کتاب بھی فارسی میں ہے اور آپؒ کی طرزِ شاعری اور فکر و خیال کی انتہائی بلندیوں کو آپ نے منظوم فرمایا ہے۔ آپ کے شاعرانہ کلام کو غور و فکر کے ساتھ سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ایک صوفی منش انسان کے خیالات معرفت و حکمت سے بھرے ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے اس کتاب کا مطالعہ تصوف سے دلچسپی رکھنے والے خواتین و حضرات اور خصوصاً محققین کے لیے ضروری ہے، جس سے کئی ایمان افروز حقائق کا انکشاف ہو سکتا ہے۔

۵۔ رسالہ آفاق والنفس

رسالہ آفاق والنفس میں حضرت سلطان الہند کے بعض نکات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ یہ بھی فارسی زبان میں ہے۔ اس کا مطالعہ سے بھی تصوف

کے اسرار کے کئی در وا ہو سکتے ہیں، لیکن المیہ یہ ہے کہ ہمارے اسلاف کی خصوصاً اولیاء کرام کی گراں قدر تصنیفات پر وہ توجہ نہیں دی جارہی جس کی یہ کتابیں مستحق ہیں۔ محققین کو ایسی کتابوں کے قلمی نسخے بقدر ہمت و کوشش دستیاب ہو سکتے ہیں، لیکن ہمارے ہاں محققین کی اس طرف توجہ بہت کم ہے۔

۶۔ حدیث المعارف، رسالہ وجودیہ۔ (نایاب تصانیف)

حدیث المعارف اور سالہ وجودیہ جو حضرت سلطان الہند کی تصانیف ہیں۔ان کے بارے میں محققین نے یہی بیان کیا ہے کہ یہ نایاب ہو چکی ہیں، لیکن راقم (مصنف کتاب ہذا) کے نزدیک ہمیں صرف اس خیال پر اکتفا کر کے نہیں بیٹھ جانا چاہیے کہ حضرت خواجہ بزرگ کی یہ دو تصانیف ناپید ہو چکی ہیں اوران کی تلاش سعی لاحاصل ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان میں کہیں کسی کے پاس ان کا قدیم نسخہ ہو۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ علمی اور تحقیقی لوگوں کے کئی مسودہ جات الماریوں میں مقفل پڑے رہتے ہیں۔ان محققین کی آنے والی نسلوں کو اس گراں قدر سرمایہ سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ بعض اوقات یہ قیمتی سرمایہ فضول سمجھ کر ضائع بھی کر دیا جاتا ہے۔تاہم اگر ہمت و استقلال سے کام لے کر برصغیر پاک و ہند میں حضرت سلطان الہند کی یہ نایاب تصانیف تلاش کی جائیں تو کیا عجب قدرت کی مدد شامل حال ہو اور کہیں نہ کہیں سے یہ تصانیف دستیاب ہو جائیں۔

اس خیال کو بھی مسترد نہیں کیا جا سکتا کہ خواجہ بزرگ کی یہ تصانیف انگلینڈ منتقل ہو گئی ہوں کیونکہ انگریزوں نے برصغیر پاک و ہند پر قبضہ کے دوران بہت سی اہم اور نایاب کتب کو اپنی علم دوستی کے طفیل انگلینڈ منتقل کر دیا تھا۔حضرت خواجہ بزرگ کی ان

دونایاب تصانیف کے حوالے قدیم سوانح نگاروں نے دیئے ہیں اور اگر محققین ان کے بارے میں تحقیق کریں تو تاریخ تصوف اور حضرت خواجہ غریب نواز کی زندگی کے متعلق بہت سے حقائق کا علم ہوسکتا ہے۔

مکتوبات سلطان الہند

سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے مکتوبات طالبان حق اور اہل طریقت کے لئے رہنمائی اور اسرار معرفت کی نقاب کشائی کی روشن قندیلیں ہیں۔ یہ خطوط خواجہ غریب نوازؒ نے اپنے خلیفہ اکبر و جانشین حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو وقتاً فوقتاً تحریر فرمائے ہیں۔ یہ خطوط تصوف اور علم معرفت کا بیش بہا خزانہ ہیں۔ ان خطوط میں تصوف کے مختلف نکات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اسلوب نگارش کے لحاظ سے بھی ان خطوط کو طرہ امتیاز حاصل ہے۔ یہ خطوط فارسی زبان کی کتاب ''اسرار الواصلین'' میں ہیں۔ ان میں سے بعض کا اردو ترجمہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

مکتوب 1

حقائق ومعارف سے واقف رب العالمین کے عاشق

برادرم خواجہ قطب الدین کو معلوم ہو کہ لوگوں میں عاقل ترین وہ فقراء ہیں جنھوں نے درویشی اور نامرادی اختیار کرلی ہے کیونکہ اس میں مراد، نامرادی ہے اور نامرادی مراد ہے۔ برخلاف اس کے کہ اہل غفلت نے صحت کو زحمت اور زحمت کو صحت خیال کررکھا ہے۔ پس دانا وہی ہے جو دنیاوی مراد ترک کرکے فقر و نامرادی اختیار کرے اور اپنی مراد چھوڑ کر مرادی سے موافقت کرے۔

نامراد ے تانگردی بامراد کے رسی

پس مرد کو حق تعالیٰ سے وابستگی لازم ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اگر خدا آنکھ دے تو ہر راہ میں سوا اس کے کچھ نہ دیکھے۔

جہاں میں جسے دیکھے، اس میں اس کی حقیقت دیکھے، کیونکہ ہر زرہ خاک جہاں کا ہے، اگر دیکھا جائے بجز شوق مواصلت ظاہری اور کیا لکھوں۔

فقیر

معین الدین حسن چشتی سنجری

مکتوب 2

میرے دلی محب، میرے قلبی دوست

برادرم خواجہ قطب الدین دہلوی

اللہ تعالیٰ آپ کو دونوں جہان کی سعادت عطا فرمائے۔

بندہ مسکین کی طرف سے سلام مسنون کے بعد واضح ہو۔

عزیز من!

جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا وہ کبھی سوال یا خواہش یا آرزو نہیں کرتا جس نے نہیں پہچانا ہے وہ ان کی بات کو نہیں سمجھ سکتا۔

دوسرے حرص وہوا کو ترک کرنا چاہیئے۔

جس نے حرص وہوا کو ترک کیا، اس نے مقصود حاصل کرلیا چنانچہ ایسے شخص کے لئے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

ونهى النفس عن الهوى فان الجنة هي الماوى۔

(جس نے اپنی خواہشات نفسانی کو روکا اس کا ٹھکانا بہشت ہے۔)

جس دل کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے پھیر دیا اسے کثرت شہوت کے کفن میں لپیٹ کر زمین ندامت میں دفن کر دینا چاہیے۔

ایک روز خواجہ بایزید بسطامیؒ نے فرمایا۔

ایک روز میں خواب میں دیدار الٰہی سے مشرف ہوا۔ پوچھا۔ بایزید۔ کیا چاہتے ہو۔ عرض کیا جو تو چاہتا ہے۔

خطاب ہوا! اچھا، جس طرح تو میرا ہے، اس طرح میں تیرا ہوں۔

ہر کہ گردن نہد رضا اورا مر مرا حق نگاہ باں باشد

جو تصوف کی ماہیت سے واقف ہونا چاہے وہ اپنے اوپر آسائش کا دروازہ بند کر لے۔ پھر زانوئے محبت کے بل بیٹھ جائے۔ اگر یہ کام کر لیا تو سمجھو کہ اہل تصوف ہو گیا۔ طالبان حق کو یہ امر دل و جان سے بجا لانا چاہیئے۔ انشاء اللہ وسوسہ شیطانی سے نجات پائے گا اور دونوں جہان کی مرادیں حاصل کرے گا۔

ایک روز میرے مرشد پاک علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

معین الدین: کیا تجھے معلوم ہے کہ صاحب حضور کسے کہتے ہیں؟

صاحب حضور وہ ہے کہ ہر وقت مقام عبودیت میں ہو اور ہر ایک واقعہ کو اللہ کی طرف سے خیال کرے اور جانے اور اس پر راضی رہے۔ وہ جہان کا بادشاہ اس کا محتاج ہے۔

بعض درویش کہتے ہیں کہ جب طالب کمال حاصل کر لیتا ہے تو گھبراہٹ نہیں رہتی۔ یہ غلط ہے۔ دوسرے جو یہ کہتے ہیں کہ عبادت کرنا بھی اس کیلئے ضروری نہیں ہوتا۔ یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ عبادت، بندگی اور عبودیت میں

سر بسجود رہے اور اس کے باوجود عجز کا یہ عالم کہ حضور فرماتے تھے۔
ماعبد ناك حق عبادتك ۔ہم نے تیری ایسی عبادت نہیں کی جیسا کہ حق تھا۔
یقین جانو کہ جب عارف کمالیت کا درجہ حاصل کرتا ہے تو اس وقت کمال درجہ کی ریاضت جس سے مراد نماز ہے۔نہایت صدق دل سے ادا کرتا ہے، جب کوئی شخص یہ معلوم کر کے صدق سے کام لیتا ہے تو اسے اتنی پیاس محسوس ہوتی ہے کویا اس نے آگ کے کئی پیالے پی رکھے ہیں۔جوں جوں ایسے پیالے پیتا ہے پیاس غلبہ کرتی ہے اس واسطے کہ جمال لامتناہی کی انتہا نہیں۔اس وقت اس کا سکون بے سکون اور آرام بے آرام ہو جاتا ہے۔تاوقتیکہ بقائے الٰہی سے مشرف نہ ہو جائے۔ والسلام۔

فقیر

معین الدین حسن چشتی سنجری

مکتوب 3

دردمند، طالب شوق دیدار الٰہی کے آرزومند درویش جفا کیش

میرے عزیز بھائی خواجہ قطب الدین

اللہ تعالٰی دونوں جہان میں آپ کو سعادت نصیب کرے۔

سلام مسنون ۔کے بعد مقصود یہ ہے کہ ایک روز حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ العزیز کی خدمت میں یہ خاکسار خواجہ نجم الدین صغریؒ اور خواجہ محمد ترکؒ حاضر تھے کہ اتنے میں ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر خواجہ حضور سے پوچھا۔

یہ کیونکر معلوم ہو کہ کسی شخص کو قرب الٰہی حاصل ہو گیا ہے۔

خواجہ صاحب نے فرمایا۔نیک عملوں کی توفیق بڑی اچھی شناخت ہے۔یقین جانو

جس شخص کو نیک کاموں کی توفیق دی گئی ہے۔اس کے قرب کا دروازہ کھل گیا ہے۔

پھر آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ۔ایک شخص کے یہاں ایک صاحب وقت لونڈی تھی، جو آدھی رات کے وقت اٹھ کر وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھتی اور شکر حق بجالاتی اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرتی کہ: پرودگار! میں تیرا قرب حاصل کر چکی ہوں، مجھے اپنے سے دور نہ رکھنا۔

اس لونڈی کے آقا نے یہ ماجرا سن کر اس سے پوچھا کہ تمہیں کیوں کر معلوم ہوا کہ تمہیں قرب الٰہی حاصل ہے۔؟

اس نے کہا: مجھے یوں معلوم ہے کہ اس نے مجھے آدھی رات کے وقت جاگ کر دو رکعت پڑھنے کی توفیق دے رکھی ہے۔اس واسطے میں جانتی ہوں کہ مجھے قرب الٰہی حاصل ہے۔آقا نے کہا: لونڈی جا۔میں نے للہ تجھے آزاد کیا۔پس انسان کو دن رات عبادت الٰہی میں مصروف رہنا چاہیئے تا کہ اس کا نام نیک لوگوں کے دفتر میں درج ہو جائے اور نفس و شیطان کی قید سے بچ جائے۔ والسلام

فقیر

معین الدین حسن چشتی سنجری

مکتوب 4

اللہ الصمد کے اسرار سے واقف، لم یلد ولم یولد کے انوار کے ماہر۔

میرے بھائی قطب الدین

اللہ تعالیٰ آپ کے مدارج زیادہ کرے۔

فقیر پُر تقصیر معین الدین حسن چشتی سنجری کی طرف سے خوشی وخرمی آمیز اور انس ومحبت

بحر اسلام پہنچے۔

مقصود یہ ہے کہ تادم تحریر صحت ظاہری کے سبب مشکور ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ثواب دارین عطا فرمائے۔

بھائی: میرے مرشد خواجہ عثمان ہارونی فرماتے ہیں کہ:

سوائے اہل معرفت کے کسی اور کو عشق کے رموزات سے واقف نہیں کرنا چاہئے۔

جب شیخ سعید مکوئی نے آنجناب سے پوچھا کہ اہل معرفت کو کیوں کر پہچان سکتے ہیں۔ تو فرمایا کہ: اہل معرفت کی علامت ترک ہے۔ جس میں ترک ہے یقین جانو کہ وہ اہل معرفت ہے اور اسے خدا شناسی حاصل ہے، اور جس میں ترک نہیں اس میں معرفت حق کی بو بھی نہیں۔ یہ اچھی طرح یقین کر لو کہ کلمہ شہادت اور نفی و اثبات حق تعالیٰ کی معرفت ہے۔

مال و مرتبہ بڑے بھاری بت ہیں، انہوں نے بہت لوگوں کو سیدھی راہ سے گمراہ کیا اور کر رہے ہیں۔ یہ معبود خلائق بن رہے ہیں، بہت لوگ جاہ و مال کی پرستش کرتے ہیں پس جس نے جاہ و مال کی محبت کو دل سے نکال دیا اس نے گویا پوری نفی کر دی، اور جسے حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو گئی اس نے پورا پورا اثبات کر لیا اور یہ بات لا الہ الا اللہ کے کہنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

پس جس نے کلمہ شہادت نہیں پڑھا اسے خدا شناسی حاصل نہیں ہوئی۔

والسلام

فقیر

معین الدین حسن چشتی سنجری

مکتوب 5

مخزن اسرار یزدانی، معدن فیوض سبحانی

میرے بھائی قطب الدین

اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے۔

ایک روز میرے مرشد نے نفی و اثبات کے کلمہ کی بابت کیا خوب فرمایا، کہ نفی اپنے کو نہ دیکھنا اور اثبات اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ہے کیونکہ کوئی خود میں خدا ایں نہیں ہوسکتا۔ پس نفی کی نفی کرنے والا ہونا چاہیئے۔ ورنہ نفی کا کچھ فائدہ نہیں، اگر یہ خیال کریں کہ ہستی صرف اللہ تعالیٰ کی ہستی ہے تو مطلب حاصل ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ کلمہ شہادت، نماز، روزہ وغیرہ کی صورت بھی اور حقیقت بھی ہے ان کے حقائق کو چھوڑ کر صرف ظاہری صورتوں پر قناعت کر لینا فضول ہے۔ وہ شخص بڑا ہی احمق ہے جو ان کے حقائق تک نہیں پہنچ سکتا۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ تھا اور ہمیشہ رہے گا۔ سالک ابتداء میں نابینا ہوتا ہے۔ حق کی طرف سے اسے بینائی حاصل ہو جاتی ہے تو پھر اس سے دیکھتا اور سنتا ہے۔ اپنے آپ کو فراموش کر دیتا ہے جب ایسی صورت ہو جائے تو واصل ہمیشہ کیلئے زندہ ہو جاتا ہے۔

والسلام

فقیر معین الدین حسن چشتی سنجری

مکتوب 6

عارف، معارف حق آگاہ، عاشق اللہ

بھائی قطب الدین اوشی

اللہ تعالیٰ آپ کے فقر کو زیادہ کرے۔

دعا گوکی طرف سے اُنس آمیز سلام کے بعد مکشوف رائے معرفت پیرا ہو۔عزیز من۔ اپنے مریدوں کو ضرور بتا دینا کہ فقیر مرشد کامل سے کیا مراد ہے اور اس کی علامت کیا ہے اور یہ کیونکر پہچانا جاتا ہے۔مشائخ طریقت قدس اللہ اسرارہم نے فرمایا ہے۔

الفقیر ما لا یحتاج الی کل شی ۔

فقیر اس شخص کو کہتے ہیں جو تمام ضروریات سے فارغ ہو اور اس کے باقی رہنے والے جمال کے سوا اور کسی چیز کا طالب نہ ہو، کیونکہ تمام موجودات کے باقی رہنے والے اس کا آئینہ اور مظہر ہیں۔اس واسطے وہ ان سب میں اپنا مقصود دیکھتا ہے۔

بعض بزرگوں نے اس کی تشریح یوں فرمائی ہے کہ۔

کامل فقیر اسے کہتے ہیں کہ جس کے دل سے سوائے حق تعالیٰ کے سب کچھ دور ہو اور سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی اس کا مقصود مطلوب نہ ہو۔

جب ماسوائے اللہ دل سے دور ہو جاتا ہے مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔پس طالب کو ہمیشہ مطلوب و مقصود کے در پے رہنا چاہیئے۔اب یہ معلوم کر لینا چاہیئے کہ مطلوب و مقصود کیا ہے۔معلوم ہونا چاہیئے کہ مقصود یہی دردو سوز ہے، خواہ حقیقی ہو یا مجازی، یہاں سوز مجازی سے مراد ابتدائے احکام شریعت ہے۔

والسلام

فقیر معین الدین حسن چشتی سنجری

حضرت سلطان الہند کے خلفاء و متابعین

سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز کا وصال 6 رجب المرجب 632 ہجری میں اسی حجرے میں ہوا، جس میں آپ اقامت پذیر تھے۔ عرصہ تک آپ عبادت میں مشغول رہے۔ بوقت رحلت آپ کی عمر 97 برس تھی۔ آپ کی نماز جنازہ آپ کے بڑے صاحبزادے اور سجادہ نشین حضرت سید احمد المعروف خواجہ سید فخر الدین نے پڑھائی۔

روحانی اور علمی وراثت ایک ایسی چیز ہے کہ جو صرف اور صرف اس کے اہل کو منتقل ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو اس علمی اور روحانی وراثت کا اہل ثابت نہیں کرتا تو یہ وراثت منتقل نہیں رہتی اور پردہ اخفاء میں چلی جاتی ہے۔ امت مسلمہ کا حال ہمارے سامنے ہے، جب مسلمانوں نے اپنے آپ کو علم کی قدروں سے جوڑے رکھا تو پورے عالم میں ان کا طوطی بولتا رہا اور جب علم، تحقیق و تلاش سے ناطہ توڑ لیا تو اپنے اسلاف کی (بحیثیت قوم مجموعی طور پر) علمی وراثت سے ہاتھ دھو بیٹھے اور تحقیق و تلاش، ایجادات و اختراعات کی یہ وراثت مغربی اقوام کو منتقل ہوگئی، جنہوں نے غور و فکر اور ریسرچ سے اپنا تعلق قائم کیے رکھا۔

یہی حال روحانی وراثت کا ہے اگر ایک روحانی بزرگ کے علمی ورثہ کا کوئی اہل نہیں بن پاتا تو یہ علمی وراثت بھی منتقل نہیں ہوتی۔ ان حقائق کا کما حقہ' حضرت سلطان الہند ؒ کو ادراک تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی حیات مبارکہ میں ہی اپنے خلفاء و متابعین کی ایک جماعت تیار کرلی تھی۔ آپ کے اہم خلفاء و مریدین کی تفصیل بذیل ہے۔

ا۔ حضرت قطب الدین بختیاری کاکی ؒ اوشی دہلوی۔ (خلیفہ اعظم)

۲۔ حضرت سید احمد المعروف خواجہ فخر الدینؒ (پسر)۔

۳۔ حضرت شیخ صوفی حمید الدین ناگوریؒ۔

۴۔ حضرت شیخ نظام الدینؒ۔

۵۔ حضرت نیاز اللہ خراسانیؒ۔

۶۔ حضرت محی الدینؒ۔

۷۔ حضرت شیخ احمد کابلیؒ۔

۸۔ حضرت سلطان شاہؒ۔

۹۔ حضرت قادر سعیدؒ۔

۱۰۔ حضرت احمد مہرؒ۔

۱۱۔ حضرت سبحان علی خانؒ چھتی۔

۱۲۔ حضرت امیر بر باقیؒ سد سہاگ۔

۱۳۔ حضرت ہادی محمد عفرتؒ۔

۱۴۔ حضرت نظام خان ترکؒ۔

۱۵۔ حضرت مردغار خان ترکؒ۔

۱۶۔ حضرت محمد اصغر بہاریؒ۔

۱۷۔ حضرت نعمت اللہ صفاؒ۔

۱۸۔ حضرت رمادا کبر شاہؒ۔

۱۹۔ حضرت سرور احمدؒ۔

۲۰۔ حضرت معروف شہاب قریشیؒ۔

۲۱۔ حضرت سخیا احمدؒ۔

۲۲۔ حضرت عزیز احمد شاہ۔

۲۳۔ حضرت کریم شعیبؒ۔

۲۴۔ حضرت حسن داؤد جیؒ۔

۲۵۔ حضرت ابوالفرحؒ قریشی۔

۲۶۔ حضرت شیخ حمید الدینؒ

۲۷۔ حضرت شیخ احمدؒ۔

۲۸۔ حضرت شیخ محمد زاہد ترکؒ۔

۲۹۔ حضرت عبداللہ بیابانیؒ۔

۳۰۔ حضرت شیخ صدرالدینؒ کرمانی۔

۳۱۔ حضرت خواجہ قدوۃ الدین قاضیؒ۔

۳۲۔ حضرت شیخ محمد ترک نارلویؒ۔

۳۳۔ حضرت شیخ محمد یادگار سبزواریؒ۔

۳۴۔ حضرت امام الدین دمشقیؒ۔

۳۵۔ حضرت احمد شہابؒ کوفی۔

۳۶۔ حضرت داؤد الدینؒ۔

۳۷۔ حضرت غلام ہادیؒ ترک۔

۳۸۔ حضرت احمد خان درانیؒ۔

۳۹۔ حضرت قرآن احمدؒ۔

۴۰۔ حضرت اظہر خانؒ ترک۔

۴۱۔ حضرت فقیر محمدؒ۔

۴۲۔ حضرت احمد خان غازیؒ۔

۴۳۔ حضرت کیوالؒ۔

۴۴۔ حضرت اصغر قندھاریؒ۔

۴۵۔ حضرت سوغی بہادر شاہؒ۔

۴۶۔ حضرت مراد بیگ مغلؒ۔

۴۷۔ حضرت شہاب خان ترکؒ۔

۴۸۔ حضرت محمود احمدؒ۔

۴۹۔ حضرت غریب اصغرؒ۔

۵۰۔ حضرت ظہیر الدینؒ۔

۵۱۔ حضرت عبداللہ اصغرؒ۔

۵۲۔ حضرت عبد الغفارؒ۔

۵۳۔ حضرت موشیوخؒ عراقی۔

۵۴۔ حضرت یعقوبؒ۔

۵۵۔ حضرت کریم احمد شاہؒ۔

۵۶۔ حضرت خواجہ احمد شاہؒ۔

۵۷۔ حضرت خواجہ برہان الدینؒ۔

۵۸۔ حضرت شمس الدینؒ توقانی۔

۵۹۔ حضرت شیخ وجیہ الدینؒ خراسانی۔

۶۰۔ حضرت سلطان ابو مسعودؒ غازی۔

۶۱۔ حضرت شیخ علی سنجریؒ۔

حضرت سلطان الہندؒ کے یہ خلفاء اور متابعین اطراف واکناف میں پھیل گئے اور اپنا ایک ایک مرکز بنا کر خاموشی کے ساتھ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے مشن حق کو پورا کرتے رہے۔

سلطان الہندؒ کے بعد چار مشہور بزرگ

حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے بعد ان کے جن چار سرفہرست بزرگوں نے لوگوں کے دلوں کو مسخر کیا، کی تعداد چار ہے۔

۱۔ حضرت خواجہ سید قطب الدین بختیار کاکیؒ۔
۲۔ حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ۔
۳۔ حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاءؒ۔
۴۔ حضرت مخدوم علاؤالدین سید علی احمد صابر کلیریؒ۔

۱۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سلطان الہند خواجہ خواجگان حضرت معین الدین چشتی غریب نوازؒ چشتی کے خلیفہ تھے۔ترکستان کے قصبہ ''اوش'' ماورالنہر میں پیدا ہوئے۔والد ماجد کا نام ''سید کمال الدین'' تھا، جن کا سلسلہ نسب 17 واسطوں سے حضرت امام علیؑ سے جاملتا ہے،

کتاب فردوسیہ قدسیہ اور جواہر فریدی جیسی تاریخی کتب میں تفصیلی شجرہ موجود ہے، لیکن اس کتاب میں دیئے گئے تمام ناموں کا تذکرہ زیرنظر کتاب میں کرنا ممکن نہیں.........المختصر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سید حسینی ہیں اور ان کے نسب کا سلسلہ امیر المومنین امام حسین بن علی تک پہنچتا ہے۔آپؒ کے نسب کا سلسلہ بذیل ہے۔

خواجہ سید قطب الدین بختیار کاکیؒ ابن خواجہ کمال الدین ابن سید محمد ابن سید اسحاق ابن سید

معروف ابن سید احمد ابن سید رضی الدین ابن سید حسام الدین ابن سید رشید الدین ابن سید امام محمد تقی الجواد ابن امام علی رضا ابن امام موسیٰ کاظم ابن امام جعفر صادق ابن امام محمد باقر ابن امام زین العابدینؑ ابن امام حسینؑ ابن امیر المومنین حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم

(روضۃ الاقطاب)

شجرہ نسب قلمی

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ ابن سید کمال الدین ابن سید محمد، ابن سید اسحاق، ابن سید معروف، ابن سید رضی الدین ابن سید حسام الدین، ابن سید رشید الدین ابن سید جعفر ابن امام زادہ سید حسن، ابن امام موسیٰ کاظمؑ، ابن امام جعفر صادقؑ، ابن امام محمد باقرؑ، ابن امام زین العابدینؑ، ابن سید الشہداء امام حسینؑ، ابن امیر المومنین امام علیؑ۔

آپ کے تین صاحبزادے خواجہ سید اطہر، خواجہ سید احمد اور خواجہ سید محمد تھے۔ خواجہ سید اطہر اور خواجہ سید احمد سے اولاد کا سلسلہ جاری ہے۔

(نوٹ) آپ کے شجرہ نسب کے حوالہ سے اختلاف پایا جاتا ہے، مگر آپ کی سیادت میں کوئی شک نہیں ہے۔ سوائے گمراہوں اور حیلہ سازوں کے کوئی آپ کی سیادت پر شک نہیں کرسکتا۔

آپ ایک ڈیڑھ سال کے تھے کہ والدین کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ابتدائی تعلیم مولانا ابو حفص سے حاصل کی۔ حضرت خواجہ غریب نوازؒ جب "اوش" تشریف لائے تو آپ نے ان کی بیعت کر لی اور صرف سترہ سال کی عمر میں ہی خرقہ خلافت پالیا۔ ایک مدت تک مرشد محترم کے ہمرکاب اور پھر بعد ازاں تنہا سیر و سیاحت میں مصروف رہے۔

''تذکرۃ الاولیاء'' ہند کے مطابق آپ نے بغداد شریف میں حضرت امام موسیٰ کاظم ؑ کے روضہ مبارک سے متصل مسجد میں ''امام ابو اللیث سمرقندی''، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، حضرت شیخ واحد الدین کرمانی، حضرت شیخ برہان الدین چشتی اور شیخ محمود اصفہانی کی موجودگی میں حضرت خواجہ غریب نوازؒ سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ بعد ازاں آپ کی ملاقات حضرت خواجہ ابو یوسف چشتی سے بھی ہوئی۔ دوران سیاحت آپ کو حضرت شیخ جلال الدین تبریزی نے بتایا کہ حضرت سرکار غریب نوازؒ ہندوستان تشریف لے گئے ہیں، تب آپ بھی عازم اجمیر ہوئے۔ راستے میں ملتان پہنچ کر حضرت شیخ بہاؤ الدین ذکریا کے ہاں قیام فرمایا۔ یہیں حضرت بابا فرید گنج شکر نے آپ کو پہلی مرتبہ دیکھا۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی نظر کیمیا ان کے دل میں اتر گئی اور آپ ان کے سلسلہ بیعت سے منسلک ہو گئے اور پھر حضرت بابا فرید ''خواجہ فرید الدین گنج شکر مسعود چشتی'' کہلائے۔

۲۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر مسعود چشتیؒ

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے جد امجد حضرت شیخ شہاب الدین کابل کے رہنے والے تھے اور ''فرخ شاہ'' کے لقب سے ملقب تھے۔ آپ کا خاندان افغانستان میں آباد تھا اور بڑی عزت وتکریم کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کا سلسلہ نسب اپنے جد امجد ''فرخ شاہ'' اور سلطان ابراہیم ادھم سے ہوتا ہوا حضرت عمر فاروق ؓ سے جا ملتا ہے۔ آپ کے والد بزرگوار شیخ جمال الدین سلیمان تھے۔ جن ایام میں کابل پر چنگیز خانی لشکر نے حملہ کیا، آپ ایک معمولی زمیندار تھے۔ آپ اس کی فوج میں شامل ہوئے جو خوارزم شاہیوں نے تاتاریوں کے مقابلہ کے لیے تیار کی تھی۔ اس فوج کو شکست ہوئی تو آپ ہجرت کر کے لاہور آ گئے۔ چند یوم لاہور قیام کرنے کے بعد پہلے قصور اور پھر ملتان چلے آئے۔

حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ نے 5 محرم الحرام سن 664 ہجری کو 95 برس کی عمر میں وفات فرمائی۔ آپ کی والدہ ماجدہ ''حضرت قرسم خاتون'' بڑی نیک اور پرہیزگار تھیں۔ جنہوں نے آپ کی تربیت گھر پر ہی کی۔ کچھ درسی کتابیں آپ کو ناناملا وجیہہ الدین نے پڑھائیں۔ پھر آپ ملتان آگئے اور مولانا منہاج الدین کی مسجد میں اقامت اختیار کی اور ان سے فقہ، تفسیر، حدیث، منطق اور فلسفہ میں کمال حاصل کیا۔ قرآن پاک بھی یہیں حفظ کیا۔ حضرت بہاؤ الدین ذکریاؒ ملتانی سے آپ کی بڑی بے تکلفی تھی۔ اسی یاد میں ایک مرتبہ حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانی نے آپ کو لکھا۔

''درمیاں ماوشما عشق بازی است''۔ (ہمارے تمہارے درمیان عشق بازی ہے)

اس پر حضرت بابا فرید الدینؒ نے جواب دیا۔

''درمیاں، ماوشما است، بازی نیست''۔

(ہمارے تمہارے درمیان عشق ضرور ہے بازی نہیں ہے)

حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے بدخشاں، غزنی، بغداد، قندھار اور سیستان میں علوم ظاہری وباطنی حاصل کیے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، حضرت خواجہ اجل سنجریؒ اور حضرت شیخ سیف الدین باخرزیؒ سے بغداد میں رہ کر ملاقاتیں کی۔ غزنی میں حضرت بابا فرید الدینؒ کو امام حداوی کی صحبت سے فیضیاب ہونے کا موقع ملا۔ سیستان میں شیخ اوحد الدین کرمانیؒ سے ملاقات کے مواقع حاصل ہوئے۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے خرقہ خلافت حاصل کرنے کے بعد باقی عمر پاکپتن میں تبلیغ حق میں گزاری اور یہیں انتقال فرمایا اور یہیں مدفون ہوئے۔

حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ اور حضرت مخدوم علاؤ الدین سید علی احمد صابرؒ کلیری آپ کے خلفاء اعظم تھے۔

۳۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ

حضرت نظام الدین اولیاءؒ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے جانشین تھے۔ آپکا اصل نام سید محمد نظام الدین، والد گرامی کا نام سید احمد بخاری ہے۔ آپ کے القابات نظام الدین اولیاء، محبوب الٰہی، سلطان المشائخ، سلطان الاولیاء اور زری زر بخش وغیرہ ہیں۔

حضرت نظام الدین اولیاء 18 ربیع الثانی 636 ہجری بروز بدھ بدایون میں پیدا ہوئے۔ اسم گرامی "محمد" تھا۔ والد ماجد سید احمد بن سید علی نجیب الطرفین نقوی البخاری سید تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب انیسویں پشت میں امیر المومنین حضرت علیؓ سے جاملتا ہے۔ آپ پانچ برس کے تھے کہ والد گرامی کی شفقت سے محروم ہو گئے۔ والدہ ماجدہ نے دینی تعلیم دلوانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ یہ ان کی تربیت ہی کا اثر تھا کہ آپ نے مولانا علاؤالدین اصولیؒ، شمس الملک حضرت مولانا شمس الدین وامعانیؒ سے تعلیم حاصل کی جو اس زمانے میں درس و تدریس کی ہمہ گیر شہرت رکھتے تھے۔ پھر کچھ عرصہ مولانا کمال الدین زاہد سے بھی پڑھتے رہے، جو دہلی کے متقی و پرہیز گار اور جید عالم تھے۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ سے انتہائی درجہ انسیت و عقیدت تھی۔ چنانچہ دہلی سے کئی مرتبہ مرشد کی زیارت کے لیے تشریف لائے۔ "محبوب الٰہی" کا لقب آپ کو حضرت بابا فرید الدین گنج شکر نے ہی عطا فرمایا تھا، جو اکثر کہا کرتے تھے۔

"علم سینہ من بہ نظام الدین اولیاء بدایوانی رسید، و علم دل من بہ شیخ علاؤ الدین علی احمد صابر فائز گردیدہ"۔ (سیر الاقطاب)

حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاءؒ سلسلہ چشتیہ کے اکابرین میں سے تھے

کہ جنہوں نے 725ہجری میں داعیِ اجل کو لبیک کہا اور اپنے پیچھے لاکھوں عقیدت مند فرقت کے آنسو بہانے کے لیے چھوڑ گئے۔

حضرت نظام الدین اولیاء کی زندگی میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ آپ نے بیعت کے دروازے سب خاص و عام کے لیے کھول دیئے۔گناہ گاروں کو خرقہ پہناتے اوران سے توبہ کرواتے تھے۔حضرت علامہ اقبال نے اسی لیے تو فرمایا ہے۔

ے

تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا

لیکن حضرت امیر خسروؒ نے اپنے مرشد کریم کی جو تعریف جس انداز میں فرمائی ہے، وہ تعریف بہت اعلیٰ ہے۔

ے

وجود خواجہ نہ از آب و گلِ گشتہ مرتب
کہ جاں خضر و مسیحا بہم شد مرکب

حضرت محبوب الٰہی کے خلفاء میں حضرت امیر خسروؒ، حضرت خواجہ سید نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ، شیخ قطب الدین منور ہانسویؒ، شیخ برہان الدین غریبؒ، شیخ حسن دہلویؒ، شیخ منتخب الدین خلد آبادیؒ، شیخ شرف الدین بوعلی قلندرؒ، خواجہ ضیاء الدین برنیؒ اور خواجہ سید حسام الدین سوختہؒ (اولادِ معین الدین چشتی) مشہور ومعروف ہیں۔

۴۔ حضرت مخدوم علاؤالدین سید علی احمد صابر کلیریؒ

حضرت علی احمد صابر کلیریؒ 19 ربیع الاول 592ہجری بروز جمعرات بوقت تہجد پیدا ہوئے۔آپ کی والدہ ماجدہ راوی ہیں کہ انہیں حضرت علی ابن ابی طالبؑ نے خواب میں بیٹے کی ولادت کی بشارت دی اور اس کا نام "علی" تجویز کیا تھا۔اس بشارت کے دوسرے روز حضور سرور کائناتؐ نے عالم رویا میں حکم فرمایا تھا کہ علی کے ساتھ احمد کو نام کا جز بنایا جائے۔چنانچہ آپ علی احمد مشہور ہوئے۔

ایک روایت کے مطابق آپ حضرت امام جعفر صادقؑ کی اولاد امجاد میں سے ہیں جبکہ دوسری روایت کے مطابق آپ حضرت غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانیؒ کے خاندان سے تھے۔حضرت علی احمد صابر کلیریؒ کی عمر سات سال کی تھی کہ والد گرامی کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔25 شعبان المعظم 600ہجری کو آپ کی والدہ آپ کو اپنے بھائی حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے ہاں لے آئیں۔جہاں حضرت بابا فرید الدین گنج شکر مسعود چشتیؒ نے آپ کو بیعت سے مشرف فرمایا اور پہلے دہلی اور بعد ازاں تبلیغ اسلام کی خاطر مستقل طور پر کلیر میں سکونت اختیار کرنے کا حکم دیا۔یہیں حضرت نے 13 ربیع الاول 695ہجری کو 98برس کی عمر میں وفات پائی۔

حضرت خواجہ شمس الدین ترکؒ پانی پتی آپ کے خلیفہ تھے۔ایک مرتبہ حضرت امیر خسروؒ آپ کی بیعت کے لیے حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ جاؤ دہلی میں حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ ہی کی بیعت کرو، وہ میرے پیر بھائی ہیں۔ان کے اتنے مرید ہیں جتنے آسمان پر ستارے۔حضرت پیران کلیرؒ کے توسط سے ارادت مندی کا جو سلسلہ شروع ہوا، وہ چشتی صابری کہلایا۔حضرت نظام الدین اولیاؒ وہ روشن چراغ تھے جنہوں نے آفتاب جہاں تاب چشت سے روشنی حاصل کی۔

حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے اپنے مسلک ومشرب کا جو چراغ ہدایت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے نام سے جلایا، اس کی ایک روشنی عالم میں چہار سو پھیل گئی۔

حضرت امیر خسروؒ

حضرت امیر خسرو کا پورا نام ابوالحسن یمین الدولہ اور تخلص "خسرو" تھا۔ 651ہجری میں قصبہ پٹیالی ضلع "ریٹہ" میں پیدا ہوئے۔ والد گرامی امیر سیف الدین اور نانا عماد الملک تھے، جو غیاث الدین بلبن کے وزیر جنگ رہے۔ "فرشتہ" کے مطابق آپکے والد گرامی امراء بلخ میں سے تھے اور چنگیز خان کے حملہ سے قبل ہی ہندوستان ہجرت کر کے آئے تھے۔ سات برس کی عمر میں امیر خسرو باپ کے سایہ شفقت سے محروم ہو گئے اور آپ کی پرورش کا بوجھ نانا عماد الملک کو اٹھانا پڑا۔ ذہین اتنے تھے کہ 15برس کی عمر میں مروجہ علوم کی تکمیل کر لی۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ مرشد کریم سماع سنتے تو امیر خسروؒ ہمیشہ ان کے دائیں طرف بیٹھتے۔ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہیؒ بھی آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ "ترک اللہ" خطاب حضرت نظام الدین اولیاء نے آپ کو عطا کیا تھا۔ اس بارے میں فرماتے ہیں۔

؎

بر زبانت چوں خطاب بندہ ترک اللہ بود
دست ترک اللہ گیر وہم بہ للہش سپر

حضرت امیر خسروؒ ایک ہمہ گیر اور پہلو دار شخصیت کے مالک تھے۔ ذہن رسا ہر طرف رواں تھا۔ بیک وقت صاحب حال صوفی، عظیم فلسفی اور جید عالم تھے اور فن موسیقی کے بے مثال استاد اور مسلم الثبوت شاعر بھی۔ آپ کی تصانیف کی تعداد 99 شمار کی جاتی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق آپ نے صرف فارسی اور ہندی میں پانچ لاکھ اشعار فرمائے اور اپنے مرشد کے پاؤں کی طرف دفن ہوئے۔

حضرت خواجہ سید نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ

حضرت خواجہ سید نصیر الدین ''محمود چراغ'' آپ کے پیر بھائی تھے، جو حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے خلیفہ اعظم تھے اور جنہیں حضرت محبوب الٰہیؒ نے تبلیغ حق کے لیے مامور کیا تھا۔

حضرت نصیر الدین گنج محمود چراغ دہلویؒ کی ولادت ''اودھ'' میں ہوئی۔ آپ حسنی سید تھے۔ اصل نام ''محمود'' لقب ''چراغ'' اور ''نصیر الدین'' تھا۔ 9 سال کی عمر میں یتیم ہو گئے تھے۔ تعلیم و تربیت کے ابتدائی مدارج والدہ ماجدہ کی زیر نگرانی طے کیے۔ بعد ازاں حضرت مولانا عبدالکریم شروانی اور مولانا افتخار الدین محمد گیلانی سے علم حاصل کرتے رہے۔ 43 سال کی عمر میں حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہوئے اور باقی ساری عمر مجاہدہ و ریاضت اور دین حق کی تبلیغ میں گزار دی۔

سلسلہ چشت کے دوسرے عظیم المرتبت بزرگوں کی طرح آپ بھی سماع کا ذوق رکھتے تھے۔ رحلت پر حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز بندہ نوازؒ نے آپ کو غسل دیا، جو آپ کے خلیفہ تھے۔

حضرت خواجہ سید محمد گیسودرازؒ

آپ کا اصل نام "سید محمد الحسینی" تھا اور لقب گیسودراز بندہ نواز تھا۔آپ کی ولادت دہلی میں ہوئی۔والد گرامی حضرت سید یوسفؒ اہل اللہ میں سے تھے۔اولیائے کرام وصوفیائے عظام میں فقہ،حدیث،تفسیر،منطق اور علم وادب کے موضوع پر ایک سو پانچ کتابیں تصنیف فرمائیں۔ایک سو چار برس کی عمر میں 16 ذیقعد 825ہجری کو "گلبرگہ" حیدرآباد(دکن) میں انتقال فرمایا۔اپنی پوری زندگی اسلامی تعلیمات کو فروغ دینے میں بسر کی۔

سلسلہ چشتیہ کے معروف بزرگ

سلسلہ چشتیہ کے یہ وہ بزرگ ہیں،جنہوں نے ساری دنیا میں سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی جلائی ہوئی شمع ہدایت کو فروزاں رکھا اور جب انتقال فرما گئے تو اپنے خلفاء کو اس کی پاسداری کی تلقین کر گئے اور پھر یہ شمع سلسلہ چشتیہ کے بزرگوں کی مجاہدانہ ریاضت واستقامت سے ہمیشہ فروزاں رہی۔ان کے بعد جو بزرگ اس شمع کی حفاظت پروانہ وار کرتے رہے،ان کے اسمائے گرامی بذیل ہیں۔

1	شیخ عبدالقادر انصاریؒ	13	مولانا عبدالعزیز بگویؒ۔
2	شیخ احمد شوریانیؒ	14	خواجہ محمد دین سیالویؒ۔
3	حضرت شاہ بہلول چشتیؒ	15	احمد میروی چشتی۔
4	محب النبیؐ فخر الدینؒ	16	میاں محمد شاہؒ۔
5	خواجہ نور محمد مہارویؒ۔	17	مولانا محمد ذاکر بگویؒ۔
6	حضرت شیخ محمد سعیدؒ۔	18	خواجہ فاروق حسنؒ۔

7	شاہ محمد سلیمانؒ۔	19	شاہ علی حسین کچھوچھویؒ۔
8	حضرت میاں غلام مصطفیٰؒ۔	20	پیر سید مہر علی شاہ گولڑویؒ۔
9	حضرت خلیفہ اللہ دتہ چشتی۔	21	خواجہ محمد یار فریدیؒ۔
10	خواجہ محمد حسن صابریؒ۔	22	خواجہ حسن نظامی دہلویؒ۔
11	حضرت خواجہ غلام فریدؒ۔	23	سید محمد کچھوچھوی محدث اعظمؒ
12	خواجہ اللہ بخش تونسویؒ۔		

ایک نقل یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ ایک دن حضرت خواجہ معین الدین چشتی حرم کعبہ میں عبادت میں مشغول تھے کہ ندا آئی "اے معین الدین! میں تم سے خوش ہوں اور میں نے تمہیں بخش دیا اور جو دل کی مراد ہو، وہ مانگ لو تا کہ میں عطا فرما دوں۔ آپ نے عرض فرمائی یا الٰہی! معین الدین کے مریدوں کو جو شجرے سے اس تک پہنچ جائیں، بخشش فرما دیں"۔ فرمان آیا "تمہارے مرید اور مریدوں کے مرید جو نیک عمل کریں گے، قیامت تک آپ کے صدقے بخش دیئے گئے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ "جو میرا مرید ہوا یا جو میرے مریدوں کا مرید ہوا اور جو شجرے سے مجھ تک پہنچا تو اس وقت تک معین الدین بہشت میں قدم نہیں رکھے گا، جب تک کہ اس کو بہشت میں نہ لے جائے"۔ (واضح رہے کہ یہ بات ان اصحاب صالحہ کے لیے ہے، جو رحمانی طرز فکر پر کاربند رہیں گے۔ کاربند رہنے کی سعی کرتے رہیں گے)۔

لفظ "چشتی" حضرت خواجہ غریب نوازؒ سے ان کی اولاد، مریدین اور ان کے آباؤ اجداد کے پرخلوص محبت کا تابندہ نشان بنا رہا۔ ان بزرگوں کے آستانے آج بھی خیر و برکت کے مراکز ہیں۔ جہاں انوار چشت کی ضیاء پاشیاں جگمگا رہی ہیں اور طلب رکھنے والے دلوں کو منور کر رہی ہیں۔ کچھ برگزیدہ ہستیاں اور بھی ہیں جو حضرت خواجہ غریب نواز کی روشن کی ہوئی قندیل اٹھائے ہوئے ہیں۔ ان کی کچھ تفصیل بذیل ہے۔

1	حضرت شاہ یعقوب صدر دیوان لاہوری۔	10	سید بھکاری خان چشتیؒ۔
2	شاہ مروانی چشتیؒ۔	11	حضرت خیر شاہ چشتیؒ۔
3	پیر محمد چشتیؒ۔	12	سید کمال حسین شاہ چشتیؒ۔
4	حاجی جان اللہ چشتیؒ۔	13	شیخ محمد رمضان چشتیؒ۔
5	شیخ عبدالخالق چشتیؒ۔	14	خواجہ حسین چشتیؒ۔
6	سید صبور شاہؒ۔	15	سید چراغ علی شاہ چشتی لاہوری۔
7	حضرت ولی چشتیؒ۔	16	مولانا غلام قادر چشتیؒ۔
8	حضرت سید غلام محمد چشتیؒ۔	17	حافظ محمد امین شاہ چشتیؒ۔
9	شیخ دریام شاہ چشتیؒ	18	پیر نواز علی شاہ صابری چشتیؒ۔

جن اولیائے چشت سے اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی تبلیغ کا سب سے زیادہ کام لیا، ان کی انفرادیت یہ ہے کہ وہ اسم با مسمّٰی تھے اور ان کے اسماء گرامی کے ساتھ "دین" کا لفظ اس امر کی دلالت کرتا ہے کہ وہ اللہ کے دین کو قریہ قریہ، نگر نگر اور گھر گھر پہنچانے میں شبانہ روز مصروف رہے۔ مثال کے طور پر حضرت خواجہ غریب نواز اگر "معین الدین" تھے تو خواجہ قطب الدین بختیار کاکی "قطب الدین"، حضرت فرید گنج شکر "فرید الدین"، مخدوم پاک علی احمد صابری کلیری "علاؤالدین"، حضرت محبوب الٰہی دہلوی "نظام الدین"، حضرت خواجہ قطب ہانسوی "جمالدین"، خلیفہ حضرت صابر ترک "شمس الدین"۔ حضرت شمس پانی پتی "جلال الدین" تھے۔

اس کے بعد "الدین" کئی مشہور سلسلوں کا مرکز و محور بن گیا اور یہ تمام خلفاء اتباع خواجہ کے آستانہ عالیہ پر حاضری لگا کر فیض یاب ہوتے رہے۔

☆☆☆☆☆

باب ہفتم

خواجہؒ کی نگری اجمیر شریف تاریخ کے آئینے میں

اجمیر:___ صدیوں پُرانا شہر

مسافت:___ دہلی سے 258 میل یعنی 416 کلومیٹر اکبرآباد سے 228 میل یعنی 367 کلومیٹر سیستان (ایران) سے چشت ہرات (افغانستان) کا فاصلہ 1145 کلومیٹر

چشت ہرات سے اجمیر شریف 2390 کلومیٹر

چشت سے بغداد 2056 کلومیٹر

لاہور سے اجمیر 759 کلومیٹر

لاہور سے دہلی 494 کلومیٹر

اجمیر سے مندو 323 کلومیٹر

آبادی:___ تقریباً پانچ لاکھ انچاس ہزار ایک سو اکتیس نفوس پر مشتمل ہے

قدیم نام:___ جیدرک، جےمیر، جمیر، جیانگر اور جلوپور

حدود اربعہ:___ شمال میں جے پور، مشرق میں کشن گڑھ جنوب میں کوہ اراولی اور مغرب میں دریائے سوئی

دارالخیر___ اجمیر ایک نہایت قدیم اور تاریخی شہر ہے۔ یُوں تو اسے تاریخ کے ہر دَور میں کچھ نہ کچھ اہمیت حاصل رہی ہے لیکن حضرت خواجہ غریب نوازؒ کا آستانہ ہونے کی وجہ سے اس کے نصیب میں جو شہرت لکھی گئی، وہ بے مثال اور لازوال ہے۔ مدتّوں یہ شہر سیاسی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ آج اس کی حیثیت اس سے بھی زیادہ ہے اس لئے کہ یہ روحانیت کا مرکز و مستقر ہے، علم و عرفان کا گہوارہ ہے، چشت کا منبع و مسکن ہے، اسلام کا مضبوط و مستحکم قلعہ ہے اور اسے حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے بابرکت قدموں کے طفیل وہ

مقامِ عروج ملا ہے کہ برصغیر کی تاریخ اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی۔اس بے نظیر شہر کی اپنی تاریخ ہے، جو منفرد بھی ہے اور صدیوں پرانی بھی۔اس شہر نے سینکڑوں انقلابات دیکھے۔اس کے نقوش بنتے اور بگڑتے رہے مگر اس کی عظمتِ رفتہ قائم و دائم رہی۔دَورِ حاضرہ میں قدیم اجمیر کے کھنڈرات چشم بینا کے لئے سامانِ عبرت مہیا کرتے ہیں اور جدید شہر پانچ ہزار سال قبل کی داستانیں دہراتا ہے۔یہ ان دِنوں کا ذکر ہے۔جب ہندوستان میں جد ہشٹر کا راج تھا جسے چتر بھوجا بھی کہتے ہیں۔اس نے اپنے دَورِ حکومت میں ایک شہر 'تہروالہ' آباد کیا، جو بعد ازاں 'انہل پور' کہلایا۔راجہ جد ہشٹر کو نجومیوں نے یہ پیش گوئی کی تھی کہ ٹھیک ساڑھے تین ہزار سال کے بعد یہ شہر ویران و برباد ہو جائے گا۔

چنانچہ یہ پیش گوئی حقیقت ثابت ہوئی اور سلطان علاؤالدین نے اس شہر کو نیست و نابود کر کے رکھ دیا۔ایک روایت کے مطابق انہل پور ہی اجمیر کہلایا جس کی بنیاد راجہ واسدیو نے رکھی۔راجہ واسدیو مشہور بودھ راجہ ہویشک کا بیٹا تھا جو اپنے باپ راجہ کنشک کے مرنے کے بعد 120ء میں سریر آرائے سلطنت ہوا اور بیس برس تک بڑی شان بان سے حکومت چلاتا رہا۔واسدیو اپنے باپ دادا کی بہ نسبت اچھا حکمران ثابت نہ ہو سکا اور اس کے عہد میں جگہ جگہ یورشیں ہوئیں۔باغیوں میں نواحی علاقہ انہل پور کا راجہ اجے پال تھا۔وہ کنشک خاندان کا باجگذار تھا،اس کی حکومت پٹن (گجرات) تک تھی جو اس کا پایہ تخت تھا۔اس نے راجہ واسدیو کی فوج کو شکست دے کر راجپوتانہ کے کافی علاقہ پر قبضہ کر لیا۔جس میں اجمیر کا علاقہ بھی شامل تھا۔راجہ جے پال نے اجمیر کو اپنا دارالسلطنت قرار دے کر ایک جداگانہ حکومت کا اعلان کر دیا۔

کہا جاتا ہے کہ اجمیر کی بنیاد راجہ واسدیو نے پہلے ہی ڈال دی تھی،البتہ اس کو رونق و وسعت راجہ اجے پال نے دی۔اس زمانہ میں یہ شہر 'کوہ اجگند' کے قریب آباد تھا۔'کوہ اجگند' کے معنی ''بکریوں کا پہاڑ'' کے ہیں۔مؤرخین کا خیال ہے کہ اس علاقہ میں بھیڑ بکریاں بکثرت ہوتی تھیں یہی وجہ ہے کہ اس جگہ کا نام 'کوہ اجگند' پڑ گیا۔راجہ اجے پال نے کوہ اجگند کے تمام بوسیدہ مکانات منہدم کروا کے ایک نئے شہر کی بنیاد رکھی اور اپنے نام کے پہلے

جسے اجے کے ساتھ میر کے لفظ کو ملا کر اس کا نام اجمیر رکھا۔ میر' سنسکرت میں پہاڑ کو کہتے ہیں۔ راجہ موصوف کا بسایا ہوا یہی شہر آج کل 'اجمیر' کے نام سے موسوم ہے۔ مختلف ادوار میں اسے مختلف ناموں سے یاد کیا گیا مثلاً اجیدرک، اجےمیر، جمیر، جیا نگر اور جلو پور وغیرہ۔

راجہ اجے پال کے دَورِ حکومت میں والیٔ سیستان رستم بن زال نے اپنے بیٹے فرامرز کو تسخیر ہندوستان کے لئے بھیجا۔ وہ اجمیر کی طرف سے حملہ آور ہوا مگر بعض وجوہ کی بنا پر ناکام رہا اور اجمیر پر عرصہ دراز تک اجے پال کے خاندان کی حکومت رہی۔ 345ء میں گپت خاندان کے راجہ سمندر گپت نے راجپوتانہ سمیت سارے شمالی ہندوستان پر قبضہ کرلیا۔ اس طرح اجمیر پر پانچویں صدی عیسوی تک گپت خاندان کی حکومت رہی۔ کمال گپت کے عہد میں وسط ایشیا کے وحشی قبائل نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ گپت خاندان سے بھی ٹکر لی اور ایک وسیع علاقہ کو تاخت و تاراج کیا جس کے نتیجے میں گپت خاندان کی حکومت ان قبائل کی وحشت و بربریت کی نذر ہوگئی۔ پھر تقریباً ڈیڑھ سو سال تک راجپوتانہ میں طوائف الملوکی کا دَور دَورہ رہا۔ بالآخر اجمیر پر چوہان راجاؤں کی حکومت قائم ہوگئی، جنھوں نے اسے ایک مستقل ریاست کی حیثیت دے کر بڑی ترقی دی۔ اسی خاندان میں راجا دولہا ہوا۔ اس وقت شاہانِ اسلام کی سلطنت بنی اُمیّہ کے خاندان میں تھی۔ شاہ عرب ولید بن عبدالمالک نے اپنے ایک مصاحبِ خاص روشن علی کو سفارتی تعلقات استوار کرنے کی نیت سے دولہاری کے پاس بھیجا۔ روشن علی کی ملاقات دولہاری سے ہوئی۔ دورانِ گفتگو روشن علی کے ہاتھ اتفاقاً راجہ کے برتنوں سے چھو گئے جس سے راجہ مشتعل ہوگیا اور اُس نے اس جُرم کی پاداش میں روشن علی کے ہاتھ کٹوا ڈالے۔ سفیر روشن علی نے ولید بن عبدالمالک کو اس افسوسناک صورتِ حال سے آگاہ کیا تو فرزندانِ توحید کا ایک لشکر دولہاری کی فوجوں سے صف آرائی کے لئے عرب سے حملہ آور ہوا۔ اجمیر کے قریب طرفین میں گھمسان کی جنگ ہوئی، جس میں راجہ دولہاری بیوی بچوں سمیت مارا گیا۔ دولہاری کے دوسرے بھائی سانبھر کی جانب بھاگ گئے اور لشکر اسلام فاتح کی حیثیت سے شہر میں داخل ہوا۔ اجمیر کی سرزمین نے کلمۃ الحق کے جانباز پروانوں کے قدم چوم لئے اور دیکھتے ہی دیکھتے

اہلِ اسلام کا پرچم گڑھ مکتیلی اور تاراگڑھ کے قلعوں پر لہرانے لگا۔ پھر ناگاہ کفر و شرک کے بادل چھا گئے اور یہاں پر دوبارہ اللہ اکبر کی صدا لگانے والوں کے حریفوں کا قبضہ ہوگیا۔ پہلے چوہان ہرس نے حکومت سنبھالی، پھر بیر بیلن نے اپنا شاہی سکہ رائج کیا تا آنکہ راجہ بیلدیو نے یہاں پر قبضہ کرلیا جو والیٔ قنوج تھا اور محمود غزنوی سے بظاہر اس کے گہرے دوستانہ مراسم تھے لیکن باطنی طور پر وہ دشمنِ حق کا شدید ترین دشمن تھا۔

ہندو راجاؤں سے اسلامی سربراہانِ مملکت کی خوفناک جنگیں دسویں صدی عیسوی کے اواخر میں شروع ہوئیں، جب حاکمِ غزنی امیر ناصر الدین سبکتگین نے 997ء میں ہندوستان پر حملہ کیا اور کابل اور پنجاب کا راجہ جے پال اس کے مقابلے پر آیا۔ ملتان اور غزنی کے درمیان ایک مقام پر حق و باطل کا خونریز معرکہ ہوا جس میں فتح حق کی ہوئی۔ راجہ جے پال نے عبرت ناک شکست کھانے کے بعد خراج دینے کے وعدہ پر سبکتگین سے صلح کرلی مگر لاہور پہنچ کر ایفائے عہد کی بجائے دوبارہ جنگی تیاریوں میں مشغول ہوگیا۔ وطن، قوم اور مذہب کے نام پر اس نے اجمیر، کالنجر، دہلی اور قنوج کے طاقتور راجاؤں سے مدد مانگی اور راجاؤں نے اپنی منتخب افواج جے پال کی مدد کے لئے فوراً بھیج دیں۔ امیر سبکتگین نے حالات سُنے تو مطلق ہراساں نہ ہوا بلکہ اپنے گنے چُنے سخت کوش مجاہدوں کے ساتھ بے سرو سامانی کی حالت میں ہی باطل کے طاغوتی لشکر سے جا ٹکرایا۔ اس معرکہ کے بعد کابل اور پشاور کا تمام علاقہ سلطنتِ غزنی کے زیرنگیں آگیا اور راجہ جے پال نے مارے ندامت کے خودکشی کرلی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا انند پال تخت پر بیٹھا اور اس نے اپنے باپ کا انتقام لینے کے لئے سلطان محمود غزنوی سے چھیڑ چھاڑ شروع کردی جو امیر سبکتگین کے بعد تخت نشین ہو چکا تھا۔ وہ سلطان محمود غزنوی کی اُلوالعزمی اور جاں سپاری کے آگے نہ ٹھہر سکا اور شکست کھا کر کشمیر بھاگ گیا۔ اُس نے دوبارہ 1006ء میں اجین، اجمیر، دہلی اور قنوج کے راجاؤں سے فوج کی بھکشا مانگی اور سلطان محمود غزنوی کی بہادر فوجوں سے پھر پشاور کے قریب صف آراء ہوا لیکن یہاں بھی عبرت ناک شکست کھائی اور کانگڑہ تک اسلامی پرچم لہرانے لگا۔

سلطان محمود غزنوی نے آخری اہم جنگ راجہ بیلدیو کے ساتھ لڑی، تمام راجگانِ ہند اسے اپنا مذہبی پیشوا اور شاہی حکومت کا سرتاج مانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرب و جوار کی ریاستوں سے بے پناہ فوج اکٹھی کر کے محمود غزنوی کے مقابلے پر لے آیا مگر ذلت اٹھانا پڑی اور وہ اسیر ہوا۔ سلطان محمود غزنوی نے اس کے قتل کا حکم صادر کیا۔ بعد ازاں راجہ بیلدیو کے مشرف بہ اسلام ہونے پر اسے معافی دے دی۔ اس کی نہ صرف جاں بخشی کی بلکہ مفتوحہ علاقہ بھی لوٹانا چاہا مگر بیلدیو نے اس پیشکش کو قبول نہ کیا اور باقی ساری عمر بارگاہ حمدیت میں زہد و ریاضت میں گزاری۔ اس نے کلمہ حق پڑھنے کے بعد ڈھونڈھ کے مقام پر چلہ کشی کی اور یہیں راہی ملکِ عدم ہوا۔

سلطان محمود غزنوی نے اجمیر شہر فتح کرنے کے بعد سالار ساہو کو اس کا گورنر مقرر کیا جسے اللہ تعالیٰ نے مسعود غازی جیسا فرزند سالار عطا کیا۔ سالار مسعود غازی، محمود غزنوی کا بھانجہ تھا۔ سالار ساہو نے بیٹے کے تولّد ہونے پر اجمیر کے قریب ایک نیا شہر مسعود آباد بسایا اور مزید بیس برس تک ان ہر دو شہروں پر مسلمانوں کی حکمرانی رہی۔ بعد ازاں 1044ء میں چوہانوں نے سلطان مسعود کو شہید کر ڈالا اور اجمیر پر پھر سے قبضہ کر لیا اور سارنگ نشین ہوا۔ پھر راجپال راجہ بنا اور اس کے مرنے پر اجمیر کی باگ ڈور اس کے بیٹے انند دیو نے سنبھالی۔ انند دیو مُر اتو سومیس دیو فرمانروائی کرتا رہا۔ اس زمانہ میں اجمیر کے قریب ایک چھوٹی سی ریاست تھی جس کا نام تنور تھا۔ راجہ تنور اور سومیس دیو کے تعلقات خانجہ کسی بنا پر کشیدہ چلے آ رہے تھے، جو ایک روز لڑائی پر منتج ہوئے۔ راجہ تنور کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ گیا۔ اس کی خوبصورت بیٹی سومیس دیو کے ہاتھ لگی، جس نے اس سے شادی رچالی۔ سومیس دیو کے ہاں ایک لڑکے نے جنم لیا جو تاریخ میں پرتھوی راج چوہان کے نام سے پکارا گیا۔

پرتھوی راج چوہان چودہ برس کی عمر میں تختِ دہلی پر متمکن ہوا۔ راجہ قنوج اور پرتھوی راج دونوں اننگ پال کے نواسے تھے اور راجہ جے چند کا باپ بجے پال اور سومیس دیو دونوں اننگ پال تنور فرمانروائے دہلی کے داماد تھے۔ یہی وجہ تھی کہ چوہانوں اور راٹھوروں میں

رقابت کی آگ بھڑک اُٹھی اوران کی اس عداوت نے سلطنت ہند کو جلا کر رکھ دیا۔جب پرتھوی راج نے دہلی کے تخت کا دعویدار ہونے کا اعلان کیا تو جے چند نے اسے تسلیم نہ کیا اور خود کو دہلی کی سلطنت کا صحیح حقدار قرار دے کر پرتھوی راج کے مقابلہ پر نکل آیا فریقین میں جنگ ہوئی اور معمولی سی مزاحمت کے بعد پرتھوی راج دہلی کا تخت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔اس کے دَور میں اجمیر کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ہندوستان میں سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز ؒ کا اسی عہد میں نزول اجلال ہوا۔

1191ء میں شہاب الدین غوری تسخیر ہندوستان کا قصد لے کر غزنی سے روانہ ہوا اور سب سے پہلے تھٹھہ کے قلعہ کو فتح کیا جو پٹیالہ کے راجہ کا پایہ تخت بھی تھا۔سلطان شہاب الدین غوری نے ملک ضیاء الدین طوسکی کو بائیس ہزار کا لشکر دے کر پٹیالہ کا حاکم مقرر کیا اور خود غزنی واپس چلا گیا۔اسی دوران اسے یہ خبر موصول ہوئی کہ والئی اجمیر پرتھوی راج اور فرمانروائے دہلی کھانڈے راؤ متحد ہو کر ایک لشکر جرار لے کر غازیانِ اسلام کے مقابلہ کو چلے آرہے ہیں،یہ خبر سن کر شہاب الدین غوری دوبارہ مقابلہ کے لئے چلا یا مگر تراوڑی کے میدان میں اپنی ناسازئ طبع کے باعث جم کر نہ لڑ سکا اور زخمی ہوگیا۔اس کی فوج کو شکستہ دلی کے باعث ہزیمت اُٹھانا پڑی۔سلطان شہاب الدین غوری کو اس کا بہت قلق ہوا اور اس نے 1193ء میں بڑی شد ومد کے ساتھ ہندوستان پر چڑھائی کردی۔اس خونریز لڑائی میں پرتھوی راج چوہان کو ذلت ورسوائی کا منہ دیکھنا پڑا، وہ خود بھی مارا گیا اور کئی دوسرے راجہ بھی اس میں کام آئے۔فتح مبین کا نعرہ بلند ہوا اور سلطان شہاب الدین غوری نے دہلی اور اجمیر پر قبضہ کرلیا۔اس نے اجمیر میں واقع اندرسین کے بُت خانوں کو منہدم کروا کے وہاں رفیع الشان مساجد تعمیر کرائیں اور ہندوستان میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی۔

راجہ جد ہشتر سے لے کر پرتھوی راج چوہان تک اجمیر کی سرزمین پر ایک سو بیس راجاؤں نے چار ہزار چار سو آٹھ برس تک حکومت کی۔پرتھوی راج ان کا آخری حکمران تھا جس کے مرنے کے بعد ہندوستان سے غیر مسلموں کے اقتدار کا سورج عرصہ دراز کیلئے

غروب ہوگیا۔فرزندانِ توحید برسر اقتدار آئے اور تسخیر ہند کی میراث شہاب الدین غوری نے اپنے ایک تُرک غلام قطب الدین ایبک کولکھ دی۔قطب الدین ایبک اپنی سلطنت کی حدود کو وسعت دینے میں ہمہ تن کوشاں رہا اور اس نے نائب سلطنت کی حیثیت سے مختصر مدّت میں بدایوں، گوالیار، کول اور دیگر کئی مقامات فتح کر کے سلطان شہاب الدین غوری کی کامیابیوں کو چار چاند لگائے۔اس نے گجرات، کاٹھیاواڑ کوتاراج کیا اور پھر دہلی کی جانب روانہ ہوا اور فتح دہلی کے بعد خاندانِ غلاماں کی بنیاد رکھی۔وہ مسلمان سلاطین میں دہلی کا سب سے پہلا بادشاہ بنا،جس نے اپنے دَورِ حکومت میں اجمیر کو پایۂ تخت دہلی کا صوبہ بنایا۔

ہندوستان میں اسلامی حکومت کے قیام کے بعد تقریباً اڑھائی سو سال تک اجمیر دہلی کے مسلمان سلاطین کی فرمانروائی میں رہا۔ 1388ء میں سلطان فیروز شاہ تغلق کی وفات کے بعد دہلی کی مرکزی حکومت کمزور ہوگئی۔راجپوتوں نے اس آویزش سے فائدہ اُٹھایا اور 1455ء میں مانڈو کے بادشاہ نے اجمیر فتح کرلیا 1505ء میں راجگانِ میواڑ دوبارہ اجمیر پر قابض ہوگئے۔28 سال کے بعد 1533ء میں گجرات کے سلطان نے خاک وخون کے ایک معرکہ کے بعد اجمیر چھین لیا،لیکن اگلے ہی سال مارواڑ کے راٹھور خاندان کی فوجوں نے اس پر قبضہ کرلیا اور بائیس برس تک اجمیر پر حکومت کرتے رہے حتی کہ 1556ء میں شہنشاہ جلال الدین اکبر نے اجمیر فتح کر کے اسے طاقتور مغلیہ سلطنت کا جزو بنالیا۔مغل بادشاہوں کے عہد میں اس شہر نے بے پناہ ترقی کی۔یہاں مضبوط اور عالی شان عمارات تعمیر ہوئیں اور مغل شہنشاہ اور شہزادے بہ نفسِ نفیس یہاں پر خواجہ بزرگؒ کے مزار اقدس پر حاضری دینے آتے رہے۔1743ء تک کا زمانہ اجمیر کی تاریخ کا سنہری دَور تھا۔

اِدھر اورنگ زیب عالمگیر کی وفات ہوئی اُدھر مغل حکومت کا زوال شروع ہوگیا۔تخت کے مختلف دعویداروں کے باہمی نزاع نے سلطنت کی جڑوں کو ہلا کر رکھ دیا۔مسلمان بادشاہ اور اُمراء شمشیر وسناں کی بجائے طاؤس ورباب سے دل بہلانے لگے۔1735ء میں نادر

شاہ نے حملہ کر کے رہی سہی کسر بھی نکال دی اور مغلیہ سلطنت کا زوال انتہا کو پہنچ گیا۔بیسیوں راجے اور نواب خود مختار بن گئے اور ایک مضبوط و مربوط سلطنت انتشار کا شکار ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہوتی چلی گئی۔ابتری کے اس دور میں 1743ء میں اجمیر پر جودھپور کے راٹھور راجاؤں نے قبضہ کرلیا۔پھر 1756ء میں گوالیار کے راجہ سندھیا نے اجمیر کو فتح کرلیا۔1787ء تک مرہٹے اس پر قابض رہے۔اسی دوران مرہٹوں اور راٹھوروں میں جنگ ہوئی اور راٹھوروں نے مرہٹوں کو اجمیر سے نکال دیا اور چار سال اجمیر کو اپنے تصرف میں رکھا۔1797ء میں مرہٹوں نے پھر اجمیر پر قبضہ جمالیا۔1818ء میں بابو راؤ سندھیا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے درمیان ایک معاہدہ کی رو سے اجمیر ایسٹ انڈیا کمپنی کے ماتحت ہو گیا اور 1947ء تک انگریزوں کی حکومت میں رہا۔تا آں کار تقسیم ہند کے وقت اجمیر بھارت کے حصہ میں آ گیا۔

تعمیرات مزار خواجہ و دیگر تاریخی عمارات و جائے مدفن ممتاز شخصیات

ابتدائی تعمیر مزار حضرت خواجہ غریب نوازؒ:

حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے مزار مبارک کی ابتدائی تعمیر سلطان غیاث الدین بلبن اور سلطان محمود خلجی نے کروائیں۔خواجہ کی نگری اجمیر شریف کو ''مسجدوں کا شہر'' بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہاں کثرت سے مساجد ہیں۔

اکبری مسجد، مسجد تلوک دئی، مسجد میابائی، شاہجہانی مسجد یہاں کی مشہور مساجد ہیں۔علاوہ ازیں یہاں بہت سی چلہ گاہیں بھی ہیں۔یہاں کی مساجد و مقابر اور دیگر

تاریخی یادگاریں اہل ایمان اور سیاحوں کے لیے کشش کا باعث ہیں۔مساجد کے علاوہ اڑھائی دن کا جھونپڑا، بلند دروازہ، نقارخانہ شاہ جہانی، دیگ کلاں، چھوٹی دیگ، برگد کے پتے، شاہ قلی خان مقبرہ، قلعہ تاراگڑھ، چشمہ نور، جھالرہ تاریخی عمارات و مقامات ہیں۔

ان تاریخی یادگاروں کی بدولت اجمیر "مدینۃ الپاک وہند" اور "دارالخیر" کہلاتا ہے۔حضرت سلطان الہند سرکار غریب نوازؒ کا رفیع الشان مزار پرانوار تو اسلامی تہذیب وعظمت ورفعت کا امین ہے۔

کتاب اخبار الاخیار کے مطابق جیسا کہ اوپر بیان ہوا، اس مزار کو ابتداء میں سلطان غیاث الدین بلبن نے تعمیر کروایا۔کچھ عرصہ گزرنے کے بعد روضہ کے گنبد کی تعمیر سلطان محمود خلجی نے 859ہجری بمطابق 1455ء شروع کروائی جس کی تکمیل 873ہجری کے وسط میں ہوئی۔اجمیر شریف 859ہجری میں ہی سلطان موصوف کے تصرف میں آ گیا تھا۔اس کا ذکر اقبال نامہ جہانگیری میں بذیل الفاظ سے کیا گیا ہے۔

"معمارت روضہ خواجہ معین الدین چشتیؒ ہمت معروف داشت وایں روضہ کہ امروز بر جا مست از آثار دولت اوست"۔

"مراۃ آفتاب" کے مولف "نواب شاہنواز" نے بھی اس کی تائید کی ہے۔یہ تالیف عہد شاہ عالم کی ہے۔یہ گنبد "مکرانہ" کے سفید پتھر کا ہے۔گنبد کا اندرونی حصہ سنگ بستہ ہے، جس میں چونے سے ارتج بندی ہوئی ہے اور محدب گنبد کا بالائی حصہ "ریختہ" یعنی پختہ اینٹوں کا بنا ہوا ہے۔گنبد پر سونے کا بڑا کلس اور کنگروں پر سنہری "کیساں" لگی ہوئی ہیں۔

تحقیق کے مطابق یہ تاج نما کلس اور طلائی کیساں والیٔ رامپور "نواب کلب

علی خان" کے سوتیلے بھائی "نواب حیدر علی خان" نے 1314 ہجری بمطابق 1896ء میں عقیدت کے طور پر بنوائی تھیں۔ مزار کے اندرونی حصہ پر سنہری اور لاجوردی کام کیا گیا ہے اور مزار کے اندرون مخمل کی چھت گیری کی ہوئی ہے۔ روضہ کے چاروں کونوں پر سونے کی زنجیروں میں قمقمے لٹکے ہوئے ہیں، جن کی روشنی میں بذیل اشعار بصارت کو پڑھنے کے لیے ملتے ہیں اور ایک قسم کا وجد طاری ہو جاتا ہے۔

خواجہ خواجگان معین الدینؒ ☆ فخر کون ومکاں معین الدینؒ
سر حق راہیاں معین الدینؒ ☆ بے نشاں، راہ نشاں معین الدینؒ
مظہر جلوہ گاہ نورارم ☆ آفتاب جہاں معین الدینؒ
عاشقاں راہ دلیل راہ یقین ☆ سد راہ گماں معین الدینؒ
خواجہ لا مکاں و قدس مقام ☆ آسماں آستاں معین الدینؒ
قرب حق اے نیاز اگر خواہی ☆ ساز ورد زباں معین الدینؒ

(مولانا حضرت شاہ نیاز بریلویؒ)

حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی تربت اقدس کے اوپر سنگ مرمر کا تعویذ لگا ہوا ہے، جس میں یاقوت رمانی جڑا ہوا ہے۔ تربت کے گرد چاندی کا کٹہرہ ہے، جسے شہنشاہ جہانگیر نے اپنی مرادیں بر آنے کے بعد چڑھایا تھا۔ اس سنہری کٹہرے سے متصل چاندی کا ایک اور کٹہرہ ہے، جو راجہ "جے سنگھ جی سوائی جے پوری" کا بنوایا ہوا ہے۔ اس کا وزن بیالیس ہزار نو سو اکسٹھ تولے نو ماشے اور چار رتی ہے۔ روضہ شریف کی سنگ مرمر کی جھالیوں پر پردے پڑے رہتے ہیں۔

سلطان الہندؒ کے روضہ سے متصل مدفون ممتاز شخصیت

یہ دنیا ایک مسافر خانہ ہے۔بڑے بڑے شہنشاہ آئے اور گئے اور آنے والی نسلیں ان کا نام تک بھول گئیں۔لیکن اللہ کے مقرب بندے، ہمیشہ مخلوق خدا کے دلوں میں زندہ رہے اور اپنا ایک ایسا لافانی نقش چھوڑ گئے جو اس وقت تک قائم رہے گا، جب تک دنیا موجود ہے۔ان اولیائے کرام کے مزارات سے متصل مدفون ہونے کی خواہش کسے نہیں ہوگی؟ جو لوگ ایسے اللہ کے برگزیدہ بندوں کے مزارات کے آس پاس مدفون ہوئے تو ذات مطلق کی شان کریمی سے یہ بعید ہے کہ اپنے پیارے بندوں کے پڑوسیوں کا خیال نہ رکھے۔

فقیر (راقم الحروف) یہ سمجھتا ہے کہ ایسے بزرگوں کے مزارات کے متصل دفن ہونا ایک بہت بڑی سعادت ہے۔حضرت سلطان الہندؒ کے احاطہ مزار میں شرقاً غرباً بہت سے اولیاء اللہ کے مزارات اور مرقد ہیں، جن میں کچھ کا مختصراً ذکر کیا جا رہا ہے۔

۱۔ شیخ میرؒ

شیخ میر شہنشاہ داراشکوہ کے امراء اور معتمدوں میں سے تھے۔ان کی ہمدردیاں داراشکوہ سے تھیں۔انہوں نے ''تاراگڑھ'' کے مقام پر شہزادہ داراشکوہ کی فوج کی طرف سے اورنگزیب عالمگیر کی فوج سے مقابلہ کیا اور مارے گئے۔ان کی مرقد روضہ مبارک سلطان الہند کے مشرق میں ہے۔

۲۔ شاہنواز خان و مرزا امان

حضرت سلطان الہند کے روضہ مبارک کی مشرق سمت میں جہاں شیخ میر کی قبر ہے، اس کے مرقد کے بالکل سامنے ایک قبر ہے۔یہ ''شاہنواز خان'' نامی ایک شخص کی ہے، اس سے کچھ فاصلہ پر ''مرزا امان'' کی قبر ہے۔مرزا امان'' نادھو

جی سندھیا'' اور ''دولت راؤ سندھیا'' کی طرف سے اجمیر کے حاکم رہے ہیں۔

۳۔ حضرت فخر الدین کی اہلیہ اور تین بیٹے

حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے روضہ مبارک مشرق وجنوب میں دو حجرے ہیں، جن میں حضرت فخر الدین اور ان کی اہلیہ محترمہ دفن ہیں۔ان کے پاس ہی جہاں آراء بیگم بنت شاہ جہاں کے بنوائے ہوئے رفیع الشان ''بیگمی دالان'' میں حضرت فخر الدین کے تین بیٹے، حضرت مسعود، حضرت بہلول اور حضرت اسمٰعیل سپرد خاک ہیں۔یہاں عموماً قوالی کا اہتمام ہوتا ہے۔یہیں پر حضرت شاہ نصیر الدین بھی دفن ہیں۔

۴۔ بیگمی دالان

برمحل معلوم ہوتا ہے کہ بیگمی دالان کا بھی کچھ تذکرہ کر دیا جائے۔
بیگمی دالان کا طرز تعمیر شاہ جہانی دور کی بنی ہوئی عمارات سے مماثلت رکھتا ہے۔اسے 1503ہجری میں تعمیر کیا گیا تھا۔''مونس الارواح'' میں جہاں آراء بیگم نے حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی حیات طیبہ اور ان کے مزار کی توسیع کے بارے میں تفصیلاً لکھا ہے، لیکن بیگمی دالان کے بارے میں کچھ ذکر نہیں کیا۔گمان غالب ہے کہ بیگمی دالان کے بیان کے سلسلہ میں انہوں نے کسر نفسی سے کام لیا ہے اور خود ستائشی کو عقیدت پر غالب نہیں آنے دیا۔تاہم یہ تحقیقی امر ہے کہ بیگمی دالان ان کے روحانی جذبات کا مظہر ہے۔
اس دالان کا صحن سنگ سفید کا بنا ہوا ہے۔اسکی چھت اور دیواروں پر سنہری نقش ونگار کے مصارف نواب صادق علی خان نواب آف رامپور نے برداشت کیے تھے۔

1940ء میں اس کی چھت میں دو ایک جگہوں پر دراڑیں پڑ گئی تھیں تو اس حصے کی تعمیر نو ''جل پائی گوڑی'' (بنگال) کے رئیس نواب زادہ غلام کبریا نے کروائی۔

۵۔ بی بی حافظہ جمالؒ کا حجرہ

حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے مزار کے جنوب میں بی بی حافظہ جمال سیدہ جمال کا مجر (جالی دار) ہے۔حجرے پر کوئی تاریخ وسن تحریر نہیں ہے اور اس بارے میں تاریخی تحقیق بھی نامکمل ہے۔یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ یہ حجرہ شاہ جہان کے عہد میں بنوایا گیا۔کیونکہ یہ مغلیہ ذوق تعمیر کی غمازی کرتا ہے۔

۶۔ مغربی حجرہ، عمد النساء بیگم

مزار خواجہ سلطان الہندؒ کی مغربی جانب مجر (جالی دار) میں عمد النساء بیگم المعروف چھوٹی بیگم بنت شاہ جہاں دفن ہیں۔جن کا انتقال 1025ہجری میں ہوا۔تزک جہانگیری میں ان کی تاریخ وفات 29 جمادی الاول اور بادشاہ نامہ میں 24ربیع الثانی لکھی گئی ہے۔اس حجرے کی شمالی اور جنوبی سمتوں میں سنگ مرمر کا احاطہ ہے، جس کے دو دروازے ہیں۔مغربی دروازہ ''مکی'' دروازہ کہلاتا ہے۔اسے جنتی دروازہ بھی کہتے ہیں۔

۷۔ مرمریں دالان

شمال رویہ بلند و بالا مرمریں دالان ''رئیس کرناٹک نوب والا جاہ'' کا بنایا ہوا ہے۔جس میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی خوردؒ، حضرت خواجہ سید بایزیدؒ، حضرت خواجہ سید قیام الدین بابریالؒ اور سید الملکؒ ہمشیرہ مدفون ہیں۔یہ دالان ماہ رجب 1257ہجری میں تعمیر کرایا گیا اور اس پر فرمانروائے دہلی ''شاہ عالم'' نے نواب صاحب کو ''امیر الہند'' کا خطاب دیا۔

۸۔ برگد کا قدیم درخت سانپ کے زہر کا تریاق

درگاہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے مشرقی حصہ میں بہت سے درخت ایستادہ ہیں۔ان میں سے ایک بہت ہی پرانا درخت برگد کا ہے۔اس درخت کے متعلق روایت ہے کہ جے پال جوگی نے جب حضرت خواجہ غریب نوازؒ پر اپنے جادو سے ایک خونخوار سانپ پھینکا تو آپ نے اسے اپنے سانس سے فوراً ہلاک کر دیا۔بعد ازاں آپ نے اس سانپ کو دفن کر دیا۔چند روز بعد اس جگہ جہاں سانپ کو دفن کیا گیا تھا،ایک درخت اگ آیا۔عرصہ دراز سے اس درخت کی یہ تاثیر چلی آتی ہے کہ جب کسی کو سانپ ڈس لے تو اس درخت کی پتیاں پیس کر پانی میں ملا کر پلا دی جائیں تو زہر کے اثرات زائل ہو جاتے ہیں۔عقیدت مند درخت کی پتیوں کو تریاق سمجھتے ہیں۔

۹۔ مسجد محمود

روضہ مبارک حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے قریب ایک تاریخی مسجد ہے، جو پانچ ناموں سے مشہور ہے۔اس مسجد کو ابتداء میں سلطان محمود خلجی نے تعمیر کروایا تھا۔سلطان محمود خلجی فرمانروائے "مالوہ" تھا۔اس نے چار دن میں اجمیر کا قلعہ فتح کیا اور قلعہ دار "گجادہر" کی فوج اس کے سامنے نہ ٹھہر سکی۔خود قلعہ دار "گجادہر" مارا گیا۔

سلطان محمود خلجی نے اس کامرانی پر اللہ کا شکر ادا کیا اور سب سے پہلے حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے مزار کا طواف کیا اور سرہانہ کی جانب ایک بت خانہ کی جگہ پر عظیم الشان مسجد تعمیر کروائی اور خواجہ نعمت اللہ کو سیف خان کا خطاب دے کر اجمیر کی حکومت ان کے سپرد کر دی۔سلطان محمود خلجی کی بنائی ہوئی مسجد "مسجد محمود" کہلائی۔عہد جہانگیری میں یہ مسجد خستہ حال ہو چکی تھی۔

''جواہر مجددیہ'' میں اس کی بابت یوں رقم ہے۔

''یہ مسجد نہایت خمیدہ تھی اور لوگوں کو ہر وقت اندیشہ رہتا تھا کہ کہیں زمین بوس نہ ہو جائے۔ حضرت مجدد الف ثانی اجمیر شریف میں قیام کے دوران یہاں نماز پڑھنے جاتے تھے۔ ان کی توجہ اس مسجد کی طرف مبذول کروائی گئی تو انہوں نے فرمایا ''مطمئن رہو یہ ابھی نہیں گرے گی''۔ جب حضرت مجدد الف ثانی اجمیر سے رخصت ہوئے اور ابھی شہر سے باہر ہی قدم رکھا تھا کہ مسجد گر گئی۔

بعد ازاں مسجد کے انہدام کے بعد شہنشاہ جہانگیر کے حکم سے یہ مسجد از سر نو تعمیر کروائی گئی اور اس کا نام ''مسجد جہانگیری'' رکھ دیا گیا۔ اورنگزیب عالمگیر کے عہد تک اس مسجد کی تزئین و آرائش پر بہت کچھ صرف کیا گیا۔ اس اعتبار سے یہ مسجد ''عالمگیری'' کہلانے لگی۔ مسجد جہانگیری کو مسجد ''صندل خانہ'' بھی کہتے ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ عرس مبارک حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے دنوں میں یکم سے نویں رجب تک ہر سال اس میں صندل مسائی ہوتی ہے اور صندل مزار شریف کی نذر کیا جاتا ہے۔

اس مسجد کو ''مسجد پھول خانہ'' کا نام بھی دیا گیا ہے۔ کیونکہ تربت حضرت خواجہ غریب نوازؒ سے روزانہ صبح و شام کے وقت جو پھول اتارے جاتے ہیں، وہ اسی مسجد میں رکھے جاتے ہیں اور پھر یہ پھول ''طوسر'' کے کنویں میں ڈال دیئے جاتے ہیں۔

بادی النظر میں اس مسجد کو دیکھ کر بے ساختہ کہنا پڑتا ہے کہ اس میں حضور سرور کائنات کی امت کی آبرو جھلکتی ہے۔ اس مسجد کے نقش و نگار بڑے ہی پرکشش ہیں۔

۱۰۔ مسجد اکبری

شہزادہ سلیم کی پیدائش کے موقع پر شہنشاہ اکبر نے روضہ مبارک حضرت سلطان الہند کے قریب ایک مسجد تعمیر کروانے کا حکم دیا۔ یہ مسجد آج ''مسجد اکبری''

' کہلاتی ہے۔یہ مسجد سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہےاور مربع شکل میں ہے۔اس کا طول اور عرض 140x140 فٹ ہے۔اس کے مینار کی اونچائی 56 فٹ ہے اور اس کے صحن میں ہشت پہلو حوض ہے۔''ہر بلاس ساردا'' کی تاریخ اجمیر کے مطابق اس مسجد میں ایک کنواں بھی ہوتا تھا،جس کا پانی حوض میں آتا تھا۔مگر رفتہ رفتہ یہ کنواں مٹی سے بھر گیا۔ اس مسجد کی مرمت 1320 ہجری بمطابق 1902ء میں نواب غفور علی دانا پوری نے کروائی تھی۔آج کل اس مسجد میں ''دارالعلوم معینیہ عثمانیہ'' قائم ہے۔اس سے متصل سلطان التمش کے بنوائے ہوئے حمام کے آثار شکستہ دیواروں کی صورت میں زمانہ کی صاعقہ ریزیوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔مسجد کے ساتھ ہی ایک دالان ہے، جو ''خانقاہ'' کے نام سے مشہور ہے۔

۱۱۔ مسجد سیا بائی مسجد تلوک دئی ،میا بائی

میا بائی مسجد درگاہ بازار میں واقع ہے۔اس کے علاوہ اکبر اعظم کے درباری گویئے ''تان سین'' کی بیٹی ''تلوک دئی'' کی بنائی ہوئی مسجد ''مسجد تلوک دئی'' بھی اجمیر کی قابل ذکر مساجد ہیں۔موخرالذکر مسجد کے دروازے پر یہ کتبہ واضح الفاظ میں لکھا نظر آتا ہے۔

''ایں مسجد را بائی تلوک دئی کلاونت، بنت میاں تان سین کلاونت راست کردہ است 1062ہجری''۔

۱۲۔ مسجد اجمیری و مسجد شاہ جہانی

مسجد اجمیری ان دنوں قلندری مسجد کہلاتی ہے۔یہ ایک تاریخی مسجد ہے، جہاں حضرت خواجہ غریب نوازؒ نماز ادا کیا کرتے تھے۔اس مسجد کے سامنے ''نظام

عع'' کی قبر ہے۔اجمیر کی جامع مسجد ''مسجد شاہ جہانی'' بھی رفعت وعظمت وسطوت کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے۔مسجد شاہجہانی پر یہ کتبہ نصب ہے۔

''قبلہ اہل زمان شد مسجد شاہ جہاں''۔

مسجد کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب شاہ جہان اودھے پور فتح کرنے کے بعد حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے مزار کی زیارت کرنے کے لیے آیا تو اس نے ایک خوبصورت اور پرکشش مسجد بنانے کا حکم دیا۔چنانچہ یہ مسجد تقریباً 9برسوں میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔اس مسجد کی محرابوں پر 123اشعار کندہ ہیں اور اس کے آخری مصرعہ سے سن تعمیر 1047ہجری نکلتا ہے۔مصرعہ یہ ہے۔

''بنائے شہنشاہِ روئے زمیں''

محرابوں پر لکھے ہوئے اشعار شاہ جہان کی محبت ووارفتگی کے مظہر ہیں کہ وہ دل میں ایسی مسجد کی تعمیر کا کس قدر ارادہ رکھتا تھا۔چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

شنیدم زخاصان فرخندہ خال ☆ کہ پیش جلوس اود اتصال
شہنشاہ دیں پرور دیں پنا ☆ فلک قدر شاہ جہاں بادشاہ
پناہ امم صاحب تخت و تاج ☆ کہ وارث شریعت بعہدش رواج
پس از فتح رانا بصد غروماہ ☆ بدولت در اجمیر زور بارگاہ
درآں روضہ پاک نبود ☆ دلش راحمائے مسجد خزود
خداوندا راہ با خدا شد قرار ☆ کہ ماند از و مسجدے روزگار

اس سنگ مرمر کی مسجد پر اس وقت دو لاکھ چالیس ہزار روپے کے اخراجات آئے۔ شاہ جہاں نے مسجد کی تعمیر مکمل ہونے پر سب سے پہلے خود گنبد کے نیچے بیٹھ کر سورۃ یسین پڑھی اور حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی بارگاہ میں اپنی عقیدت کا اظہار کیا۔مسجد کا

بالائی حصہ جو مسقف ہے۔ 148 فٹ لمبا اور 25 فٹ اونچا اور چوڑائی 54 فٹ کے قریب ہے۔ صحن کے جنوب اور شمال میں سنگ مرمر کا کٹہرہ ہے، جس کے پانچ دروازے ہیں۔ایک ایک شمالی اور جنوبی جانب جبکہ تین مشرقی سمت میں۔ مسجد کی اندرونی وسطی محراب پر کلمہ طیبہ سونے کے حروف میں لکھا ہوا ہے۔ مسجد کے پہلو میں ایک گہری جھیل ہے، جو "جھالرہ" کے نام سے موسوم ہے۔یہ بھی شاہجہان کی تعمیر کردہ ہے۔

۱۳۔ مسجد اڑھائی دن کا جھونپڑا

تقریباً چار ہزار برس پرانے اجمیر میں "اندرسین" کا بنایا ہوا ایک بت خانہ تھا، جس میں سینکڑوں مورتیاں رکھی ہوئی تھیں۔سلطان شہاب الدین غوری نے جب 595ہجری میں اجمیر کو فتح کیا تو اس نے بت خانہ کو مسمار کر کے غربی دیوار کے بیچوں بیچ سنگ مرمر کی ایک محراب تیار کر کے ایک مسجد بنوائی۔ کہتے ہیں کہ یہ مسجد اڑھائی دن میں تیار ہوئی اور اس طرح اس کا نام "اڑھائی دن کا جھونپڑا" پڑ گیا۔یہاں پر سب سے پہلی نماز جمعہ 21 جمادی الآخر 595ہجری کو سلطان نے خود پڑھائی۔

614ہجری میں سلطان شمس الدین التمش نے اس مسجد کو از سر نو تعمیر کروایا، جو تا حال بندگان حق کی توجہ کا مرکز ہے۔اس مسجد کا طول 184 اور عرض 84 گز ہے۔

۱۴۔ عبداللہ خان کی مسجد اور باغ

سید میاں جن کو بادشاہ فرخ سیر نے "عبداللہ خان" کا لقب دیا تھا اور جو وزارت کے عہدہ پر فائز رہے تھے، نے بھی اجمیر شریف میں ایک مسجد اور باغ تعمیر کروایا تھا۔سید میاں کی وفات کے بعد ان کے بیٹے نے انہیں اسی باغ میں دفن کیا اور شاندار مقبرہ تعمیر کروایا جو تا حال قائم ہے۔ یہاں سید میاں کے ساتھ ان کی

رفیقہ حیات بھی سپرد خاک ہیں۔سید میاں کی تربت پر بذیل الفاظ کندہ ہیں۔

''اللہ باقی من کل فانی''

تربت پر سن وفات 1127ہجری تحریر ہے۔

۱۵۔ قدیم عیدگاہ

مسجدوں کے شہر اجمیر میں ایک قدیم عیدگاہ بھی ہے۔ یہ عید گاہ 1186ہجری میں تعمیر کی گئی۔اس کا طول 130 گز اورعرض 40 گز ہے۔چاردیواری انتہائی پختہ اوراز حد خوبصورت ہے۔چاردیواری میں ایک باغیچہ ہے،جس میں کھلے ہوئے رنگ رنگ کے پھول ہردم دلوں کو فرحت وتازگی بخشتے ہیں۔بس اسی کا نام عیدگاہ ہے۔

۱۶۔ اجمیر معلّیٰ

اجمیر معلّیٰ کے سبھی دروازے درگاہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی سمت کھلتے ہیں۔ان میں ''بلند دروازہ'' عالمی شہرت کا حامل ہے۔یہ دروازہ شہر کی تمام عمارات سے اونچا ہے۔اسی لیے اس کو بلند دروازہ کہا جاتا ہے۔اسے سلطان محمود خلجی نے بنوایا تھا جبکہ بعض تاریخوں میں اسے غیاث الدین بلبن کے دور کی یادگار میں لکھا گیا ہے۔

''مسٹر رائے بہادر'' کی تحقیق ہے کہ بلند دروازہ 1500ء میں مکمل ہوا۔اس کا بانی بلبن تھااوراس کی تعمیر میں 31 سال لگے۔سنگ سرخ کے اس دروازہ کی بلندی 75فٹ ہے۔اس دروازہ کی تین چھتریاں درجہ بدرجہ گوشہ شمال میں اوردروازہ کےاوپر اوردو گوشہ جنوب اورمشرق میں ہیں۔ان چھتریوں کی کل تعداد 10 ہے۔اس مناسبت سے اسے ''دس چھتریوں کا دروازہ'' بھی کہتے ہیں۔

"احسن السیر" جو 1225ء میں لکھی گئی ہے کی تحقیق کے مطابق یہ دروازہ کسی قدیم بت خانے کا تھا کیونکہ شمالی چھتریاں پہلے کی تعمیر شدہ معلوم ہوتی ہیں اوران کا طرز تعمیر قدیم مندروں سے مشابہ ہے اور بعض جگہوں پر تو "جین مذہب" کی مسخ شدہ مورتیاں بھی نظر آتی ہیں۔اس لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ بلند دروازہ میں ترمیم کر کے اسے اسلامی روحانی فکر کا امتیازی نشان بنانے کی سعی غیاث الدین بلبن یا محمود خلجی نے کی ہوگی۔بلند دروازہ کی مشرقی سمت میں حجرے ہیں اوراس کے چبوترے پر حضرت مولانا شمس الدینؒ المعروف سید احمد آسودہ خاک ہیں۔

۱۷۔ ایک سو پچیس من کی دیگ

بلند دروازہ کی مغربی سمت ایک بہت بڑی دیگ ہے، جسے جلال الدین اکبر نے مراد بر آنے پر چڑھایا تھا کیونکہ اس نے عہد کیا تھا کہ چتوڑ گڑھ کے قلعہ کی تسخیر کے بعد ایک دیگ کی نذر دوں گا۔اس دیگ میں کم وبیش سوا سو من چاول با آسانی پک جاتے ہیں۔اس دیگ کا محیط 13 گز اور پیٹا تقریباً ساڑھے بارہ گز ہے۔اس پر یہ تاریخ مرقوم ہے۔

شاہ دیں پر ورد جمشید سر بر
خسرو صد محمود اکبر
ساخت بشمہ بہ فتح چتوڑ

۱۸۔ ساٹھ من کی دیگ

بلند دروازہ کے مشرق میں ایک نسبتاً چھوٹی دیگ بھی موجود رہتی ہے۔اس دیگ کو 1022ہجری میں نورالدین جہانگیر نے آگرہ سے بنوایا تھا اور حضرت سلطان

الہند کی درگاہ پر آ کر چڑھایا تھا۔اس دیگ میں ساٹھ من چاول آسانی سے پک جاتے ہیں۔دیگ پر بذیل عبارت کندہ ہے۔

''بہ دنیا با دوائم نعمت دیگ جہانگیری''

۱۹۔ نقار خانہ شاہجہانی

نقار خانہ شاہ جہانی کو درگاہ شریف کی تاریخ لکھنے والے اس کو شاہ جہان دور کی یادگار بتاتے ہیں۔چونکہ اس دروازہ پر سن تحریر نہیں ہے اور نہ ہی اس کی مماثلت شاہ جہانی عہد کی عمارتوں سے ملتی ہے۔اس لیے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہ دروازہ بھی بلند دروازہ یا اکبری مسجد کا حصہ ہوگا۔البتہ اس کی تزئین و آرائش مرمت شاہ جہان کے عہد میں ہوئی ہوگی، کیونکہ اس کی شمال کی جانب کلمہ طیبہ کے نیچے یہ شعر درج ہے۔

بعہد شاہ جہاں بادشاہ دیں پرور
زودوہ ظلمت کفر آفتاب دیں یکسر

دروازہ کی ساری عمارت سنگ سرخ کی اور باقی دروازے لکڑی کے ہیں، جن پر چاندی کے پترے چڑھے ہوئے ہیں۔اس کے مقابلے میں نقار خانہ عثمانی جدید طرز پر تعمیر کیا ہوا دروازہ ہے۔اس کی تعمیر 12 اکتوبر 1912 میں ہوئی اور اسے دہلی کے ایک ہندو ٹھیکیدار نے 42 ہزار روپے کے اخراجات سے مکمل کروایا تھا۔یہ سارا کام سرکاری سپر وائزر مولوی حبیب اللہ کی نگرانی میں ہوا۔

۲۰۔ مقبرہ شاہ قلی

غیر سرکاری عمارات کے ذمرہ میں ''شاہ قلی'' کا مقبرہ آتا ہے۔شاہ قلی خان کا اصل نام ''محمد تقی بخش'' تھا۔اکبر کے دورِحکومت میں وہ اجمیر کا صوبے دار بنا۔اس کی شدید تمنا تھی کہ وہ خواجہ کی نگری میں دفن ہو۔اس لیے اس نے یہ مقبرہ خود تعمیر کروایا تھا۔مگر شاہ قلی خان کو اس میں دفن ہونا نصیب نہ ہوا۔اس نے 1008 ہجری میں آگرہ میں وفات پائی اور وہیں دفن کیا گیا۔اس وقت شاہ قلی خان کے مقبرہ میں بہت سی قبریں ہیں۔

۲۱۔ درہ بی بی حافظہ جمال

شہنشاہ جہانگیر نے ''تزک جہانگیری'' میں لکھا ہے۔

''اجمیر کے قریب ایک درہ واقع ہے، جو نہایت ہی دلکش اور خوش نما ہے۔اس درہ کے آخر میں ایک چشمہ ہے، جس کا پانی ایک بڑے تالاب میں جمع ہوتا ہے۔یہ چشمہ اور درہ ''بی بی حافظ جمال'' کے نام سے مشہور ہے۔جب میں یہاں سے گزرا تو میرے دل میں خیال آیا کہ یہاں ایک عالیشان عمارت تعمیر کروا دوں۔چنانچہ میں نے اپنے ارادے کو پورا کیا''۔

چالیس گز مربع کی شکل میں بنا ہوا یہ چشمہ آج بھی موجود ہے اور فی زمانہ ''سعید گیلانی زرگر باشی'' کے رکھے ہوئے نام ''چشمہ نور'' سے مشہور ہے۔زمانہ قدیم میں اس چشمہ کی جگہ ''اجے پال'' کا بسایا ہوا شہر تھا۔

۲۲۔ گنج شہزاد

چشمہ نور کے پاس ہی ایک پہاڑی پر "گنج شہزاد" واقع ہے۔ جہاں امیر تر خان کے علاوہ کثرت سے اولیائے کرام کے مزارات ہیں۔

۲۳۔ آنا ساگر تالاب

اجمیر میں راجہ آنا ساگر کا تالاب اب تک موجود ہے۔اس تالاب کا طول 100 گز اور عرض 100 گز ہے۔تالاب سے ندی "ساگرمتی" نکلتی ہے، جو دریائے سونی میں جا کر مل جاتی ہے۔اس تالاب کے پاس شاہجہان کا بنایا ہوا "دولت خانہ" ہے۔

۲۴۔ راجہ بلدیو کا تالاب

اجمیر کے شرقی حصہ میں ریلوے سٹیشن کے نزدیک "راجہ بلدیو" نے بھی ایک تالاب بنوایا تھا۔ابتداء میں اس تالاب کے اردگرد بت خانے ہوا کرتے تھے۔ جنہیں سلطان محمود غزنوی نے نیست و نابود کر دیا۔تالاب کا فرش سنگین ہے۔وسط میں دو ٹیلے تھے، جن پر جہانگیر بادشاہ نے اپنا ایک چھوٹا سا محل تعمیر کروایا تھا۔آج کل یہ تمام چیزیں غارت ہو چکی ہیں،صرف تالاب موجود ہے۔اس تالاب کی شکل بیضوی ہے۔

۲۵۔ تالاب پھکر

راجہ بلدیو کے تالاب سے اڑھائی میل دور ایک اور تاریخی تالاب ہے،اسے "تالاب پھکر" کہتے ہیں۔اس تالاب کے اردگرد پہاڑ ہیں۔شمال میں "ناگر پربت"،جنوب میں "نیلگری"،مشرق میں "کٹ کا کتر" اور مغرب میں "سوناگڑھ" کے پہاڑ ہیں۔یہاں ایک مضبوط پہاڑ اورنگزیب نے بھی بنوایا تھا،جس کے ساتھ کسی زمانے میں سنگ سرخ کی بنی ہوئی مسجد ہوتی تھی۔اس وقت تو یہ مسجد موجود نہیں ہے البتہ جہانگیر

بادشاہ کے ذاتی ملازم ''راناشنکر'' کا بنایا ہوا مندر ابھی باقی ہے۔

۲۶۔ قلعہ تاڑاگڑھ

قلعہ تاڑاگڑھ اجمیر شریف میں آنے والے سیاحوں کی دلچسپی کا مرکز ہے۔اسے پرانا قلعہ بھی کہتے ہیں۔یہ قلعہ پرتھوی راج نے بنوایا تھا۔سارا قلعہ سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے۔اس قلعہ کو پہلے ولید بن عبدالملک مروانی بادشاہ شام وعرب نے فتح کرنے کی کوشش کی،مگر ناکام رہا۔بعد ازاں سپہ سالار محمد بن قاسم جب سندھ اور گجرات پر اپنا تسلط جمانے کے بعد اجمیر کی طرف بڑھا تو اس وقت راجہ دلہارائے نے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا،مگر شکست کھائی اور مارا گیا۔اس طرح یہ قلعہ تاڑاگڑھ تیسری صدی ہجری میں فتح ہوا۔

۲۷۔ درگاہ حضرت سید حسین مشہدیؒ

قلعہ تاراگڑھ کے ساتھ ہی حضرت سید حسین مشہدی خنگ (سفید گھوڑا) سوار شہید کی درگاہ ہے۔جنہوں نے 17 رجب المرجب 597ہجری کو جام شہادت نوش فرمایا۔آپ کا مزار مبارک 1024ہجری میں اکبر جہانگیر کے سپہ سالار ''اعتبار خان'' المعروف ممتاز خان نے بنوایا تھا۔مزار سے کچھ فاصلے پر آپ کے گھوڑے کی قبر ہے،جو آپ کے ساتھ ہی مارا گیا تھا۔

۲۸۔ اجمیر کی چلہ گاہیں اور معروف مدفون بزرگ:

اجمیر شریف میں بیشتر بزرگان اسلام کی چلہ گاہیں ہیں۔ان میں حضرت خواجہ غریب نوازؒ،شیخ فریدالدین گنج شکرؒ،سالار غازیؒ،حضرت قطب الاولیا سید بدیع الدینؒ المعروف شاہ مدار اور بڑے پیر صاحب کی چلہ گاہیں اور زیارت گاہیں

ہیں۔یہاں متعلقہ بزرگوں کے یوم وصال پر عرس بھی منعقد ہوتے ہیں۔حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے خلفائے اصغر میں سے زیادہ تر اجمیر ہی کی خاک میں محو استراحت ہیں۔ ان میں سے چند کے اسمائے گرامی بذیل ہیں۔

حضرت امام الدینؒ دمشقی،حضرت نیاز اللہؒ خراسانی،حضرت احمد شہابؒ کوفوی، حضرت دودالدینؒ،حضرت خواجہ محی الدینؒ،حضرت غلام ترک ہادیؒ،حضرت سلطانؒ شاہ، حضرت احمد خانؒ درانی،حضرت قادر سعیدؒ،حضرت سبحان علیؒ جمحقیؒ،حضرت امیرؒ بربانجی،سدا سہاگؒ،حضرت حاجی محمد عفرتؒ،حضرت سونجی بہادر شاہؒ،حضرت مرد غار خاںؒ ترک، حضرت مراد بیگ مغلؒ،حضرت نعمت احمد صفاؒ،حضرت محمود احمدؒ،حضرت روما والا کبر شاہؒ، حضرت غریب اصغرؒ،حضرت شہاب ولیؒ،حضرت سردار احمدؒ،حضرت ظہیر الدینؒ،حضرت معروف شاہ قریشیؒ،حضرت عبدالغفارؒ،حضرت حسن دودجیؒ،حضرت کریم احمد شاہؒ،حضرت خواجہ برہان الدینؒ،حضرت شیخ احمدؒ،حضرت شیخ محمد محسنؒ،حضرت خواجہ سلیمان کرشکیؒ،حضرت شیخ صدر الدینؒ،حضرت فتح محمد فنار خواجہ۔ان تمام تاریخی یادگاروں،قلعوں،تالابوں، مسجدوں اور چلہ گاہوں کی رونقیں حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے مرکز روحانیت سے قائم و دائم ہیں۔جہاں بادشاہ و فقیر محمود و ایاز بن کر آتے ہیں۔

☆.....☆.....☆

باب ہشتم

سلطان الہندؒ کے مزار پر اور خدمت میں حاضر ہونے والے ممتاز بزرگ شخصیات

۱۔ لارڈ کرزن

غیر مسلموں میں سب سے اہم شخصیت جس نے حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے مزار پر حاضری دی وہ مشہور وائسرائے ہند "لارڈ کرزن" ہے۔ آپ کے مزار پر حاضری دینے کے موقع پر اس انگریز وائسرائے کا دل بھی فوق جذبات سے لبریز ہو گیا تھا۔ وائسرائے ہند لارڈ کرزن نے 1902ء میں دارالخیر اجمیر شریف سلطان الہند کے مزار پر حاضری دی اور بذیل الفاظ کہے۔

"میں نے ایک قبر (خواجہ غریب نوازؒ) کو ہندوستان پر بادشاہ کرتے دیکھا ہے"۔

شہر اجمیر بھی ہے ہند میں آپ اپنی نظیر
تاج شاہی سے مرصع ہے یہاں قبر فقیر

۲۔ سلطان شہاب الدین غوری

سلطان شہاب الدین غوری 589ہجری میں سلطان الہند کی حیات مبارکہ میں ہی آپ کے دست حق پر بیعت ہوا۔اس جیالے مجاہد کوسلطان الہند نے کامرانی وفتح مندی کی شہادت دی تھی۔ وہ ایک بار پہلے بھی "ترائن" کے مقام پراجمیر کے مغرور راجہ پرتھوی راج سے شکست کھا چکا تھا۔اس نے خواب میں حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی طرف سے مژدہ جانفزا سنائے جانے پر دوبارہ حملہ کیاتو کامیاب رہا۔اپنی اس کامیابی پر وہ سب سے پہلے وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوااورقدم بوسی کی اور کہا۔

"حضور! مجھ حقیر ناچیز کی کیامجال ہے، یہ فتح یابی آپ کی دعااور اللہ کے کرم کی وجہ سے ہوئی ہے کہ اس اللہ نے مجھ جیسے معمولی انسان کوخدمت کے لیے منتخب کیا"۔

۳۔ سلطان شمس الدین التمش

615ہجری میں سلطان شمس الدین التمش نے آپ کی خدمت میں حاضری دی۔اس وقت سلطان الہند بقید حیات تھے۔سلطان التمش چاندنی رات میں اجمیر کے شہر سے پیدل چل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوااور آپ کے لعاب دہن کواپنی آنکھوں سے لگا کر سروابدی حاصل کیا۔

۴۔ حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ

حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی بارگاہ اقدس میں سب سے پہلے مشائخ ہند میں حضرت بابافرید الدین گنج شکر نے حاضری کا شرف حاصل کیااور بے شمار انعامات وبرکات حاصل کیں۔سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء کی

تالیف ''راحت القلوب'' جس کو آپ کے ملفوظات طیبات کا مجموعہ گردانا جاتا ہے۔اس حاضری کا اجمالاً تذکرہ ملتا ہے۔حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ فرماتے ہیں کہ

'' میں کئی روز تک شیخ الاسلام خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مزار مبارک پر معتکف ومراقب رہا۔نمازیں ادا کیں اور قرآن شریف پڑھا۔ایک رات میں نے متعدد پارے تلاوت کیے۔اس دوران سورہ مریم یا سورہ کہف میں سے کسی ایک آیت میں ایک لفظ پڑھنا بھول گیا تو حضرت کے مزار سے آواز آئی ''فلاں لفظ رہ گیا ہے'' آیت دوبارہ پڑھی جائے۔میں نے حکم کی تعمیل کی تو پھر دوبارہ آواز آئی .... ''شاباش! لائق فرزند ایسے ہی ہوتے ہیں''۔منزل کے اختتام پر میں نے اپنا سر مزار شریف کی پائنتی پر رکھ دیا اور چشم نم سے عرض کی .... ''مجھے نہیں معلوم کہ کس جماعت کے لوگوں میں شمار ہوتا ہوں''۔فوراً جواب ملا'' جو شخص یہ نماز پڑھتا ہے،حقیقت میں اس کا شمار بخشے ہوئے لوگوں میں ہوتا ہے''۔یہ سن کر مجھے اطمینان ہوا اور بہت سی نعمتیں لے کر اجمیر سے رخصت ہوا۔

حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کو جس نماز پر خواجہ غریب نوازؒ نے مغفرت کی بشارت دی۔وہ نویں رجب کی رات کو پڑھی جاتی ہے۔اس وقت ان کے مرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا وصال ہو چکا تھا۔اجمیر کی آبادی ایک گاؤں سے زیادہ نہ تھی۔سرکار غریب نوازؒ کی تربت ایک حجرہ میں تھی۔جس کے چاروں طرف دیواریں بنی ہوئی تھی۔خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ شہر سے پیادہ مزار تک چل کر آئے۔کاندھے پر کمبل،بغل میں جانماز اور گلے میں حمائل شریف تھی۔پہلی ہی نظر میں اس مست الست بوریہ نشین کو پہچانا نہ گیا اور جب معلوم ہوا کہ یہی مرد درویش اپنے وقت کا سلطان چشت ہے تو خلقت خدا کا ہجوم آپ کے گرد رہنے لگا۔آپؒ نے اجمیر میں چلہ

کشی بھی فرمائی جو سلطان محمود خلجی کی تعمیر کردہ مسجد کے عقب میں زیر زمین ہے۔

۵۔ حضرت مولانا فخر الدین زرادیؒ

کتاب ''سیر الاولیاء'' کے مطابق حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا انتقال ۷۲۵ھ میں ہوا تو ان کی جدائی نے حضرت مولانا فخر الدین زرادیؒ کو بیکل کر دیا۔ آپؒ حضرت محبوب الٰہیؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ مرشد سے قلبی وارفتگی کا یہ عالم تھا کہ ان کی رحلت پر ذہنی سکون متزلزل ہو کر رہ گیا اور ہر وقت سفر میں رہنے لگے۔ فیروز آباد میں تو کبھی سونی پت میں دن جنگلوں میں گزرے اور راتیں صحراؤں میں آخر ایک وقت میں اجمیر تشریف لائے تو اطمینان قلب کی دولت پائی اور کئی روز تک خواجہ غریب نوازؒ کے آستانہ پر معتکف رہے۔ ظاہری و باطنی علوم میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور بقول خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی''سلوک میں جو منزل ہم نے ایک گھنٹہ میں طے کی۔ فخر الدین زرادی نے پل بھر میں کی۔ اجمیر میں خواجہ غریب نوازؒ کے مزار مقدس پر انہوں نے کئی منازل طے کیں اور فیوض و برکات سے نوازے گئے۔ بعد میں کئی مرتبہ اجمیر معلٰی میں حاضری دی۔

۶۔ حضرت جلال الدین حسینؒ المعروف مخدوم جہانیاں جہانگشتؒ

حضرت جلال الدین حسین المعروف مخدوم جہانیاں جہانگشتؒ نے بھی اپنے سفر نامہ میں سلطان الہند خواجہ غریب نوازؒ کے مرقد مطہر کی زیارت کا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ فقیر جب آپؒ کے مزار پر حاضر ہوا تو عرض کی۔ ''السلام علیکم یا خواجہ خواجگاں سید الاولیاء مجھے دست بوسی کا شرف بخشئے'' چنانچہ تربت انوار سے آپ کا دست مبارک بر آمد ہوا۔ اور وعلیکم السلام کی آواز بھی آئی۔ یہ منظر دیکھ کر خدام متحیر رہ گئے اور اجمیر کی خلوق اس درویش کی مسخر ہوگئی۔ مخدوم جہانیاںؒ نے سلسلہ

سہروردیہ کا خرقہ خلافت حضرت شاہ رکن عالم ملتانیؒ سے پایا اور حضرت شیخ الشیوخ خواجہ نصیر الدین محمودؒ چراغ دہلوی کے مرید وخلیفہ تھے اور خرقہ خلافت سلسلہ چشتیہ انہی سے پایا۔۱۰ ذوالحجہ ۷۸۵ھ کو وفات پائی اور اوچ شریف ضلع بہاولپور میں مدفون ہیں۔ساری عمر سیر وسیاحت میں گزاری۔مشائخ وعلماء سے ملاقاتیں کیں۔چنانچہ اجمیر بھی آئے۔

۷۔ میر سید محمد کالپوری نقشبندیؒ

حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشتؒ کے بعد جس ولی اللہ کی حاضری لکھی گئی وہ نقشبندی سلسلہ کے مشہور بزرگ میر سید محمد کالپوریؒ ہیں۔حضرت شیخ ابو العلیٰؒ کے جانشین تھے۔آپ نے ساری زندگی بوریہ نشینی میں گزار دی اور درس وتدریس میں دم آخر تک مصروف رہے۔۱۰۳۱ھ میں رحلت فرمائی۔آپ کی لکھی ہوئی سورہ فاتحہ کی تفسیر سند مانی جاتی ہے۔خواجہ غریب نوازؒ سے محبت،عقیدت کی حد تک تھی۔اپنے آپ کو پروانہ اور خواجہ غریب نوازؒ کو شمع کہتے تھے۔ناظم اجمیر بہادر خاں کنبو کے عہد میں آپ اپنے فرزند دلبند میر سید احمد کے ہمراہ خواجہ غریب نوازؒ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور سات روز تک قیام فرمایا دوران مراقبہ آپؒ پر خودرفتگی کی کیفیت طاری ہوگئی۔غلام علی آزاد بلگرامی نے ماثر الکرام میں قدیم حوالوں سے لکھا ہے کہ اس عالم خودی میں حضرت خواجہ بزرگ تشریف لائے۔اور میر سید محمد کالپوری کو گلوری عطاء کی۔قدرے توقف کے بعد وہ کیفیت ختم ہوئی تو گلوری آپؒ کے ہاتھ میں تھی۔خزینۃ الاصفیا میں مرقوم ہے کہ آپؒ ہر سال خواجہ غریب نوازؒ کے مزار پر تشریف لاتے تھے۔خواجہ غریب نوازؒ کی بارگاہ سے خوش کام وبامراد ہونے والے یہ عظیم المرتبت صوفیائے کرام ومشائخین عظام کی ایک معمولی سی جھلک ہے جو اپنے عہد

عتیق کے سلاطین باکمال کو کشاں کشاں کھلتے مہکتے پھولوں کی خوشبو کے پاس دارالعلوم اجمیر میں اڑالاتی رہی، یادوں کے یہ گلاب سلطان الہند کے چمن زار میں بدستور کھل رہے ہیں مہک رہے ہیں ان کے مقدر میں حیات جاوداں لکھی جا چکی ہے۔سلطان الہند کی بارگاہ دراصل ایک مہکتا ہوا گلستان ہے

۸۔ سلطان محمود خلجی

سلطان محمود خلجی ۸۵۹ھ میں تسخیر اجمیر کے ارادہ سے میدان کارزار کی طرف بڑھا اور فتح ونصرت کے بعد آستانہ معلّی پر حاضری دی یہ حاضری مسلمہ ہے۔سلطان محمود خلجی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے خواجہ غریب نوازؒ کی حجرہ نماز یارت گاہ خلائق کو ایک رفیق الشان مقبرہ میں تبدیل کیا۔بعض مورخین نے یہ تعمیر حضرت غیاث الدین بلبن سے منسوب کی ہے قیاس ہے کہ غیاث الدین بلبن بھی آپؒ کے مزار اقدس کی خاک بوسی کیلئے آیا تھا۔تاہم سلطان محمود خلجی سے لیکر شیر شاہ سوری تک برصغیر پاک وہند کے زیادہ تر حکمرانوں اور راجاؤں نے آپؒ کے دربار میں حاضری کا شرف حاصل کیا۔

۹۔ سلطان عدنان اور شیر شاہ سوری

سلطان عدنان ۸۹۸ھ میں، شہزادہ بہادر شاہ مظفر گجراتی ۹۳۱ھ میں اور شیر شاہ سوری نے ۹۵۱ھ میں سلطان الہند کی بارگاہ میں عقیدت کے پھول نچھاور کئے۔جن بادشاہوں کو تاریخ سلاطین باجبروت کے لقب سے یاد کرتی ہے۔انہوں نے برصغیر پر اپنا تسلط جمانے کیلئے برس ہابرس جنگیں لڑیں تب جا کر فاتح ہندوستان کہلائے۔ان سلاطین باکمال نے خواجہ غریب نوازؒ کے مزار پر احتراماً اپنی

جبینیں جھکا کر اس مردفقیر کے سلطان الہند ہونے کا اقرار کیا۔جس کا مستقل قیام تو اجمیر میں تھا مگر تمام برصغیر جس کے زیر نگیں تھا اس نے شہنشاہوں کے سینوں کو ایثار کے جذبات سے گرمایا اور بتایا کہ

غریب و سادہ و رنگیں داستان حرم
نہایت اس کی حسینؑ ابتدا ہے اسمٰعیلؑ

۱۰۔ جلال الدین شہنشاہ اکبر

جب سلطان جلال الدین اکبر نے تحریف کی جسارت کی اور اپنے چند رتنوں جن میں مجاوران درگاہ (خدام) کے قریبی رشتہ دار ابوالفضل اوران مجاوران (خدام) کی بھرپور حمایت پر دین الٰہی کا اعلان کیا تو حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت خواجہ بزرگ کی اولاد میں سے حضرت شیخ بایزید جو مجدد الف ثانی کے استاد تھے نے کفر کی ان آندھیوں کے مدمقابل نکل آئے اور ابنائے وطن کو اعلائے کلمۃ الحق پر لبیک کہنے کیلئے پکارا تو اس نے اپنے ناپاک ارادے کو تج کر اللہ کے حضور اس گناہ کی معافی مانگی اور سرخرو ہوا۔ یہی سرخروئی اسے بعد ازاں خواجہ غریب نوازؒ کے آستانہ پر لے آئی۔اسے تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوئے۔ چھ برس ہی ہوئے تھے اور شکار کیلئے وہ فتح پور سیکری جا رہا تھا کہ راستے میں اس نے ملنگوں کی ٹولی کو خواجہ غریب نوازؒ کی شان میں ایک ہندی گیت گاتے سنا اس گیت نے اکبر کے ذہن پر بہت اثر کیا۔وہ شکار کرنے کو آیا تھا لیکن خود شکار ہو گیا۔اشعار نے قلب نہاں میں حضرتؒ کی الفت بیدار کر دی۔وہ پہلی بار ۹۶۹ھ میں سلطان الہند کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور مراسم آستانہ بصد شان خسروی ادا کئے اور آئندہ بھی اجمیر آنے کا عہد کا۔اس عہد کو اکبر اعظم نے ۹۷۶ھ میں نبھایا اور قلعہ چتوڑگڑھ کی فتح یابی کے بعد سلطان الہند کی

بارگاہ عظیم المرتبت میں حاضری دی۔ پھر سرکار غریب نوازؒ کی دعا سے ۱۷ ربیع الاول ۹۷۷ ھ کو فتح پور سیکری میں شیخ سلیم چشتیؒ کے مکان پر جہانگیر کی ولادت ہوئی اور شہزادہ کا نام ان ہی کے نام پر سلیم رکھا گیا۔ شعبان المعظم کے بابرکت مہینے میں جلال الدین اکبر نے اجمیر میں شہزادے کا جشن ولادت منایا۔ سارے شہر میں چراغاں کیا گیا اور خواجہ غریب نوازؒ کا مزار اقدس بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ دیگ کلاں اور اکبری مسجد جیسی یادگاریں اسی مغل اعظم کی خواجہ غریب نوازؒ سے محبت کی مظہر ہیں۔ ابوالفضل، شہنشاہ جلال الدین اکبر کے اہم رتن تھے۔ ان کے التفات نامے کی عبارت سے بھی مغل اعظم کو در خواجہؒ سے والہانہ عقیدت کا ثبوت ملتا ہے۔ ابوالفضل کا کہنا ہے کہ جب سے شاہی ملازت کا اختیار ملا ہے خدا کی قسم ایک لمحہ کیلئے بھی عزیزوں کی یاد سے غافل نہیں ہوا۔ چنانچہ کھیتی باڑی کے قابل چالیس بیگھے زمین دہلی کے رہنے والوں میں اور دس ہزار بیگھے سرہند کے لوگوں کو دلا چکا ہوں اور بیس ہزار بیگھے ملتان کے عزیزوں کے نام لکھوائی ہے۔ آگے چل کر لکھا گیا ہے'' نویسانندہ فرستادہ ام وقریب یک لک بیگہ عزیزان ومجاوران حضرت اجمیر وہ گوشہ نشینان جوار، حضرت شاہ مدارؒ و حضرت سالار مسعود غازیؒ التماس خود گرفتہ ام۔ یعنی تقریباً ایک لاکھ بیگھے زمین درگاہ اجمیر کے عزیزوں کو اور حضرت شاہ مدارؒ و بدیع الدینؒ اور حضرت سالار مسعود غازیؒ کی درگاہوں کے گوشہ نشینوں کو بادشاہ سے دلوا چکا ہوں۔ منتخب التواریخ میں ابوالفضل کے دربار اکبری تک رسائی حاصل کرنے کا سن ۹۸۱ ھ بتایا گیا ہے۔ التفات نامے کی عبارت پیش نظر ہو تو کہنا پڑے گا کہ متذکرہ سال یا اس کے بعد بیر اور کاٹھیا درس کی جاگیریں درگاہ کے نام لکھی گئی ہوں گی۔ ان دنوں میں خود اکبر اعظم اجمیر میں خواجہؒ کے آستانہ پر موجود تھا اور اسے شہزادہ دانیال کی ولادت کی خوشخبری مل چکی تھی۔ قبل ازیں جلال الدین اکبر ۹۷۸ ھ میں شہزادہ محمد مراد کے تولد ہونے کی خوشی میں روضہ اقدس پر حاضر ہوا تھا اور اس نے شہر کے گردونواح میں ایک پختہ فصیل بنوائی تھی۔ ۹۸۲ ھ میں اکبر اعظم نے بنگال فتح کیا اور ماہ صیام میں آخری مرتبہ درگاہ شریف میں

حاضری کے وقت حکم دیا کہ اکبر آباد اجمیر تک ہر منزل پر ایک محل ہر کوس پر ایک کنواں اور ایک مینار تعمیر کرایا جائے۔

۱۱۔ سلطان نورالدین جہانگیر

مغل شہنشاہوں میں جلال الدین اکبر کے بعد جس بادشاہ نے سب سے زیادہ مرتبہ آستانہ بوسی کی سعادت حاصل کی، وہ سلطان نورالدین جہانگیر ہے۔تزک جہانگیری میں اس کا اپنا بیان ہے۔میں اللہ تعالیٰ کی عنایات سے ۸ جمادی الآخر ۱۴۱۰۱ھ بروز جمعرات دارالخلافہ آگرہ میں ۳۸ سال کی عمر میں تخت پر متمکن ہوا۔میرے والد بزرگوار کے ہاں ان کی اٹھائیس برس کی عمر تک کوئی بیٹا تولد نہ ہوا۔اس لئے وہ ہمیشہ اولیاء اللہ سے دست بہ دعا رہے۔خواجہ خواجگان معین الدین چشتی جو سرچشمہ اولیائے ہند ہیں کے ہاں نیت کی کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو فرزند باحیات عنایت کرے تو میں آگرہ سے روضہ متبرکہ اجمیر تک ایک سو چالیس کوس کا فاصلہ از روئے اخلاص پا پیادہ طے کروں۔چنانچہ ۱۷ ربیع الاول ۹۷۷ھ کو اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کیا۔سلطان جہانگیر پہلی بار ۵ شوال المکرم ۱۰۲۲ کو باپ کی نصیحت کے مطابق اجمیر آیا۔نماز مغرب کا وقت تھا۔جب روضہ اطہر نظر نواز ہوا اور جہانگیر نے سواری سے اتر کر تقریباً ایک میل کی مسافت پیدل طے کی۔درگاہ خواجہ غریب نوازؒ کے فقراء ومساکین کو داد و دہش سے نوازا۔ایک دیگ نذرانہ عقیدت کے طور پیش کی۔یہ دیگ بلند دروازہ کے متصل موجود ہے اور عہد پارینہ کی یادگار تسلیم کی جاتی ہے۔انسانی فطرت کا خاصا ہے کہ بندہ خا کی احتیاج وعلالت کے وقت بارگاہ عبودیت میں دعا کی کہ جلد مستجابی کیلئے اولیائے کرام ومشائخ عظام کا تقرب پانے کی سعی کرتا ہے۔

عوام وخواص میں یہ طریق عقیدت کا جز وحقیقت بن کر رہ گیا ہے۔اس کی

شہادت ان بادشاہوں کی حاضری سے ملتی ہے جو حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے مزار اقدس پر آتے رہے۔

شہنشاہ جہانگیر ۱۴ جمادی الآخر ۱۰۲۳ھ کو صاحب فراش ہوا تو اس نے سرکار غریب نوازؒ سے صحت یابی کی دعا مانگی۔ بفضل تعالیٰ دعا قبول ہوئی اور جہانگیر آپؒ کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہوا۔فقیروں کا لباس پہنا اور کان چھیدوا کر مندریں ڈلوائیں۔ چشمہ بی بی حافظہ جمالؒ پر شاہی عمارات تعمیر کرنے کا حکم دیا۔اس موقع پر درباری شاعر سعد گیلانی نے تاریخ لکھی جو ''نور چشمہ'' پر کندہ ہے۔اگلے سال ۵ اور ۶ رجب کی درمیانی رات شہنشاہ جہانگیر نے خواجہ غریب نوازؒ کے عرس میں خصوصی شرکت کی اور سماع کے دوران چھ ہزار روپے تقسیم کئے اور سوا لاکھ کے مصارف سے روضہ مبارک کے گرد سنہری کٹہرہ نصب کرایا۔سلطان الہند کی بارگاہ میں شہنشاہ کی یہ حاضری سب سے طویل تھی۔اس نے تین سال سے زیادہ عرصہ تک اجمیر میں سکونت اختیار کی۔شہزادی حورالنساء بنت شاہ جہاں بھی جہانگیر کے ساتھ رہی، اس نے یہیں انتقال کیا اور خواجہ اجمیر کی درگاہ میں ہی اسے سپرد خاک کیا گیا۔

۱۲۔ شہاب الدین محمد شاہ جہان

شہاب الدین محمد شاہجہان کے زمانہ شہزادگی کی حاضریوں کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔اس نے کئی بار خواجہ غریب نواز کے مزار پُرانوار کی زیارت کا شرف حاصل کیا اور اپنے دور حکومت میں کم از کم پانچ مرتبہ سلطان الہند کی بارگاہ میں سلام عقیدت پیش کرنے کیلئے حاضر ہوا۔۲۰۔محرم الحرام ۱۰۲۴ھ میں شاہجہان نے اودھے پور پر قبضہ جمایا اور جشن فتح ونصرت اجمیر معلیٰ میں منایا۔خواجہ غریب نوازؒ کی تربت کے سامنے جب شاہجہاں کھڑا تھا تو اس کی آنکھوں سے فرط جذبات سے آنسو رواں تھے۔اس دور کے مورخ ملا عبدالحمید لاہوری (المتوفی ۱۰۲۵ھ) نے شاہجہاں

کی اس حاضری کا تذکرہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ''شاہجہاں نے خواجہ بزرگ کے آستانہ کو جھک کر بوسہ دیا۔ اسکی آنکھیں اشکوں سے لبریز تھیں۔ بعد میں شہنشاہ نے درگاہ شریف کے گوشہ نشینوں اور مجاوروں میں صدقات وخیرات بانٹی اور چند ایک کے نام وظائف بھی جاری کئے۔

۱۳۔ شہزادی جہاں آراء بیگم

شہزادی جہاں آراء بیگم کو حضرت سرکار غریب نوازؒ کی ذات اقدس سے والہانہ عقیدت تھی، شاہجہان ۱۸، شعبان المعظم ۱۰۵۳ھ کو اپنی زاہدہ باکمال بیٹی کے ساتھ دوبارہ آپؒ کے روضہ اقدس پر حاضر ہوا۔ شہزادی جہاں آرا بیگم تقریباً ایک ماہ آنا ساگر کی شاہی عمارت میں قیام پذیر رہی اور بپاس ادب وتعظیم روزانہ صبح ومسا خواجہ غریب نوازؒ کے مزار پر حاضری دیتی رہی۔ اس کا حال شہزادی نے اپنی کتاب، مونس الارواح میں یوں لکھا ہے۔ بخت کی یاوری اور طالع کی فیروزمندی سے اپنے والد بزرگوار کے ساتھ اکبرآباد سے چل کر خطہء پاک اجمیر آئی اور ۱۸ شعبان المعظم سے ۱۵ رمضان المبارک ۱۰۵۳ھ تک عمارات تال میں مقیم رہی۔ خدا نے مجھے روزانہ ہر منزل میں دو رکعت نماز نفل، ایک بار سورہ یٰسین اور سورہ فاتحہ پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ میں خلوص کیشی اور عقیدت مندی کے ساتھ اس کا ثواب حضرت پیر دستگیر خواجہ سید معین الدینؒ کی پاک روح پر نثار کرتی۔ شہزادی مزید لکھتی ہے کہ میں نے ان چند دنوں میں پلنگ پر سونا گوارا نہ کیا اور نہ ہی آرام کے وقت روضہ اطہر کی جانب پاؤں پھیلائے بلکہ اس طرف پیٹھ بھی نہ کرتی۔ ایک روز میں روضہ کی زیارت کو گئی تو اس آستانہ کی خاک کو اپنے چہرے سے لگایا۔ دروازہ سے گنبد تک ننگے پاؤں زمین چومتی ہوئی اندر پہنچی اور سات مرتبہ اپنے پیر وہادی کے مرقد کا طواف کیا۔ اپنی پلکوں سے جھاڑو دی اور وہاں کی خاک کو اپنا سرمہ بنایا۔ قصہ مختصر میں نے قبر پر اپنے ہاتھ

سے عطر ملا اور پھولوں کی چادر جو میرے سر پر تھی روضہ مبارک پر چڑھائی اور سنگ مرمر کی مسجد میں جو اس عاجز کے باپ نے بنوائی تھی نماز پڑھی۔شہزادی حورالنساء نے عقیدت کے جذبات سے مغلوب ہو کر اس خواہش کا بھی اظہار کیا ہے کہ اگر میرے اختیار میں ہوتا تو ہمیشہ کیلئے آپؒ کے روضہ پر رہتی اور اسی عافیت کدہ میں مشرف بہ حق صداقت ہوتی ۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ ایسی متبرک جگہ کو داغ مفارقت دے کر چلی آؤں ۔لیکن میں مجبور تھی ۔شاہجہان نے مزید تین مرتبہ خواجہ غریب نوازؒ کے روضہ منور پر حاضری دی اور ہر بار خواجہ غریب نوازؒ سے کامل عقیدت مندی کا مظاہرہ کرتا رہا۔شاہجہان نے درگاہ معلیٰ میں ایک مسجد بھی بنوائی اور آنا ساگر کے کنارے سنگ مرمر اور سنگ سرخ کی حسین و پرکشش عمارات تعمیر کرنے کا حکم صادر کیا۔اس کے علاوہ درگاہ کے جملہ مصارف کے پیش نظر اکبری دور کی جاگیروں میں اضافہ کرتے ہوئے سترہ گاؤں وقف کر دیے اور اسے کار خیر سے تعبیر کیا۔

۱۴۔ شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر

شاہجہاں کے بعد شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اجمیر میں گزارا۔عنان حکومت سنبھالے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا کہ اسے شہزادہ داراشکوہ کے باغیانہ عزائم کی خبر ملی ۔ادھر داراشکوہ اجمیر ہی میں راجہ جسونت سنگھ کی امداد سے ایک بڑے حملے کی تیاریوں میں مصروف تھا۔اُدھر شہنشاہ عالمگیر جمادی الثانی ۱۰۶۸ھ کو اجمیر پہنچا ۔راجہ جسونت سنگھ نے شہنشاہ سے فوراً معافی مانگ لی اور داراشکوہ میدان کارزار میں تنہا رہ گیا۔اس نے اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ تاراگڑھ کے قلعہ پر مورچہ بندی کر کے عالمگیری سپاہ کا مقابلہ کیا اور جب شکست کے آثار دکھائی دیئے تو اپنے بیٹے سپہر شکوہ کے ساتھ گجرات کی جانب بھاگ کھڑا ہوا۔اس فتح پر شہنشاہ عالمگیر دوگانہ نماز شکرانہ کی ادائیگی کے لئے سرکار غریب نوازؒ کے مزار

پر حاضر ہوا اور خواجہؒ کے حضور پانچ ہزار روپے صدقہ و خیرات مجاوران اور فقیروں میں بانٹے۔ راجہ جسونت سنگھ نے بھی شہنشاہ کی معیت میں آستانہ عالیہ پر حاضری دی۔ گجرات کی عملداری حاصل کی اور ۱۴ رجب المرجب تک اجمیر ہی میں قیام کیا۔ ۱۸۔ محرم الحرام ۱۰۹۰ھ کو شہنشاہ عالمگیر کے دل میں خواجہ غریب نوازؒ کی محبت پھر موجزن ہوئی وہ اجمیر چلا آیا۔ صفر المظفر کے مہینے کی سات تاریخ تک درگاہ معلی میں روزانہ حاضری دی۔ اسی سال ۱۹ شعبان المعظم کو سرکار غریب نوازؒ کی آستانہ بوسی کا شوق اسے ایک بار اور اجمیر لے آیا۔ اس مرتبہ شہنشاہ عالمگیر نے تین ماہ دارالخیر میں قیام کیا۔ ربیع الاول ۱۰۹۱ھ میں شہزادہ محمد اکبر کی بغاوت کی اطلاع پا کر شہنشاہ عالمگیر عازم سفر ہوا۔ بغاوت ختم کی اور سپاس گزاری کیلئے خواجہ غریب نوازؒ کے مرقد کا طواف کیا اور درگاہ کے نام کافی جاگیر عطا کی۔

۱۵۔ صوبوں اور ریاستوں کے راجے

مغل شہنشاہوں کے علاوہ اس دور میں مختلف صوبوں اور ریاستوں کے راجے مہاراجے اور حکمران بھی خواجہ بزرگؒ کے آستانہ پر دیدہ و دل فرش راہ کرتے رہے۔ عہد عالمگیری اور کچھ مدت بعد کے غیر مسلم راجاؤں میں جے پور کے مہاراجہ سوائی مادھو سنگھ اور کشن گڑھ کے مہاراجہ مان سنگھ قابل ذکر ہیں۔ ان ہر دو راجاؤں کو سرکار غریب نوازؒ سے گہری وابستگی تھی اور وہ متواتر خواجہ غریب نوازؒ کے مرقد اطہر پر حاضری دیتے رہے۔ عرس کے دنوں میں نذر نیازیں بھی تقسیم کرتے۔

۱۶۔ بہادر شاہ ظفر

سلطنت مغلیہ کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر جو خود کو۔ ''نہ کسی کی آنکھ کو نور ہوں، نہ کسی کے دل کا قرار ہوں۔ کہتے تھے، حقیقت میں خواجہ خواجگانؒ سے بے انتہا عقیدت رکھتے تھے۔ حضور غریب نوازؒ سے محبت ہی ان کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور تھی۔

ہے جو خواجہؒ کی زیارت کا تصورا ے ظفر ☆ آبسی گویا مری اجمیر آنکھوں کے تلے۔

بہادر شاہ ظفر نے اس شعر میں اجمیر کو ''حویلی اجمیر'' کے حوالے سے مونث لکھا ہے کیونکہ عہد مغل میں اجمیر صوبہ بھی تھا سرکار بھی اور حویلی بھی۔ کاغذات میں اجمیر کو'' حویلی اجمیر'' ہی لکھا جاتا تھا۔ بہادر شاہ ظفر کو آپؒ کے آستانہ کی زیارت کی بڑی تڑپ تھی، مگر خدا جانے وہ کیا مجبوریاں تھیں، جن کے باعث وہ خواجہ غریب نوازؒ کے مرقد پر حاضر نہ ہو سکے تاہم وہ ہر سال عرس کے موقع پر دہلی سے پا پیادہ جانے والی فقراء کے ساتھ اپنے حصے کا نذرانہ اور قلبی عقیدت کے اظہار کیلئے چاندی کا بنا ہوا ایک چراغ بھیج دیتے۔ دریں اثنا بہادر شاہ ظفر نے دہلی میں حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ کے مزار پر باقاعدگی سے حاضری دی۔ ۲۵ جولائی ۱۸۴۵ء کو حضور غریب نوازؒ کی مہندی روانگی کیلئے تیار تھی تو بادشاہ سلامت نے اپنے مشیر خاص مرزا بہادر بخش کو ایک سو روپے نذرانہ دے کر ساتھ روانہ کیا اور خود اجمیر کو اس پیدل جانے والے کارواں کے ساتھ جسے مہندی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اولیاء مسجد تک الوداع کہنے کیلئے گئے۔ خواجہ غریب نوازؒ سے بہادر شاہ ظفر کی عقیدت، حضرت فخر الدین دہلویؒ کی مناسبت سے تھی جس کے وہ مرید با اخلاص تھے۔ چنانچہ

کلیاتِ ظفر میں جابجا اپنے پیر و مرشد کا ذکر بڑی محبت و عقیدت سے کرتے رہے۔

خدا وندا نہ کچھ دنیا میں چاہتا ہوں نہ عقبیٰ میں
بس اتنا چاہتا ہوں میں کہ یہ دولت میسر ہو
دمِ محشر مجھے جس وقت لایا جائے روبرو تیرے
ہنسی ہونٹوں پہ اشک آنکھوں میں فخر الدین زباں پہ ہو

اور تو اور بادشاہ ہوتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا۔ میں تو اپنے فخر الدین کے کفش برادروں میں ہوں۔ حضرت مولانا فخر الدینؒ ۱۱۹۹ھ میں چشتی سلسلہ کے مجدد وقت اور شیخِ طریقت ہوئے ہیں۔

برصغیر کے کئی مشہور سلسلے سلیمانیہ، نیازیہ وغیرہ آپ کے فیض سے آج تک جاری و ساری ہیں۔ اس اعتبار سے بہادر شاہ ظفر چشتی، سلسلہ ارادت میں منسلک تھے۔ انہوں نے خواجہ غریب نوازؒ کی شان میں متعدد اشعار قلمبند کئے۔ ان کی بعض غزلیں ان کی قلبی و ارادت کی آئینہ دار ہیں۔

تم ہوا ے خواجہ معین سروران حق پرست
تم ہو رمز آگاہ کن اور واقف سر الست
تم مددگار ظفر ہو کیوں ظفر کو ہو شکست
پر فلک کی دیکھ گردش کانپتے ہیں پاؤ دست
یا معین الدینؒ چشتی دستگیری لازم است
طواف کرتا ہے تمہارے آستاں کا آسماں
کعبہ اہل صفا ہو ، قبلہ گاہ مقبلاں

خواجہؒ ہر دو جہاں ہو شاہ شاہان جہان
آپؒ کا دست حمایت چھوڑ کر جاؤں کہاں
یا معین الدین چشتیؒ ، دستگیری لازم است

۱۷۔ امیر سعادت علی

بہادر شاہ ظفر کے والد اکبر شاہ ثانی کو بھی سرکار غریب نوازؒ سے بے حد عقیدت تھی ، موضع گگوانہ مندوزئی اجمیر سے دس میل ادھر پٹھانوں کی ایک قدیم بستی ہے ۔ جہاں ۱۸۵۷ء کے غدر کی یادگار ایک مسجد اور کنواں ہے ۔ اسے میر سعادت علی نے تعمیر کرایا اور مرزا غالب نے اس قطعہ تاریخ لکھا جو یہ ہے ۔

میر سعادت علی کرد در اجمیر طرح
مسجد وچاہی کہ ہست چشمہ آب بقاء
زانکہ زباقر علی تابعلی میر سد
حلقہ بہ حلقہ بہم سلسلہ اش مرحبا
ساختہ شد چوں مکاں کرد بدل احمد آں
ازرہ صدق وصفا نذر رسولؐ خدا
از پئے ایں سال نیک ، گفت ہمایوں سروش
چشمہ ء زمزم صفت ، مسجد کعبہ بنا ۔ ۱۲۲۹ھ۔

بعض معتبر روایات سے معلوم ہوتا کہ میر سعادت علی دہلی کے رہنے والے تھے اور ملازمت کے سلسلے میں کافی عرصہ اجمیر شریف میں مقیم رہے ۔

غالب سے ان کی دوستانہ راہ و رسم تھی ۔انہوں نے گگوانہ میں ایک مسجد اور کنواں بنوایا ۔قیاس اغلب ہے کہ غالب نے گگوانہ مندوزئی میں قیام کے دوران خواجہ اجمیر کے مزار منورہ پر ضرور حاضری دی ہوگی کیونکہ ان کے فارسی کلام میں خواجہ غریب نوازؒ سے ان کی عقیدت کا اظہار ہوتا ہے۔

چوں اعانت خواہی از یزداں پاک
یا معین الدینؒ اگر گوئی چہ پاک
ابلہاں راز انکہ دانش نار ساست
گفتگو با برسر حرف نداست

۱۸۔ نواب مصطفیٰ علی خان شیفتہ

نواب مصطفیٰ علی خان شیفتہ ، غالب ومومن کے شاگرد اور دوست کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔آپؒ نے محرم الحرام ۱۲۵۵ھ کو اجمیر میں حاضری دی اور چار یوم تک آستانہ معلی پر گوشہ نشین رہے۔آپ اپنے ایک سفر نامہ میں لکھتے ہیں۔دارالخیر اجمیر، کشن گڑھ سے آٹھ کوس پر خواجہ معین الدینؒ کے مزار کی زیارت نصیب ہوئی ۔درگاہ کے پاس شاہجہان بادشاہ کی بنائی ہوئی مسجد ہے۔درگاہ کی دلکشی اور اس مسجد کی خوشنمائی بیان سے باہر ہے۔شہر کا نقشہ جے پور کے انداز پر ہے۔

۱۹۔ مفتی صدر الدین آرزو

مفتی صدر الدین آرزو نے بھی جو غالب کے معاصرین میں سے تھے عرصہ دراز تک یہاں رہے آپ مفتی وصدر امین جہاں آباد (دہلی) تھے۔

۲۰۔ غوث علی شاہ قلندر پانی پتیؒ

مشہور بزرگ حضرت سید غوث علی شاہؒ (المتوفی ۱۸۸۰ء) کا بیان ہے کہ میرے والد کا رسالہ اجمیر سے ۱۴ میل کے فاصلہ پر نصیر آباد چھاؤنی میں تھا۔ میرے والد مجھے ہر جمعہ کو خواجہ غریب نوازؒ کے مزار پر لے جاتے، اس زمانے میں زار کا باپ الیگزنڈر اول کشمیری فقیر کے بھیس میں دربار میں رہتا تھا۔ بہت سے لوگ اس کی شان فقر کے گرویدہ ہو چکے تھے۔ ولی عہد روس الیگزنڈر کی گمشدگی ایک معمہ بنی ہوئی تھی چنانچہ وہاں کی حکومت نے شہزادے کی تصویر اور مضمون کا ایک اشتہار چھاپ کر تمام ملکوں میں بھیج دیا کمشنر اجمیر کے پاس جب یہ اشتہار پہنچا تو کسی نے شہزادہ الیگزنڈر کو فقیری کے لباس مجاز میں دیکھ کر حقیقت منتظر کو بے نقاب کر دیا۔ کمشنر نے حکومت روس کو اطلاع دے دی تو فوج کا ایک دستہ اسے لینے کیلئے آیا۔ سب نے اپنی ٹوپیاں تعظیماً خواجہ غریب نوازؒ کے اس فقیر کے سامنے اتار دیں۔ شہزادے کو سلامی دی گئی اور اسے چشم نم اجمیریوں نے الوداع کہی۔

۲۱۔ نواب فصیح الملک مرزا داغ دہلوی

نواب فصیح الملک مرزا داغ دہلوی ایک عرصہ تک درگاہ خواجہ غریب نوازؒ کے مہمان رہے۔ ان دنوں والئی دکن کی طرف سے ملنے والا وظیفہ بند ہو چکا تھا۔ اقتصادی اور مالی پریشانیوں سے دوچار تھے۔ یہی تردد خاطر اور آشفتہ

حالی انہیں خواجہؒ کے در کا گدائی بنا کر لے آئی تھی۔ آپ قیام اجمیر کے دوران بطیب خلوص سرکار غریب نوازؒ قدسی صفات کے حضور پیش ہوتے رہے۔ ان کے یہ منظوم احساسات اسی آشفتہ سامانی کے ترجمان ہیں۔

یا خواجہ معین الدین چشتی سلطان الہند غریب نوازؒ
یا واقف راز خفی وجلی سلطان الہند غریب نوازؒ
فریاد تمہیں سے ہے میری، تکلیف سہی کیسی کیسی
ہو دادطلب کی دادرسی سلطان الہند غریب نوازؒ
لائی ہے مجھے امید کرم، اس خاک اور اس در کی ہے قسم
سب دور ہوں میرے رنج ولی، سلطان الہند غریب نوازؒ
یہ داغ کہاں تک رنج سہے تم سے نہ کہے تو کس سے کہے
تم آل نبیؐ اولاد علیؑ سلطان الہند غریب نوازؒ

یہ اشعار بارگاہ فقیری میں قبول ہوئے اور خواجہ غریب نوازؒ کی دعاؤں سے داغ دہلوی کو اجمیر ہی میں وظیفہ کی بحالی کا تار وصول ہوگیا۔

۲۲۔ شاعر مشرق علامہ اقبالؒ

حکیم الامت شاعر مشرق علامہ اقبال کو صوفیائے چشت اور بالخصوص حضرت خواجہ غریب نوازؒ سے بڑی عقیدت تھی۔ علامہ اقبال اجمیر میں خواجہؒ کے مزار پر حاضر ہوئے تھے یا نہیں۔۔؟ اس بارے میں تاریخ خاموش ہے اور حضرت علامہ اقبالؒ کی باضابطہ حاضری کا مصدقہ ثبوت کسی کتاب میں مذکور نہیں تاہم یہ حقیقت ہے

کہا نہیں سلطان الہند کی بارگاہ محبت میں حاضری دینے کا بے حد اشتیاق تھا۔ ۲۹ مارچ ۱۹۱۹ء کو مہاراجہ کشن پرشاد کے نام ایک خط میں انہوں نے لکھا'' دہلی تو گیا تھا اور دو دفعہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی درگاہ پر بھی حاضر ہوا تھا مگر افسوس کہ پیر سنجرؒ کے دربار میں حاضر نہ ہو سکا۔انشاءاللہ العزیز پھر جاؤں گا اور اس آستانہ کی زیارت سے شرف اندوز ہو کر واپس آؤں گا۔علامہ اقبال کے نزدیک اجمیر دارالامن تھا، دارالخیر تھا، انہوں نے پیغام

پیر سنجرؒ کے علاوہ بھی اپنے اشعار میں خواجہ غریب نوازؒ سے محبت کے لئے چشتی کی تلمیح استعمال کی۔چشتی نے جس زمیں پر پیغام حق سنایا۔

اور پھر، دل بیتاب جا پہنچا دیارِ پیر سنجرؒ میں
میسر ہے جہاں درمان درد نا شکیبائی

سلطان الہند خواجہ غریب نوازؒ کی بارگاہ میں ایک اقبالؒ ہی نہیں، کئی اور عظیم شعراء و فضلاء بھی اقبال مندی کیلئے حاضری دیتے رہے۔ان شعراء کے منظوم جذبات خواجہؒ کی بندہ نوازی اور ان سے عقیدت کے مظہر ہیں۔

خواجہ خواجگاں معین الدینؒ
فخر کون ومکاں معین الدینؒ
قرب حق اے نیاز گر خواہی
ساز ورد زباں معین الدینؒ

(حضرت مولانا شاہ نیاز بریلویؒ)

بے مانگے ہوئے ملتے ساغر کو یہیں دیکھا
ساقی سا سخن داتاؒ ہم نے تو نہیں دیکھا
(مضطر خیر آبادی)

۲۳۔ مولانا حسرت موہانی

مولانا حسرت موہانی، قادری تھے اور چشتی بھی، اپنے پیر طریقت اور مشائخ فرنگی محل کی تقلید میں وہ خواجہ غریب نوازؒ کے آستانہ اطہر پر کئی مرتبہ حاضر ہوئے۔ انہیں سرکار غریب نوازؒ سے بے پناہ قلبی وابستگی تھی جس کا اظہار انہوں نے شعروں میں بھی کیا۔

نورِ حق کی ضیاء معین الدینؒ
شمع بزم صفا معین الدین
کام حسرت کے سارے بن جائیں
ہو جو لطف آپ کا معین الدینؒ

۲۴۔ امیر حبیب اللہ خان و نواب حامد علی و والیٔ دکن میر عثمان علی

۱۹۰۷ء میں افغانستان کے بادشاہ امیر حبیب اللہ خان، سرکار غریب نوازؒ کے مزار اقدس پر حاضری دینے آئے اور کئی گھنٹے تک تنہا قبہ شریف

میں روتے رہے۔۱۹۰۹ء میں والئی رامپور نواب حامد علی خان آستانہ عالیہ پر تشریف لائے اور ۱۲۔ اکتوبر ۱۹۱۲ء کو والئی دکن میر عثمان علی خان نے خشوع وخضوع کے ساتھ حاضری دی۔ مجاوران درگاہ اور فقراء کو صدقات وخیرات دیں اور نظام گیٹ تعمیر کرایا ۔اسی سال ۱۳ نومبر کو دوبارہ آستانہ اجمیر پر تشریف فرما ہوئے اور گنبد شریف اور جامع مسجد کی مرمت کرائی۔ چاندی کے چراغ نذر کئے اور سونے کی ایک تختی کندہ کرائی۔

جس پر یہ شعر تھا۔

گر بگذرم بہ خاطر پاک تو پاک نیست
خاشاک ہیں کہ برسر دریا گذر کند

۲۵۔ مہاراجہ گوبند سنگھ و مہارانہ کرشن پرشاد

۱۹۱۲ء میں مہاراجہ گوبند سنگھ والئی دیتا، دربار اجمیر میں آیا اور مسلسل چالیس روز تک خواجہؒ کے آستانہ پر معتکف رہا۔ دولت آصفیہ حیدر آباد دکن کے مدار المعام اور صدر اعظم مہاراجہ سرکشن پرشاد کو بزرگان اسلام سے حد درجہ عقیدت تھی۔ اپنی اسی عقیدت ووارفتگی کے رنگ میں وہ ۲۳ دسمبر ۱۹۲۴ء کو خواجہ بزرگ کے مزار انور پر حاضری دینے آئے۔ روضہ مبارک پر آکر کئی روز باآواز بلند خود قرآن حکیم کی تلاوت سنتے۔ سرکار غریب نوازؒ سے محبت کا یہ عالم تھا کہ اپنے بیٹے کا نام خواجہ پرشاد رکھا۔ مہاراجہ سرکشن پرشاد شعری ذوق بھی رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ خواجہؒ کی درگاہ میں مورچھل ہلانے کی سعادت ملی۔ تو برجستہ یہ رباعی کہی۔

ے

مورچھل جھلنے کی خدمت مل گئی
شاد کو دنیا میں عزت مل گئی
بارگاہ خواجہؒ اجمیر سے
لوکلید گنج قسمت مل گئی

۲۵۔ مہاتما گاندھی

۱۹۲۲ء میں کل ہند خلافت کانفرنس کے موقع پر مہاتما گاندھی نے خواجہ غریب نوازؒ کے مزار اقدس پر عقیدت کے پھولوں کی چادر چڑھائی اور جب تک اجمیر میں قیام رہا۔متواتر سورج طلوع ہونے سے پہلے سلطان الہند کی بارگاہ میں حاضری دیتے رہے۔مہاتما گاندھی نے اس موقع پر ان الفاظ میں خواجہ بزرگؒ کو نذرانہ عقیدت پیش کیا۔''لوگ اگر سچے جذبے کے ساتھ خواجہؒ صاحب کے دربار میں جائیں تو آج بھی ان کے باطن کی بہت سی خرابیاں ہمیشہ کیلئے نابید ہوسکتی ہیں اور آدمی اپنے اندر غیر معمولی قوت کا ادراک کرسکتا ہے۔''

۲۷۔ مولانا محمد علی جوہر

۱۹۲۸ء میں مولانا محمد علی جوہرؒ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں شرکت کیلئے لندن جانے سے پہلے خواجہ غریب نوازؒ کے مزار پُر انوار پر حاضر ہوئے اور اپنی کامیابی سفر کی دعا مانگی۔۱۹۳۳ء میں علی سکندر جگر مراد آبادی کل ہند نعتیہ مشاعرہ کے سلسلہ میں اجمیر تشریف لائے اور خواجہ غریب نوازؒ کے مزار اقدس پر مسلسل ایک ہفتہ حاضری دیتے رہے۔اس موقع پر کہی گئی آپ کی مشہور نعت ۔اک رند ہے اور مدحت سلطان مدینہ۔زباں زد خاص عام ہوئی۔

باب نہم

اجمیر میں حضرت سلطان الہندؒ کے شب و روز ، معمولات زندگی وتلقین وارشادات

قیام اجمیر کی مدت

قیامِ اجمیر کی مُدّت:	۲۳ سال
پیغام	: محبت، اخوت، مساوات
طریقِ تبلیغ	:ذکرِ الٰہی، تلاوت قرآنِ حکیم، عشقِ رسولؐ، اتباعِ سُنّت اور پابندیِ صوم صلوٰۃ۔
لباس	: سادہ
خوراک	:روزانہ صرف ۵ مثقال کی روٹی، ایک مثقال ساڑھے چار ماشے وزن کا ہوتا تھا (سونے کا سکہ جو عرب میں رائج تھا)

فقراء کا مسلک سنت رسولؐ

خالقِ کائنات نے بنی نوع انسان کی تخلیق کے ساتھ ہی انسانی عظمت کی تشکیل فرمائی تھی اور اس کا مکمل اظہار اس وقت ہوا، جب اللہ وتبارک وتعالیٰ نے حضور سیّد المرسلین ﷺ کے مقدس وسیلے سے بلاامتیاز ورنگ ونسل کرہ ارض کے تمام انسانوں کو ابدی نجات کا پیغام دیا۔ یہ درحقیقت دینِ حقہ کا پیغام تھا جس کے ابتدائی ۲۳ سال

سُرورِدوعالمؐ کی حیاتِ طیبہ اور آلِ رسولؐ کے دَور کا احاطہ کئے ہوئے تھے۔اسلامی تحریک کے ان ۱۲۳برسوں میں محبوبِ خداؐ کے تربیت یافتہ جاں نثاروں کی بہت بڑی تعداد مصروفِ تبلیغ عمل رہی اور زندگی کے ہر شعبہ میں کلمۃ الحق کے شیدائی اسلام کے اصولوں پر سختی سے عمل پیرا رہے۔اگر چہ اس ابتدائی دَور میں مُسلمان کہیں کہیں باہمی قتال وجدال میں مبتلا ہوئے ،لیکن اسلام کے اصولوں پر اُن کے راسخ العقیدہ ہونے میں قطعاً کسی شبہ کی گنجائش نہیں رہتی ۔پھر جب خلافت کی جگہ ملوکیت نے لے لی تو ملّتِ اسلامیہ کے افراد بظاہر انفرادی حیثیت سے اسلامی اصولوں کے پابند نظر آتے تھے،لیکن اجتماعی طور پر ان میں یہ خوبی مفقود تھی ۔یہی وجہ ہے کہ بنوامُیّہ اور بنوعبّاس کی ملوکیت نے دین کے تقدّس اور وقار کو مجروح کر کے رکھ دیا اور گردشِ لیل ونہار کے ساتھ ساتھ وعظ اور محتسب ایک دوسرے کے شریک وسہیم دکھائی دینے لگے۔وہ حرص وہوس کے بندے کہلائے اور بادشاہوں کے غلام تصوّر کئے گئے ۔آلِ رسول، اولیاء اللہ اور صوفیاء کرام کا جہاد،اس تنگ نظری،متعصب خیالی،ناانصافی اور جبر وتعدی کے خلاف ایک شدید رَدِّ عمل تھا۔ان میں خواجہ غریب نوازؒ پیش پیش تھے۔

حضور سرورِکائناتؐ نے اپنے قول وعمل سے پیغامِ الٰہی کی جس طرح تصدیق فرمائی،خواجہ غریب نوازؒ جیسے درویش صادق اور فقیر کامل نے اسے سرفروشانہ انداز میں اپنایا اور پیغامِ الٰہی کی تفسیر بن کر یہ ثابت کر دکھایا کہ زمین پر خوشبوؤں سے زیادہ پاکیزہ اور بادلوں سے بڑھ کر مقدّس زندگی گزارنا ہی رضائے خُداوندی اور منشائے تخلیق آدمیت ہے۔آپؒ بحکمِ رسالت مآبؐ برصغیر ہند تشریف لائے،اس وقت مملکتِ اسلامیہ حدود صرف لاہور تک متعیّن تھیں اور اس شہر میں سید میراں حسین زنجانی اور حضرت سید علی ہجویری داتا گنج بخشؒ کے بعد ان کی اولاد،خلفاء،معاون علماء

کرام اور خدام عظام موجود تھے اس لیے آپ غریب نوازؒ کتا لیس درویش ساتھیوں کے ہمراہ جو اپنی استعداد کے مطابق تبلیغِ حق میں مصروف تھے، اس لیے آپ غریب نوازؒ اپنے اکتالیس درویش ساتھیوں کے ہمراہ اجمیر چلے آئے جہاں آپؒ نے رشد و ہدایت کا ایک وسیع نظام پھیلا دیا۔

بے سروسامانی کے عالم میں ہندوستان میں تبلیغ کا ارادہ

فقیر الحال خواجہ غریب نوازؒ قدسی منش بزرگ تھے جن کا کہیں ٹھکانا تھا، نہ گھر بار۔اللہ سے ایسی لو لگی کہ زندگی کے پورے باون برس صحرا نوردی میں گزارے۔کبھی اس شہر میں تو کبھی دوسرے شہر میں، ہر دم مصروف سیاحت رہے۔روکھی سوکھی جو میسّر آ گئی اُسے ہی مقدر سمجھ لیا۔جہاں نیند آئی وہیں نیلے آسمان تلے سو لئے۔غرض ایک فقیرانہ زندگی بسر کی۔اطلس و کمخواب سے منہ موڑا۔کالی کملی والے کی تقلید میں بوریا نشینی کو مسلک بنایا اور بانگِ دُہل فقر و استغنا کی تلقین کی

مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

اسی خودی میں ہزاروں میل کا سفر طے کیا۔مصائب، تکالیف اور خطرات سے گھرے ہوئے ہولناک راستے سواری کا انتظام اور نہ ہی زادِ راہ پاس تھا،اس پر مستزاد کہ تبلیغ کے لئے ایسے ملک میں چل کر آئے جہاں کی زبان سے واقفیت تھی نہ وہاں کے باشندوں کی عادت کا کچھ علم تھا۔دِل میں فقط نورِ ایمان کی کرنیں اور سینے میں الفتِ رسول کی شعاعیں تھیں۔حضرت خواجہ غریب نوازؒ جب ہندوستان پہنچے تو اس وقت کا ایشیا دو بڑے طبقوں کے درمیان حدِ فاصل تھا۔ایک طرف مشرق وسطٰی

کے انسانوں کی سسکتی ہوئی زندگی تھی تو دوسری طرف ہندوستان کی وسعتوں میں انسانیت کراہ رہی تھی ۔ برصغیر کے ہندو آج کے دَور کی بہ نسبت زیادہ ہی متعصب اور تنگ نظر تھے ۔ چھوت چھات کا بڑا زور تھا ۔ اہرنیت اور برہمنیت کے اسی ماحول میں خواجہ غریب نوازؒ اجمیر میں داخل ہوئے ۔ اجمیر بڑے بڑے سادھوؤں اور مہاتماؤں کا مسکن تھا جو گردونواح کی پہاڑیوں اور گپھاؤں میں رہتے تھے ۔ انہوں نے جب سُنا کہ ایک مسلمان درویش نے نگاہِ فقر میں شانِ سکندری لئے اجمیر کو مستقر بنالیا ہے تو روزانہ جتھہ دار پہاڑیوں اور گپھاؤں سے نکلتے اور خواجہ غریب نوازؒ کی مجلس کو درہم برہم کرنے کی کوشش کرتے ۔ کبھی ناقوس بجاتے تو کبھی اینٹیں برساتے ، مگر جب اپنے ان کمالاتِ سنگ زنی سے تھک ہار کر بیٹھ جاتے تو حضرت خواجہ غریب نوازؒ تلاوتِ قرآن حکیم شروع کر دیتے اور یہ سادھوان کے لحنِ داؤدی پر مبہوت ہو کر رہ جاتے ۔ فرقان حمید کی آیات تلاوت ہو رہی ہوں فضا میں سحر نہ چھا جائے یہ کیسے ممکن ہے؟ اللہ کا ذکرِ پاک سُن کر تو شجر وحجر جھوم جھوم جاتے ہیں ۔ پتھروں کو بھی زبان مل جاتی ہے ، چنانچہ اس کلام ستودہ صفات کا اثر سادھوؤں اور مہاتماؤں کے دِلوں پر گہرا ہوتا چلا گیا اور وہ ایک دن آپؒ کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہو گئے ۔ خواجہ بزرگؒ ، دین کے سچے پَرِ وکار اور مجاہد تھے ، جن کی نگہ بلند نے کفر ہند میں آکر دیکھ لیا کہ اندھیرا نور کے پاس نہیں آئے گا ، نور کو ہی اندھیرے میں پہنچ کر اپنے جلوؤں کی شان دکھانا ہو گی ممکن ہے اس ترقی یافتہ دَور کی چکا چوند میں یہ کام اتنا رفیع الشان معلوم نہ ہو ، لیکن بارہویں صدی عیسوی کے ہندوستان کے حالات کا نقشہ مدنظر ہو تو قدرے سوچنا پڑتا ہے کہ اللہ کا ایک مخلص بندہ تن تنہا اس جاں سوزی کے عالم میں غیر مسلموں کے مُلک میں چل کر آتا ہے کہ تاریکیوں میں رسولِ عربی کا پیغام عام کر دے ۔ اس کے

پاس کوئی فوج ہے اور نہ ہی توپ و تفنگ اور اسلحہ وغیرہ ۔صرف ایمان کی قوت ہے یا خُداوند قدوس کی بزرگ و برتر ذات باری تعالیٰ پر کامل بھروسہ اور حضور سرورِ کونینؐ کے فرمان کو ہر دل تک پہنچانا ،اس کی زندگی کا مشن بن جاتا ہے۔

حضرت خواجہ غریب نوازؒ اپنے عہد کے دانائے راز تھے ۔اجمیر میں مستقل قیام کے دوران آپ کی ذات مقدسہ نے باقاعدہ ایک جماعت اور ایک تحریک کی شکل اختیار کرلی ۔حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کی نظرِ کیمیا اور متعدد بزرگوں کی صحبت نے آپؒ کی سیرت کی تعمیر میں نمایاں رنگ بھر دیئے تھے ۔کردار کی اس حد تک تکمیل ہو چکی تھی کہ آپؒ اپنی صلاحیتیں معاشرہ کی اصلاح میں صَرف کر سکتے تھے ۔یہی وجہ ہے کہ آپؒ کی شخصیت میں ایسی جاذبیت اور روحانی کشش پیدا ہو چکی تھی کہ جو بھی زیارت کیلئے آتا ،آپ ہی کا ہوکر رہ جاتا ۔پرتھوی راج کے دَورِ حکومت میں بدترین آمریت مسلّط تھی ۔ذات پات کے امتیازات نے سماجی زندگی میں ابتری اور انتشار پھیلا رکھا تھا۔آپؒ نے جابر سُلطان کے روبرو کلمۂ حق کہا۔''بھوکوں کو کھانا کھلاؤ،غُربا کی فریاد سُنو اور درماندوں کی دستگیری کرو''۔

خواجہ غریب نوازؒ نے اس مرحلہ پر غزنیں و نیشاپور کی داستانِ خونچکاں کو نہ چھیڑا ۔ملاحدہ باطنیہ کی مذموم سرگرمیوں پر کوئی حاشیہ آرائی نہ کی ۔بغداد کے سیاسی زلزلوں کی حکایت نہ سنائی اور نہ ہی تاتاریوں کی بربریت کا نقشہ پیش کیا، بلکہ صرف اور صرف اخوت و مودّت اور اسلامی مساوات کا پیغام دیا ۔اس پیغام سے نچلی ذات کے لوگوں میں خودی کا جذبہ بیدار ہوا اور وہ خود بخود دینِ حق کی طرف مائل ہوتے چلے گئے ۔ہندو حاکموں نے آپؒ کی راہ میں مشکلات کے پہاڑ ایستادہ کئے ۔قدم قدم پر روڑے اٹکائے ۔عرصۂ حیات تنگ کیا، جب مقابلے پر خود نہ ٹھہر سکے تو جادوگروں

اور جوگیوں کو مد مقابل لے آئے، لیکن خواجہ غریب نوازؒ کی روحانی قوت اور کشف و کرامات کے سامنے کوئی بھی نہ ٹھہر سکا۔ آپؒ نے زندگی کے سفر میں نیکی، محبت اور سچائی کا درس دیتے ہوئے معاشرتی سیاسی اور ہر قسم کے باہمی رشتوں کو پائیدار اور پُر وقار بنایا۔ تحمل، ایثار اور صبر کے ہتھیاروں سے خود غرضی، کمینگی اور ظلم کی طاقتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور صداقت کی تبلیغ سے کبھی غافل نہ رہے۔

حضرت سلطان الہند کا طریقہ تبلیغ

حضرت خواجہ غریب نوازؒ کا طریقِ تبلیغ اُن کے چشتیہ مسلک، مسلک آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عین مطابق تھا جس میں شریعت کی پابندی پر سب سے زیادہ توجہ مرکوز کی جاتی ہے۔ آپؒ چونکہ خود بھی قائل تھے کہ شریعت کی پاسداری اور پابندی کے بغیر بارگاہِ عبودیت میں مقبولیت ومحبوبیت ممکن نہیں، خواہ اس کیلئے کوئی چلن اپنایا جائے۔ چنانچہ آپؒ نے اجمیر میں قیام کے دوران ذکر الٰہی، تلاوتِ قرآنِ حکیم، عشقِ رسالت مآبؐ، اتباعِ سُنّت، پابندیٔ صوم وصلوٰۃ اور حُسنِ اَخلاق کو بطور خاص اہمیت دی اور ترکِ دُنیا کی بجائے لوگوں میں گھل مل کر انہیں دینِ اسلام کا متوالہ وشیدائی بنایا۔

اجمیر میں مستقل سکونت اختیار کر کے خواجہ غریب نوازؒ نے محسوس کیا کہ ہندوستانی سماج میں عزت و دولت کی بنیاد پیشے ہیں اور اس سے ادنیٰ واعلیٰ امتیاز روا ہے۔ چنانچہ آپؒ نے نظامِ رشد وہدایت کی بدولت ان بُتانِ وہم وگمان کو توڑا اور حُکمِ اذاں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا درس دیتے ہوئے لوگوں کو باور کرایا کہ ذات پات کی غیر فطری تقسیم اِنسان کی اختراع ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام لوگ برابر ہیں۔ عزت اور دولت کے علاوہ رنگ ونسل اور زبان کے اعتبار سے کسی عجمی کو عربی پر، عربی کو عجمی پر

فوقیت نہیں، عزت اور بڑائی کا معیار صرف نیکی و شرافت ہے اور خالقِ کائنات کا تقرّب اسے ہی حاصل ہے جو متقی و پرہیز گار ہے اور حقوق العباد سے پہلو تہی نہیں کرتا۔ آپؒ نے مزید فرمایا کہ مذہب کسی خاص طبقے کی جاگیر نہیں اور نہ ہی کسی ایک قوم کے افراد کی اس پر اجارہ داری ہے۔ مذہب تو انسانیت کی اصلاح وفلاح کا ذریعہ ہے اور ہر ایک کو اسے اختیار کرنے کا حق حاصل ہے جو دینِ حق کو اپنا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر اپنی نعمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔

خواجہ غریب نوازؒ لوگوں کو اسلام کے بنیادی ارکان پر عمل پیرا ہونے کی تلقین فرماتے رہے انہیں مخلوقِ خدا سے محبت، عفوودرگزر، بڑوں کا احترام، چھوٹوں سے پیار، ظلم وفساد سے گریز اور انسانیت کی خدمت کا درس دیا۔ ہر ایک کو دعوتِ وحدت و عشق دی اور ترک رذائل اخلاق کی ہدایت فرمائی۔ یہ اندازِ سخن ایسا فطری تھا جو سنگدل افراد کو بھی موم کر دیتا ہے اور وہ دینِ حقانیت کی عالمگیر صداقتوں پر ایمان لے آتے تھے۔ یہ آپؒ کے پیغامِ حق کا اثر ہے کہ آج برصغیر کے گوشے گوشے سے اذانیں بلند ہوتی ہیں۔

حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے اپنی زندگی کے آخری ۲۳ سال اجمیر میں رشدوہدایت میں گزارے۔ سادہ لباس پہننا، پانچ مثقال سے زیادہ وزن کی روٹی سے کبھی افطاری نہ کی۔ نگاہِ اُلفت کی تاثیر دمِ آخر تک ایسی رہی کہ جس طرف دیکھا، ابرِ گلزار بنا دیا۔

؎
نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
یہ سپر کی تیغ بازی وہ نگہ کی تیغ بازی

سلطان الہند کی آمد سے قبل ہندوستان کے حالات

یہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی نگہِ بلند کی کرشمہ سازی تھی کہ جاں پُرسوزی اور سخن دلنوازی سے درویشی میں بھی سلطانی کی۔تذکرۂ مجالس حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی پاکیزہ جدوجہد سے ہندوستان کے تیرہ وتاریک خطے میں علم وعرفان کے سوتے پھوٹے۔آپ کی صحبت خود ایک عظیم درس گاہ تھی کہ جس میں شبانہ روز سینکڑوں افراد شریک ہوتے اور رشد وہدایت سے مالا مال ہوکر جاتے۔

ولی کامل کی مجلسی زندگی ہالہ نور ہوتی ہے، جو بھی ان کی صحبت میں آتا ہے، سرخرو ہوکر جاتا ہے۔ان کے ارشادات کی روشنی تاریک سے تاریک دلوں کو بھی منور کردیتی ہے۔اولیاءکرام کی ایک پہچان یہی ہے کہ ان کی زندگی حضور نبی کریمؐ کی محبت وعشق اور تعظیم وتکریم کی مظہر ہو اور وہ دین حقہ کے شیدائیوں میں یہ سرمایہ حیات لٹاتے رہیں۔حضرت خواجہ غریب نوازؒ کا شمار برصغیر کے ان اکابر اولیاءحیات میں ہوتا ہے، جنکی پاکیزہ جدوجہد سے ہندوستان کے تیرہ وتاریک خطے میں علم وعرفان کے سوتے پھوٹے جنہوں نے خدا اور رسولؐ کی مقدس تعلیمات سے ظلمت کدۂ ہند کو روشنی وتابندگی بخشی اور اپنی روحانی رفعتوں سے تعلیم وتلقین کے موتی بکھیرے۔سرکار غریب نوازؒ کی صحبت خود ایک عظیم درسگاہ تھی، ان کی مُجالس میں شبانہ روز سینکڑوں افراد شریک ہوتے جنہیں آپؒ رشد و ہدایت فرماتے تھے۔ہندالولی حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ غریب نواز کی مجلسی زندگی کا بابرکت پہلو یہ تھا کہ آپؒ مجالس میں شریک ہونے والوں کو وعظ ونصیحت فرماتے۔یہ آپؒ کا حُسنِ یقین تھا کہ روحانیت کی کرامت، اپنے پرائے سبھی مجالس میں کشاں کشاں چلے آتے تھے۔دلوں میں صدقِ محبت اور بوئے وفا لئے، عاصی گناہ گار آتے اور رحمتِ

خداوندی کے خزینے سمیٹ کر لوٹتے۔ خود خواجہ غریب نوازؒ کا فرمان تھا کہ جس کے دل میں آل رسول ﷺ اور اولیائے کرام کی دوستی اور محبت ہو، خُدا تعالیٰ اس کو ہزار سال کی عبادت کا ثواب عطا کرتا ہے۔ اگر اس درمیان میں اس کا انتقال ہو جائے تو حق تعالیٰ اس کو شہید کا درجہ عطا فرماتا ہے اور اس کا مقام علیین ہوتا ہے۔

طریقہ ختم خواجگان چشتؒ

یہ ختم جس نیت و قصد سے پڑھا جاتا ہے وہی مقصد حاصل ہوتا ہے۔ طریقہ اس کا یہ ہے کہ پہلے ایک بار سورۃ فاتحہ پڑھے، پھر سورۃ فاتحہ معہ بسم اللہ سات بار پڑھے۔ پھر درود شریف سومرتبہ پھر الم نشرح مع بسم اللہ 79 مرتبہ، پھر سورۃ اخلاص یا بسم اللہ ہزار مرتبہ، پھر سورۃ فاتحہ با بسم اللہ سات بار پھر درود شریف دو مرتبہ، پھر فاتحہ پڑھ کر ثواب اس ختم کا ارواح خواجگان چشتؒ کو پیش کرے۔

پھر اللہ تعالیٰ سے حصول مدعا بوسیلہ ان بزرگوں کے چاہے اور جب تک کام نہ ہو جاری رکھے اللہ تعالیٰ ہر مشکل کو آسان کرنے والا ہے۔ اس ختم کو خواہ ایک شخص تنہا پڑھے یا زیادہ لوگ پڑھیں لیکن رعایت حد و د وتر کی اعلیٰ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ وتر ہے اور وتر کو دوست رکھتا ہے۔ ہمارے بزرگوں کا دستور یہ تھا کہ بعد فاتحہ آخر کی دعا با آواز بلند پڑھتے تھے اور کہتے تھے ہم نے ثواب ان کلمات کا جو اس حلقہ میں پڑھے گئے ہیں ارواح طیبات حضرات خواجگان چشتؒ کو پیش کیا اور اللہ تعالیٰ سے ہم امداد و اعانت بواسطہ ان بزرگوں کے چاہتے ہیں۔

زمانہ سلف کا واقعہ اور بغض اولیاء

زمانہ سلف کا واقعہ ہے کہ ایک شخص اولیاء کرام کو دیکھ کر مُنہ دوسری طرف پھیر لیتا تھا اور آتش رشک وحسد میں جلنے لگتا تھا، اس شخص کو انتقال کے بعد قبر میں اتارا

گیا۔شرکاءِ تجہیز و تکفین نے ہر چند کوشش کی کہ اس کا مُنہ قبلہ کی طرف کریں مگر کسی طرح اس کا منہ قبلہ رُو نہیں ہوتا تھا۔خلقت کو حیرت ہوئی تو غیب سے آواز آئی کہ تم لوگ اس شخص کے لئے کیوں رنج کرتے ہو،یہ وہ شخص ہے جو دنیا میں اولیاءکرام کو دیکھتا تھا تو مُنہ دوسری طرف پھیر لیتا تھا۔پس جس شخص نے میرے دوستوں سے مُنہ پھیرا،وہ میری رحمت سے محروم رہا اور گمراہ ہوا۔ایسا شخص قیامت کے دن ریچھ کی صورت میں اُٹھایا جائے گا۔

مرشد کو دیکھنا عبادت ہے

حضرت خواجہ غریب نوازؒ جب کبھی مجالس میں موعظت وعبرت کی اس مثال کو دہراتے تو ساتھ ہی حضور سرورِ پُرنور کا یہ ارشاد بھی سناتے کہ ''آل رسول اور اولیائے عظام کی زیارت عبادت میں شامل ہے۔اگر کوئی سات دن یہ عمل جاری رکھے تو حق تعالیٰ اس کے تمام گناہوں کو معاف کردیتا ہے اور سات ہزار سال کی نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں درج فرماتا ہے مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ دن کو روزہ رکھے اور یادِ حق میں شب بیداری کرے۔''خواجہ خواجگانؒ خود برسوں اس پر عمل پیرا رہے اور اپنے مرشد کی زیارت وخدمت گزاری میں راتوں کی نیندیں اور دن کا چین گنوا یا۔فرماتے ہیں ''جب مَیں شیخ الاسلام سُلطان المشائخ حضرت خواجہ سید عثمان ہارونیؒ سے پیوست ہُوا اور بیعت کا شرف پایا۔آٹھ سال کی مُدّت تک حضرتؒ کی خدمت گزاری میں ایک لمحہ نفس کو آسودگی نہ دی۔دن کو دن جانا نہ رات کو رات ،جہاں حضرتؒ مسافرت کو جاتے،دُعا کو حضرتؒ کا جامہ خواب اور توشۂ سفر سر پر لئے ہمرکاب رہتا تھا۔پیرومرشد نے اس درویش کی خدمت دیکھ کر وہ نعمت عطا کی جس کی

کوئی حد نہیں۔" پھر فرماتے ہیں۔ "جس نے پایا خدمت سے پایا، مُرید کو چاہئے کہ پیر کے فرمان سے ذرّہ بھر تجاوز نہ کرے اور جو کچھ پیر نماز اور وظائف وغیرہ کے متعلق بتائے اس کو گوش و ہوش سے سُنے اور اس پر عمل کرے تا کہ اس مقام پر پہنچے جہاں پیر مرید کو پہنچانا جاتا ہے کیونکہ جس امر کی پیر مُرید کو تلقین کرے گا وہ حصولِ کمال کے لئے ہوگا۔"

اشرف اولیاء معین الدینؒ حضرت غریب نواز نے اپنا مرتبت عالی مشائخ عظام کی صحبتوں سے بالعموم اور مرشدِ کامل کی زیارت و خدمت گزاری سے بالخصوص حاصل کیا۔ بعد ازاں ان کے ملفوظات پند و موعظت اور حکمت و معرفت کے خزانے کو خلیفہ اکبر حضرت خواجہ سید قطب الدین بختیار کاکیؒ سمیٹتے رہے۔ آپؒ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی مجالس روحانی میں باقاعدہ خشوع و خضوع کے ساتھ شریک ہوتے اور اپنے مُرشد کی زبان فیضِ ترجمان سے جاری ہونے والے ارشادات کو لکھ لیتے۔ مجالس کے اسی تذکرہ کو آپؒ نے "دلیل العارفین" کا نام دیا۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ دہلوی کی یہ مرتبہ تحریریں تالیفِ قلب کا زندہ ثبوت ہیں اور سب کے لئے فیض اور رہنمائی کا باعث بھی۔ آپؒ کے مطابق حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے ارشاد فرمایا کہ "اپنے پیر و مرشد کے چہرے کی طرف دیکھنا اور خدمت میں مصروف رہنا، ایک قسم کی عبادت ہے۔ حضرت خواجہ سید عثمان ہارونیؒ نے معرفت المریدین کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص ایک دن بھی اپنے پیر کی ایسی خدمت کرے، جیسا کہ حق ہے تو خُدا تعالیٰ اس کو جنت میں موتیوں کے ہزار محل عطا فرمائے گا۔ ہر محل میں حوریں اس کی خدمت پر مامور ہوں گی اور وہ قیامت کے دن جنت میں جائے گا۔ پس اس کو چاہئے کہ جو کچھ پیر و مرشد کی زبان سے سُنے اس پر دل و جان سے

توجہ دے اور اس کے بتائے ہوئے وظائف و نماز ادا کرے اور برابر اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوتا رہے۔ اگر متواتر کا مقدور نہ، تو حتی المقدور بجالائے۔"

سلطان الہند کی نظر میں نماز کی فضیلت

اللہ اللہ کیا وہ اولیاء کرام تھے اور کیا وہ معتقدین ___ خاک میں کیا صُورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو کر بھی زندہ جاوید ہوگئیں۔ اس الحاد و مادہ پرستی کے دَور میں ایسی شخصیتیں کہاں؟ ترقی یافتہ روشن خیالی کے دَور نے مسلمانوں کو مغربیت اور فیشن پرستی کی طرف دھکیل دیا ہے۔ مشرقی اقدار اب آؤٹ آف ڈیٹ ہو کر رہ گئی ہیں۔ اب تو پیری مُریدی بھی دکھاوے کی ہوتی جارہی ہے۔ ایک خواجہ غریب نوازؒ تھے کہ تصنع اور دنیاداری سے ہمیشہ دُور رہے، اور ایک آج کا دور ہے کہ

ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی
گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن
یہی پیرحرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیم بوذرو دلق اویس وچادر زہراؑ

حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے کفر والحاد کی تاریکیوں میں خیمہ زن ہو کر بادِ مخالف کے جھونکوں میں نورِ ایمانی کے چراغ روشن کئے اور حاضرینِ مجلس کو عاشقِ رسولؐ بنانے کے ساتھ ساتھ اسلام کے بنیادی ارکان کا بھی درس دیتے رہے۔ ایک نشست میں آپؒ نے نماز کے موضوع پر تفصیلاً بیان فرمایا کہ "نماز میں لوگ منزل گاہ عزت

کے قریب ہوتے ہیں، کیونکہ نماز مومن کی معراج ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے الصلوٰۃ معراج المومنین۔ بعدہ آپؒ نے فرمایا کہ المصلی یناجی ربہ مزید برآں نماز بندوں کے لئے خُدا کی امانت ہے۔ پس بندوں کو چاہئے کہ اس کا حق ادا کریں اور اس میں کسی قسم کی خیانت کے مجرم نہ ہوں۔'' اس موقع پر حضرت خواجہ معین الدینؒ غریب نواز نے سیاحت کے دوران بُخارا میں دستار بندوں سے سُنی ہوئی حکایت بھی بیان فرمائی۔

ایک مرتبہ کسی نے حضور سرورِ دو عالمؐ کو خواب میں دیکھا کہ آپؐ ایک شخص کو صلوٰۃ میں دیکھ رہے ہیں جو رکوع و سجود کا پورا حق ادا نہیں کر رہا تھا۔ نماز سے فراغت کے بعد آنحضرتؐ نے اس شخص سے پوچھا کہ تُو کتنے عرصہ سے اس طرح نماز پڑھ رہا ہے؟ اس نے عرض کیا ''چالیس سال سے'' حضورؐ نے ارشاد فرمایا ''اس عرصہ میں تمہاری کوئی نماز نہیں ہوئی۔'' اس کے بعد خواجہ غریب نوازؒ مومنین کو تلقین فرماتے ہیں کہ نماز میں خیانت ہرگز نہ کی جائے اور اسے صحیح طریقہ سے ادا کیا جائے۔''

نماز کے متعلق آپؒ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کی تعلیمات کو بھی دہراتے ہیں کہ قیامت کے دن کُل انبیاء، اولیاء اور مسلمانوں سے نماز کا حساب ہوگا، جو نماز سے عہدہ بَرا ہوگا خوشی پائے گا، جو اس کے جواب سے قاصر رہے گا عذاب دوزخ میں مبتلا ہوگا۔'' حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ مزید فرماتے ہیں کہ ''نماز دین کا رکن ہے اور رکن ستون ہوتا ہے۔ پس جب ستون قائم ہوگیا تو مکان بھی قائم ہوگا، جب ستون نکل جائے گا تو چھت گر پڑے گی، چونکہ اسلام اور دین کے لئے نماز بہ منزلہ ستون ہے، اس لئے اگر نماز میں فرض، سُنت، رکوع میں خلل پڑے تو حقیقت میں اسلام و دین اور اُس کے جزیات خراب ہو جائیں گے۔ ایک روز بہت سے اولیاء کرام رحمۃ

اللہ علیہم حضرت غریب نوازؒ کی خدمت سراپا برکت میں حاضر تھے اور نماز کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ آپؒ نے فرمایا کہ اہلِ عشق فجر کی نماز پڑھنے کے بعد اسی جگہ اشراق کے وقت تک بیٹھے رہتے ہیں۔ مقصود اس سے یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہِ قبولیت ان پر پڑے اور انوار تجلیات ان پر زیادہ ہوں، جو شخص نمازِ فجر پڑھ کر نماز اشراق پڑھنے کے واسطے اسی جگہ بیٹھا رہتا ہے، اس کے لئے حق تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے اور جب تک وہ نمازی اشراق نہیں پڑھتا فرشتہ اس کے لئے دُعائے خیر و بخشش کرتا رہتا ہے۔

نماز کی فضیلت بیان کرتے ہوئے حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا کہ ہر روز دو فرشتے آسمان سے اُترتے ہیں۔ ایک کعبۃ اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر پکارتا ہے کہ ''اِنس و جن بگوشِ ہوش سنو اور سمجھ لو کہ جس نے خُدا کا فرض ادا نہیں کیا خُدا اُس سے بَری الذمہ ہے۔'' دوسرا فرشتہ رسول اللہ ﷺ کے روضہ مبارک کے سامنے کھڑے ہو کر آواز دیتا ہے۔ ''اے اِنس و جن، بگوش و ہوش سُنو اور آگاہ ہو کہ جس نے رسول اللہ کی سُنّت کو ادا نہیں کیا، وہ قیامت کے دن آپ کی شفاعت سے محروم رہے گا۔''

آگے چل کر خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں ''افسوس ہے اِن لوگوں کے حال پر، جو نماز کے ارکان پورے طور پر ادا نہیں کرتے اور نماز ادا کرنے میں دیر کرتے ہیں۔ جب ایسے نمازیوں کی نماز کو فرشتہ اوپر لے جاتا ہے تو اگر چہ آسمان کا دروازہ کھل جاتا ہے، لیکن فرمانِ خداوندی ہوتا ہے کہ اس نماز کو یہاں مت لاؤ بلکہ واپس لے جا کر اس نماز کے پڑھنے والے کے منہ پر مار دو۔ جب فرشتے حُکمِ الٰہی کی تعمیل کرتے ہیں تو اس وقت نماز اس نمازی کے واسطے بد دُعا کرتی ہے کہ جس طرح تُو نے مجھے ضائع و برباد کر دیا، اسی طرح خدا تجھے ضائع و برباد کرے۔

آپؒ کی ایک اور مجلس مبارک میں چند بزرگان بھی جمع تھے اور اس مسئلہ پر گفتگو

ہو رہی تھی کہ عصر کی نماز میں تاخیر کرنا چاہئے یا تقدیم ؟اس عنوان پر آپؒ نے فرمایا'' زہے نصیب وہ مُسلمان جو نماز کے وقت میں تاخیر نہیں کرتے اور وقت خاص پر نماز ادا کرتے ہیں اور ہزار افسوس اُن مسلمانوں پر جو بندگیٔ مولا میں تقصیر کرتے ہیں اور خاص وقت پر نماز نہیں پڑھتے ۔'' یہ بیان کرتے ہوئے حضرت خواجہؒ نے فرمایا ''حضرت خواجہ سید عثمان ہارونیؒ سے منقول ہے کہ حضرت امام زاہدؒ نے تفسیر آیت کریمہ فویل للمصلین الذین هم عن صلوٰتهم ساهون میں تحریر فرمایا ۔دوزخ میں کنواں یا میدان ہے کہ اس سے زیادہ دوزخ کے کسی حصّہ میں عذاب نہیں ہوگا ۔عذاب ان کے واسطے ہے جو وقت پر نماز نہیں پڑھتے ۔''

قرآن کی حرمت وعظمت

قرآن کی حُرمت اور عظمت سے انکار ممکن نہیں ۔اس کی فضیلت مسلمہ ہے۔ حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے ایک مجلس میں قرآن حکیم کی زیارت وتکریم پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا۔کلام مجید کو دیکھنا اور پڑھنا عبادت ہے۔شرح اولیاء میں رقم ہے کہ جو کوئی قرآن حکیم کو دیکھے یا پڑھے اس کو خدا تعالیٰ دو طرح کا ثواب عطا فرماتا ہے ۔ایک زیارت کا دوسرا تلاوت کا ۔اور ہر حرف کے عوض دس نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دی جاتی ہیں اور دس بُرائیوں سے پاک کیا جاتا ہے ۔''حضرت سید قطب الدین بختیار کاکیؒ فرماتے ہیں کہ دُعا گو نے عرض کیا ''سفر اور لڑائی میں کلام مجید پاس رکھنا چاہئے یا نہیں؟ ''حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے مجلس میں میرے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا ''پہلے اِسلام اس قدر ترقی پذیر نہیں تھا،اس لئے حضورؐ نے قرآن مجید ساتھ رکھنے کی اجازت نہیں دی تھی کہ مبادا کفار کے قبضہ میں پہنچ جائے اور وہ بے حُرمتی کریں۔مگر یہ زمانہ اسلام کی قوت کا ہے اس لئے کوئی خطرہ نہیں ۔کلام اللہ

پاس رکھنا چاہئے کہ اس سے برکت ہوتی ہے اور فتح و کامرانی کے امکانات روشن ہو جاتے ہیں۔'' پھر فرمایا کہ ''سلطان محمود غزنوی کو خواب میں دیکھا، پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟'' کہنے لگے۔''ایک رات میں ایک دوست کے ہاں مہمان تھا۔ طاق میں قرآن مجید رکھا تھا۔ دل میں خیال گزرا کہ قرآن مجید کی موجودگی میں سونا بے ادبی ہے اس لئے قصد کیا کہ قرآن مجید اس مکان سے باہر بھیج دوں، مگر دل نے فوراً کہا، کہ قرآن مجید کو اپنے آرام کے لئے علیحدہ کرنا بھی تو بے ادبی ہے لہٰذا میں نے اپنے آرام کے لئے دوسری جگہ تجویز کی۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند آئی اور قرآن مجید کا ادب کرنے کے صلے میں مجھے بخش دیا گیا ہے۔'' جامع الحکایات کا واقعہ بزبان غریب نوازؒ کچھ یوں ہے۔

پہلے زمانے میں ایک فاسق و فاجر نوجوان سے تمام مسلمان بیزار تھے۔ ہر چند اس کو سمجھایا جاتا تھا۔ مگر وہ کسی کی نصیحت ماننے والا کب تھا؟ الغرض جب وہ مرگیا تو ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ اس کے سر پر تاج ہے، کمر میں زرنگار پیٹی بندھی ہوئی ہے اور فاخرانہ لباس زیب تن کئے وہ رونق افروز ہے۔ فرشتوں کو حکم ہوا کہ اس کو بہشت میں پہنچا دیا جائے۔ بزرگ نے اس سے دریافت کیا کہ تُو نے اپنی زندگی فسق و فجور میں گزاری تھی۔ تجھے یہ دولت کیسے نصیب ہورہی ہے، وہ نوجوان بولا۔ ''مُجھ سے دُنیا میں صرف ایک نیک کام ہوا ہے کہ میں قرآن مجید کو دیکھ کر ہمیشہ تعظیم سے کھڑا ہو جاتا تھا۔ صرف کلام پاک کی اس حرمت کے باعث اللہ جل شانہٗ نے میرے تمام گناہ بخش دیئے ہیں اور مجھے یہ منصب عطا فرمایا ہے۔

عارف کامل کی ذات صد ہزار تجلیات کا پرتو

خواجہ خواجگان حضرت غریب نوازؒ نے رشد وہدایت کے دوران جو بات کی بقرآن وحدیث کے پس منظر میں کی آپؒ خود عارف کامل تھے۔فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ کسی بزرگ سے یہ سُنا کہ عارف وہ ہے جو دونوں جہاں ترک کرکے مجرد ہوجائے اور مقام فردانیت پر پہنچے، کیونکہ جو اس مقام پر ہوتا ہے، وہ دونوں جہان سے بیگانہ ہوتا ہے۔ایک صحبت میں حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے عارف کی نشانیاں بتائیں۔آپؒ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے عارف ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کچھ نہیں مانگتے۔وہ دنیا کے دشمن اور خدا کے دوست ہوتے ہیں۔دنیا سے متنفر ہوتے ہیں اور انہیں غل وغش اور حسدات کی خبر تک نہیں ہوتی۔ہر وہ عارف، جس میں تقویٰ ہومگر گداگری کا پیشہ اختیار کرے وہ لقمہ حرام کھاتا ہے۔عارف کا ایثار عاشق بے نیازی ہے اور محبّ کا ایثار آرزو۔عارف کا توکّل خدا کے سوا کسی اور پر نہیں ہوتا اور نہ وہ کسی اور کی طرف التفات کرتا ہے۔اس کا توکل حق کے ساتھ اس طرح کا ہوتا ہے کہ وہ عالمِ سکر میں متحیر ہوتا ہے۔

عارف آفتاب صفت ہوتا ہے جس سے ایک عالم منور ہوتا ہے۔وجملکیعالم سے خبردار نہ ہو،اور لاکھوں معنی بیان نہ کرے اور ہر وقت بحر معنی میں شناوری نہ کرے، عارف نہیں ہوسکتا۔عارف پرتو عالم غیب سے

صد ہزار تجلیات نازل ہوتی ہیں۔تبسّم ریزی اس کی علامتوں میں سے ہے۔وہ جب مسکراتا ہے تو عالم ملکوت میں مقربان اس کے روبرو ہوتے ہیں۔جو کچھ اُن سے ظاہر ہوتا ہے وہ اسے دیکھ کر مسکراتا ہے۔عارف دنیا کا تمنائی نہیں ہوتا۔اس پر ایک ایسی حالت بھی طاری ہوتی ہے کہ اس وقت اسے ہزار ایسے ملک پیش کئے

جائیں جن میں ہمہ نو عجائبات ہوں تو وہ ان کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔ دُنیا کے فاصلے اس کے سامنے ہیچ ہوتے ہیں۔ وہ حالتِ وجد میں عرش سے حجابِ عظمت اور وہاں سے حجابِ کبریا تک پہنچ جاتا ہے۔ جب عارف خاموش ہو، تو اس سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ اللہ سے باتیں کر رہا ہے، جب آنکھیں موند لے تو اس لئے نہیں کھولتا کہ اسرائیل صور نہ پھونک دے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی غریب نوازؒ نے حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ سے 'شرح عارفاں' کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا ''جو بندہ رات کو طہارت سے سوتا ہے، فرشتوں کو ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ جب تک وہ بیدار نہ ہو، اس کے قریب رہو۔ فرشتے اس کی رُوح زیرِ عرش لے جاتے ہیں۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ اس کو خلعتِ نور پہنائی جائے اور جو بندہ بے طہارت سوتا ہے اس کی روح کو آسمانِ اوّل سے گرا دیا جاتا ہے۔

محبت و عشق میں صداقت کی نشانی اور پہچان

دُنیا و مافیہا ترک کرنے والے اہلِ سلوک میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت خواجہ غریب نوازؒ اس بارے میں فرماتے ہیں کہ اہلِ سلوک میں محبت ایک ایسا علم ہے کہ لاکھوں علماء اس کو سمجھنا چاہتے ہیں مگر ذرّہ بھر ان کو اس کی خبر نہیں ہوتی اور زہد میں ایسی اطاعت ہے جس کی زاہدوں کو خبر نہیں ہوتی۔ وہ ایک بھید ہے جو دونوں جہاں سے باہر ہے اور اسے اہلِ محبت اور اہلِ عشق کے سوا کوئی نہیں جانتا۔'' پھر اہلِ محبت کی تعریف میں فرمایا۔ ''اہلِ محبت کی فریاد بوجہ شوق و اشتیاق اس وقت تک رہتی ہے

جب تک دوست نہ مل جائے، کیونکہ عاشق اس وقت تک واویلا کرتا ہے، جب تک دولتِ مشاہدہ اسے حاصل نہیں ہو پاتی۔ جب مشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے، گفتگو نہیں رہتی۔ ہمہ اہلِ محبت کا مرتبہ یہ ہے کہ اگر ان سے پوچھا جائے کہ شب کی نماز پڑھ لی تو کہیں اس سے فراغت نہیں۔ ہم ملک الموت کے گرد پھرتے ہیں، جب درماندہ ہو جاتے ہیں اس کا ہاتھ پکڑ لیتے ہیں۔ اہلِ محبت اگرچہ محبت میں مجبور ہوتے ہیں، تاہم کام ایسے لوگوں کے اختیار کرتے ہیں جو سوتے اور جاگتے میں مطلوب کے طالب ہوتے ہیں، وہ صرف حق تعالیٰ کی بات سُنتے ہیں اور جب مرتے ہیں تو فوراً بخش دیئے جاتے ہیں۔ اس درسِ ہدایت میں خواجہ غریب نوازؒ محبت کے چار معنی بتاتے ہیں۔ اوّل، ذکرِ خُدا میں دل وجان سے خوش رہنا۔ دوم، ذکرِ خدا کو بزرگ تر جاننا۔ سوم، اس کے ساتھ مشغول رہے، دوسروں کے ساتھ قطع تعلق کرلے۔ چہارم، اپنے آپ پر روئے اور اس پر جس کو اس سے غیرت ہے۔ علاوہ ازیں محبت میں صادق وافضل وہ ہے جو ماں باپ، فرزندان وبرادران سے خُدا اور رسول کے لئے قطع تعلق کرے اور سب سے بیزار ہو۔

حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی مجلس میں شہاب الدین سہروردیؒ، خواجہ اجلؒ شیرازی اور شیخ سیف الدینؒ باخرزی موجود تھے۔ گفتگو کا موضوع تھا۔ ''محبت میں صادق کون ہے؟''

خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا۔ ''محبت میں صادق وہ ہے جس پر دوست بلا نازل کرے اور وہ اس کو برغبت قبول کرے۔''

شہاب الدینؒ سہروردی نے فرمایا ''جس پر شوق واشتیاق اس قدر غالب ہو کہ اگر سو ہزار تلواریں بھی اس کے سر پر پڑیں، تب بھی اس کو خبر نہ ہو''۔ خواجہ اجل

شیرازیؒ نے فرمایا۔ ''صادق وہ ہے جس کو ذرّہ ذرّہ کر کے آگ میں جلائیں، تب بھی وہ دم نہ مارے''۔

شیخ سیف الدینؒ باخرزی نے فرمایا ''محبت میں صادق وہ ہے جس پر ہمیشہ ضربیں لگائی جائیں مگر وہ مشاہدۂ دوست کو فراموش نہ کرے اور ضربوں سے متاثر نہ ہو۔''

یہ سُن کر خواجہ غریب نوازؒ نے 'آثار اولیاء' کا حوالہ دیا کہ ایک دن رابعہ بصریؒ، مالک دینارؒ اور خواجہ شقیق بلخیؒ بصرہ میں ایک جگہ بیٹھے تھے موضوعِ سُخن یہی تھا۔ خواجہ حسن بصریؒ نے فرمایا کہ مولا کی محبت میںؒ صادق وہ ہے جو منجانب دوست، درد اور مصیبت آنے پر صبر کرے۔''

رابعہ بصری نے فرمایا ''اے خواجہ اس سے بُوئے خودی آتی ہے۔'' مالک دینارؒ نے کہا ''جو ہر بلا و جفا منجانب دوست وارد ہونے پر رضا طلبی میں رہے اور اس پر راضی رہے۔''

رابعہ بصریؒ نے فرمایا ''اس سے زیادہ ہونا چاہیے۔'' خواجہ شقیق بلخیؒ نے فرمایا ''صادق وہ ہے جو ذرّہ ذرّہ ہو جائے مگر دم نہ مارے۔'' رابعہ بصریؒ نے فرمایا ''حزن وملال وارد ہونے پر بھی جو مشاہدہ دوست کو فراموش نہ کرے وہ صادق ہے۔''

والدین کی عزت و تکریم

حضرت خواجہ غریب نوازؒ اپنی صحبتوں میں جہاں زیارت مشائخ و اولیاء کرام کی

برکات سے دلوں کو گرماتے رہے، وہیں والدین کی عزت وتکریم کے تقاضوں کو بھی پسِ پشت نہ ڈالنے کی تلقین فرمائی۔ آپ نے ایک مجلس میں جس میں حضرت شیخ جلالؒ اور حضرت محمد واحد چشتیؒ بھی موجود تھے فرمایا کہ اہلِ سلوک کے نزدیک صُبح سویرے اُٹھ کر والدین کی زیارت کرنا اور انہیں ادب کے ساتھ سلام کرنا عبادت ہے اور جو والدین اس موقع پر اپنی اولاد کو محبت وبرکت کی نظر سے دیکھتے ہیں، وہ زیادہ ثواب کماتے ہیں۔ آپؒ نے ایک حکایت بھی بیان فرمائی کہ ایک گناہگار کو مرنے کے بعد حجاج کے بہشت میں دیکھ کر تعجب ہوا۔ اس شخص نے جواباً کہا کہ میں نے دنیا میں کوئی نیک کام نہیں کیا، البتہ میری ایک عمر رسیدہ ماں تھی۔ میں جب گھر سے باہر جانے لگتا تو جھک کر اُس کے قدموں کو بوسہ دیتا۔ میری ماں یہ دُعا کرتی کہ خدا تعالیٰ تجھ کو بخش دے اور حج کا ثواب عنایت فرمائے۔ اللہ جل شانہٗ نے میری ماں کی دعا قبول فرمائی۔ مجھ کو بخش دیا اور حاجیوں کے بہشت میں بھیجا گیا ہوں۔''

حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ کا ایک واقعہ بھی خواجہ غریب نوازؒ نے مجلس میں بیان فرمایا کہ آپؒ سات سال کے تھے کہ مسجد میں قرآن پڑھنے جایا کرتے تھے۔ استادِ مکرم نے وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَاناً پڑھا تو آپؒ نے اس کی تشریح پُوچھی، جس میں آپؒ کو بتایا گیا کہ اولاد کو اپنے ماں باپ کی خوب خوب خدمت کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''جس طرح میں تمہارا پروردگار ہوں، اسی طرح انہوں نے تجھ کو پالا ہے۔'' حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں جوں ہی میں نے یہ سنا، بے تابی سے دوڑتا ہوا آیا اور اپنا سر ماں کے قدموں پر رکھ دیا۔'' پھر فرماتے ہیں کہ ''شدید سردی تھی آدھی رات کے وقت میری ماں نے پانی مانگا۔ میں نے کوزہ میں پانی بھرا اور ہاتھ پر رکھ کر لے آیا، مگر والدہ سوگئی تھیں۔ جب آخرِ شب بیدار

ہوئیں، مجھے کوزہ لئے کھڑا دیکھا، انہوں نے ہاتھ بڑھا کر پانی لینا چاہا تو بوجہ سردی کوزہ میرے ہاتھ سے چپک گیا تھا۔ کوزہ اُٹھانے کے ساتھ ہی میرے ہاتھ کی کھال اُکھڑ گئی۔ والدہ نے بڑی بے چینی کے ساتھ میرا ہاتھ اپنی بغل میں دبا لیا۔ میرا منہ چوما اور دُعا کی کہ اے خدا تُو اس کو بخش دے۔ اس پر اپنا فضل فرما اور اسے اپنی قربت عطا کر۔ والدہ کی یہ دُعا جو انہوں نے بڑی بے چینی کے عالم میں کی تھی، اللہ تعالیٰ کے ہاں مستجاب ہوئی اور مجھے بے بہا نعمتوں سے نوازا گیا۔

خواجہ فتح موصلیؒ

حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے ایک مجلس میں اپنے معتقدین سے فرمایا کہ خواجہ فتح موصلیؒ جو اہلِ طریقت میں سے تھے، آٹھ سال تک روتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کے رخساروں کا گوشت بھی گرنے لگا۔ وصال کے بعد انہیں خواب میں دیکھا گیا۔ پوچھا ''آپ کے ساتھ خُدا نے کیا معاملہ کیا؟'' کہنے لگے ''مجھے زیرِ عرش جگہ دی گئی ہے۔ میں نے لرزاں و ترساں سجدۂ شکر ادا کیا۔'' خطاب ہوا کہ ''فتح اتنا کیوں روتے تھے؟ کیا تمہیں ہمارے غفور الرحیم ہونے پر شبہ تھا؟'' میں نے سجدہ ریز ہو کر عرض کی ''خداوندا تجھے غفار جانتا ہوں، مگر وحشت قبر، ہیبت، قیامت اور درشتی ملک الموت کی وجہ سے روتا تھا'' ۔ بعد ازاں ارشاد ہوا کہ ''ہم نے تیرے ڈر کی وجہ سے تجھے ایمن کیا اور بخش دیا۔''

قبرستان کے آداب

حضرت خواجہ غریب نوازؒ گناہگاروں کو عذابِ قبر یاد دلاتے ہیں،

فرمایا ''قہقہہ گناہوں میں سے ایک گناہ ہے۔گورستان میں ہنسنے کی ممانعت آئی ہے کیونکہ وہ عبرت کی جگہ ہے نہ کہ لہو ولعب کی۔حضورؐ نے خبر دی کہ جب کوئی گورستان سے گزرتا ہے مُردے کہتے ہیں کہ اے غافل اگر تجھے یہ معلوم ہوتا کہ تجھے کیا درپیش ہے تو تیرے جسم کا گوشت پوست گر جاتا۔'' پھر آپؒ نے ایک حکایت یوں بیان کی ''ایک دن خواجہ حسن بصریؒ کا قبرستان سے گزر ہوا۔آپؒ نے مسلمانوں کے ایک گروہ کو وہاں کھانے اور شراب نوشی میں مصروف دیکھا۔خواجہ موصوف ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ تم منافق ہو یا مسلمان۔؟

یہ بات ان کو شاق گزری اور انہوں نے آپؒ کو ایذا پہنچانا چاہی۔آپؒ نے ان سے فرمایا کہ میں نے اس وجہ سے پوچھا ہے کہ حضور سرور کائناتؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص قبرستان میں کباب و شراب سے دل بہلاتا ہے وہ منافق ہے کیونکہ یہ مقامِ ہیبت و عبرت ہے۔تم دیکھ رہے ہو کہ تم سے بہتر لوگ اس خاک کے نیچے سو رہے ہیں اور مور و مار کے زندان میں محبوس ہیں۔ان کا گوشت پوست گل گیا۔انکا جمال خاک میں مل گیا ہے۔تمہارے عزیز تمہیں بھی ان کی طرح سپرد خاک کر دیں گے۔تمہارا کیسا دل ہے کہ تم اس جگہ کھاتے پیتے اور لہو ولعب میں مشغول ہوتے ہو۔'' یہ سُن کر نوجوانوں نے توبہ کی اور آئندہ ایسا نہ کرنے کا وعدہ کیا۔حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے ''ریاحین'' کے حوالے سے مزید بتایا کہ ایک مرتبہ حضور سرورِ دو عالمؐ کا گزر ایسے لوگوں کے قریب سے ہوا جو قہقہے لگا رہے تھے اور لہو ولعب میں مدہوش تھے۔آپؐ کھڑے ہو گئے، سلام کیا اور استفسار کیا کہ ''اے عزیز کیا تم مرنے سے ایمن ہو گئے ہو؟'' سب نے کہا ''یا رسول اللہ نہیں۔'' حضورؐ نے فرمایا ''تم نے اپنے اعمال سے نجات حاصل کرلی؟'' جواب ملا ''یا رسول اللہؐ نہیں''۔ ''کیا تم پُل صراط سے گزر

گئے؟'' حضور کو جواب اس کا بھی منفی جواب ملا تو آپؒ نے ارشاد فرمایا کہ ''تم پھر غافلوں کی طرح لہو ولہب میں کیوں مصروف ہو؟''

حضور سرورِ دو عالمؐ کی نصیحت کا اُن پر خاطر خواہ اثر ہوا۔ اِس کے بعد اُن میں سے کسی کو بھی ہنستے نہ دیکھا گیا۔ حضرت خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں کہ قبرستان میں برائے ہوائے نفس کھانا پینا بڑا گناہ ہے کیونکہ وہ جگہ عبرت کی ہے نہ کہ ہوائے نفسانی کی۔ امام یحییٰ ابو الخیرؒ زندوسی نے تو اپنے روضہ مبارک پر حضور کا ارشاد لکھوا رکھا ہے کہ ''جو شخص قبرستان میں طعام و شراب کھاتا پیتا ہے وہ ملعون و منافق ہے۔''

نہ طعام کی فکر نہ قیام کا اندیشہ

اللہ کے نیک بندے تارک الدنیا ہونا پسند کرتے ہیں۔ وہ خلقتِ خدا سے اس لئے کنارہ کشی کر لیتے ہیں کہ مبادا وہ گمراہ لوگوں کی موزوں اصلاح نہ کر سکیں اور خدا سے جواب دِہ ہوں۔ حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے اِس قسم کا ایک واقعہ مجلس میں بیان کیا۔ آپؒ نے بتایا کہ ''سیاحت کے دوران میں نے دریا کے کنارے ایک صومعہ دیکھا جس میں ایک بزرگ عزت گزین تھے۔ میں نے اس صومعہ میں داخل ہو کر سلام کیا۔ جس کے جواب میں بزرگ نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں نے پوچھا کہ آپ یہاں کیوں گوشہ نشین ہیں؟ وہ بزرگ بولے کہ تمہاری مسافرت کی طرح میں بھی سیاحت کرتا ہوا ایک شہر میں پہنچا جہاں میں نے ایک شخص کو دیکھا وہ لوگوں کو بہت ستا رہا تھا۔ میں نے اسے کچھ نہ کہا اور آگے کو چل دیا۔ میری اس چشم پوشی پر غیب سے آواز آئی ''اے درویش اگر تو حکمِ خُدا سے اس دُنیا دار کو ظلم سے باز رہنے کی تلقین کر

دیتا تو تیرا کیا جاتا۔ بزرگ نے مزید کہا کہ مجھے اس غیبی آواز پر غایت درجہ شرمندگی ہوئی۔ اس وقت سے لے کر اب تک میں نے صومعہ سے باہر قدم نہیں رکھا۔ کئی برس بیت گئے ہیں مشوش ہوں کہ قیامت کے دن اگر اس تغافل شعاری کی باز پُرس ہوئی تو اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا۔ پس تارک الدنیا ہوں۔'' خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں کہ اس ملاقات میں مغرب کا وقت ہوگیا۔ میں نے دیکھا۔ ایک کاسۂ آشام، دو جَو کی روٹیاں اور پانی کا ایک کوزہ ہوا میں نمودار ہُوا جس سے میںؒ نے اُس بزرگ کے ساتھ اکٹھے افطار کیا۔ بعد میں انہوں نے مجھے مصلّے کے نیچے سے دو سیب نکال کر دیئے اور کہا کہ یہ جنّت کا میوہ ہے۔''

اِس واقعہ کو دُہرانے کا مقصد بقول خواجہ غریب نوازؒ یہ ہے کہ اللہ کے نیک بندے دُنیاوی آسائشوں سے دُور رہتے ہیں۔ اُنہیں طعام کی فکر ہوتی ہے نہ قیام کا اندیشہ۔ اُن کا اوڑھنا بچھونا خوشنودیِ رضائے الٰہی ہوتا ہے۔ ایسے لوگ دُنیا داروں کی سچائی اور جھوٹ سے قطعاً سروکار نہیں رکھتے۔

جھوٹی قسمیں اور لہو ولعب سخت ترین گناہ

سچائی، ایمان کی نشانی ہے اور جھوٹ سراسر بے ایمانی اور ایک ایسا عیب، جو کبھی نہیں چھپ سکتا۔ اُسے ایک نہ ایک دن ظاہر ہونا ہی ہوتا ہے۔ حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے ایک مجلس میں فرمایا کہ جو شخص جھوٹی قسمیں کھاتا ہے، وہ اپنے گھر کو برباد کرتا ہے۔ اس کے گھر سے خیر و برکت اُٹھ جاتی ہے۔ ایک حکایت کے مطابق حضرت خواجہ محمد طوسیؒ نے حالت سکر میں سچی قسم کھائی۔ مگر جب وہ عالم صحو میں آئے تو دریافت کیا کہ انہوں نے آج کوئی قسم کھائی ہے؟ لوگوں نے اثبات میں جواب دیا تو بولے'' آج میرا نفس سچی قسم کھانے کی وجہ سے خیرہ ہوگیا۔ کل اور قسم کھائے گا اور یہ

عادت بن جائے گی۔" بعد ازاں انہوں نے سچی قسم کے کفارہ میں چالیس سال تک کسی سے بات تک نہ کی۔ خواجہ غریب نوازؒ جب اُن سے ملے تو وہ مُہر بہ لب تھے۔ اس حکایت کی روشنی میں انکشاف ہوا کہ تو حید رسالت کے شیدائی قسم کھانے کو کتنا بڑا گناہ سمجھتے ہیں۔ رہا جھوٹی قسم کا مسئلہ تو بغداد کی جامع مسجد میں حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی ملاقات حضرت مولانا عماد الدین بخاریؒ سے ہوئی جنہوں نے آپؒ کو دوزخ میں جھوٹ کی سزا پانے والوں کے گروہ کے متعلق بتایا۔ یہ بات خواجہ غریب نوازؒ نے اپنی مجلس کے حاضرین کو من وعن سنائی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خدائے عزوجل نے دوزخ کی صفت میں بیان فرمایا۔ "اے موسیٰ میں نے دوزخ میں ساتواں درجہ رکھا ہے۔ اس کا نام ہاویہ ہے جس میں سخت عذاب ہے۔ وہ بہت ہی پُرہول وپُرتاریک ہے۔ اس میں سانپ، بچھو اور گندھک کے پہاڑ ہیں جنھیں روزانہ جلایا جاتا ہے۔ پس اے موسیٰ اگر اس کبریت کا ایک قطرہ دُنیا میں آجائے تو تمام دُنیا کا پانی خشک ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں اور زمین کے ساتوں طبق اس کی گرمی سے پھٹ جائیں۔ اے موسیٰ اتنا سخت عذاب ہم نے دو گروہوں کے لئے رکھا ہے۔ ایک وہ گروہ جو تارک نماز ہے اور دوسرے وہ لوگ جو میرے نام کی جھوٹی قسم کھاتے ہیں۔ حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا۔ "اگر خُدانخواستہ اللہ تعالیٰ کا ذکر پاک سُن کر یا کلام مجید پڑھ کر دل موم نہ ہوا اور اعتقادِ ایمان زندہ نہ ہو سکے بلکہ طبیعت لہو ولہب میں مشغول رہے تو اہلِ سلوک کے یہاں یہ بڑے گناہوں میں سے ایک گناہ ہے۔ ایسے لوگ منافق ہیں۔" پھر آپؒ نے یہ حکایت بیان فرمائی۔ "ایک دن حضورؐ ایک ایسی قوم کے قریب سے گزرے جو ذکرِ خُدا کر رہی تھی مگر لہو ولہب اس کے شعائر میں سے تھا۔ حضورؐ کھڑے ہو گئے اور

اس کے بارے میں فرمایا کہ یہ منافقوں کا طائفہ سویم ہے کہ کلام ربانی سن کر ان کا دل نرم نہیں ہوتا۔''

حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے ایک مجلس میں تلقین فرمائی کہ اگر کوئی شخص کسی عمل کو پڑھنے لگے تو اپنے اوراد و وظائف کے معمولات کو کبھی ترک نہ کرے۔ ہر ورد اور وظیفہ اور معمول کو وقت مقررہ پر پورا کرنا چاہئے لیکن اگر کسی وجہ سے وقت مقررہ پر وہ معمول پورا نہ کر سکے تو پھر اسے جب وقت ملے پورا کر لینا چاہئے۔ ایک بار ایک بزرگ گھوڑے سے گر پڑے اور پاؤں میں سخت چوٹ آئی۔ خیال آیا کہ یہ تکلیف کسی گناہ کی وجہ سے پہنچی ہے تو یاد آ گیا کہ نمازِ فجر کے بعد روزانہ سورۃ یٰسین پڑھنے کا معمول تھا، وہ معمول اُس دن پورا نہ ہو سکا تھا۔

ارشادات عالیہ

خواجہ غریب نوازؒ کے اقوال تصوف کا ایک بیش بہا خزانہ ہیں۔ سب کو یہاں پیش کرنے کی گنجائش نہیں۔ بنظر اختصار حسب ذیل اقوال پیش کیے جاتے ہیں۔

عارف و عرفان

عارف سے ادنیٰ بات یہ ظاہر ہوتی ہے کہ وہ ملک و مال سے بیزار ہو جاتا ہے۔

عارف وہ ہے جو اس بات کی جد و جہد کرے کہ ایک دم نصیب ہو جائے اور عارفِ دم وہ ہے جو ذکر خدا کرے اور اپنی تمام عمر اس ایک دم پر فدا کر دے اگر ایسا دم نصیب ہو جائے تو زہے نصیب۔ کیونکہ ایسا دم زمین و آسمان میں سالہا سال تک تلاش کرنے پر بھی میسر نہیں آتا۔

اللہ تعالیٰ کے عارف ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کچھ نہیں لیتے۔ عارف دنیا کا دشمن اور خدا کا دوست ہوتا ہے۔ وہ دنیا سے متنفر ہوتا اور اسے غل و غش اور حسدات کی خبر تک

نہیں ہوتی۔

ہر وہ عارف جس میں تقویٰ ہو وہ گداگری کرے تو لقمہ حرام کھاتا ہے۔

عارف اس وقت تک روتا ہے جب تک راہ میں ہوتا ہے لیکن جب حقائق قرب میں پہنچ جاتا ہے اور وصال ہو جاتا ہے تو اسے گریہ نہیں رہتا۔

اہل عرفان یاد الٰہی کے سوا کوئی بات زبان سے نہیں نکالتے۔

عارفوں کا ایثار عاشقی بے نیازی ہے اور محبوں کا ایثار آرزو ہے۔

عارفوں کا توکل سوائے خدا کے کسی اور پر نہیں ہوتا نہ وہ کسی اور کی طرف التفات کرتے ہیں۔

عارفوں میں صادق وہ ہے جس کی ملکیت میں کچھ نہ ہو نہ وہ کسی کی ملک ہو۔

عارفوں کی خصلت محبت میں اخلاص ہے۔

عارف محبت میں کامل اس وقت ہوتا ہے جب درمیان سے گفتگو اٹھ جائے ایسا ہو جائے کہ یا دوست رہے یا خود۔

عارف کا توکل حق کے ساتھ اس طرح کا ہوتا ہے کہ وہ عالم سکر میں متحیر ہوتا ہو۔

عارف وہ ہے جو راہ عشق میں سوائے خدا کے کسی کو نہ دیکھے۔

عارف وہ ہے کہ جب صبح کو اٹھے تو اسے رات کی بابت کچھ یاد نہ ہو۔

جب تک عارف کو ستر خالص نصیب نہیں ہوتا اس کا کوئی فعل خالص نہیں ہوتا۔

عارف ہو ہے جو سوائے ذکر حق کے کسی کو دوست نہیں رکھتا۔

عارف آفتاب صفت ہوتے ہیں ان سے تمام عالم منور ہوتا ہے۔

عارف وہ ہے جملگی عالم سے خبردار ہو اور لاکھوں معنی بیان کرے اور ہر وقت بحر معانی میں شناوری کرتا رہے تا کہ گوہر اسرار الٰہی اس سے نکالے اور جوہریان مصر کو دکھائے کہ وہ اسے پسند کریں اور جانیں کہ عارف ہے۔

عارف وہ ہے کہ جو ہر وقت ولولہ عشق اور قدرت آفرینش میں متحیر رہے اگر کھڑا ہے تو دوست کے وہم میں ہے اگر بیٹھا ہے تو دوست کے ذکر میں ہے۔ اگر خواب میں ہے

دوست کے خیال میں ہے۔اگر بیدار ہے تو دوست کے حجاب عظمت کے گرد طواف میں ہے۔

عارف اس کو کہتے ہیں جس پر عالم غیب سے صد ہزار تجلیات نازل ہوں اور ایک وقت میں ہر چند ہزار حال و تجلیات اس میں دم بدم پیدا ہوں۔

عارف کی ایک علامت ہے کہ وہ ہر وقت متبسم رہتا ہے جس وقت عارف مسکراتا ہے اس وقت عالم ملکوت میں مقربان اس کے سامنے ہوتے ہیں جو کچھ ان سے ظاہر ہوتا ہے وہ اسے دیکھ کر مسکراتا ہے۔

عارف پر ایک ایسی حالت طاری ہوتی ہے کہ اس وقت ہزار ایسے ملک اس کو پیش کئے جائیں جن میں ہر قسم کے عجائبات ہوں تو وہ آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا مگر اس چیز کو جو اس پر طاری ہوئی ہے۔

عارفوں پر ایک ایسی حالت طاری ہوتی ہے کہ اس وقت وہ عرش سے حجاب عظمت کا فاصلہ طے کر لیتے ہیں اور وہاں سے حجاب کبریا تک پہنچ جاتے ہیں پھر دوسرے قدم میں اپنے مقام تک آجاتے ہیں۔مگر یہ ادنیٰ درجہ عارفوں کا ہے۔لیکن جو کامل ہیں ان کا درجہ خدا ہی جانتا ہے کہ وہ کہاں سے کہاں پہنچتے ہیں اور کب واپس آتے ہیں۔

عارف وہ ہے جو کہیں ہو اور کچھ بھی طلب کرے وہ اس کے سامنے آئے جس سے بات کرے جواب پائے۔اس راہ میں وہ عارف نہیں جو خدا کے سوا کسی اور چیز کے درپے ہو۔

عارفوں کا ایک درجہ اس قسم کا ہوتا کہ اس درجے پر وہ دنیا کو اپنی دو انگلیوں میں دیکھتے ہیں۔

عارف کا کمتر درجہ یہ ہے کہ پہلے ولی نور دکھائے پھر کوئی اگر دعوے کے ساتھ سامنے آئے تو اسے بقوت کرامت ملزم بنا دے۔

جب عارف خاموش ہوتا ہے تو اس سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے باتیں کرتا ہے جب آنکھیں بند کرتا ہے تو اس لئے نہیں کھولتا کہ شاید اسرافیل صور نہ پھونک دے۔

جس نے خدا کو پہچان لیا اگر وہ خلق سے دور بھاگے، سمجھ لو اس میں کوئی نعمت نہیں۔

عارف کا کمال یہ ہے کہ اپنے آپ کو راہ خدا میں جلا دے۔

عارف خواہ معرفت کے متعلق کتنا ہی بیان کرے اگر چہ دوست کی گلی میں پھرے مگر جب تک معارف یاد نہ کرے معرفت کو نہیں پہنچتا۔

جب عارف کا حال کامل ہو جاتا ہے تو لاکھوں مقام سے باہر نکلتا ہے اور اپنا کام ترقی پذیر پاتا ہے اگر اس مقام سے نہ نکلے تو اسی مقام میں حیران رہ جاتا ہے یعنی ابھی کنارہ ہے اسے راہ معلوم ہی نہیں۔ اس لئے زیادہ تر ضائع ہی رہتا ہے۔

اہل عرفان یاد الٰہی کے سوا اور کوئی بات زبان سے نہیں نکالتے۔

عارف راہ محبت میں وہ ہے جو کونین سے دل برداشتہ ہو۔

دنیا

دنیا فانی ہے اور کار ہائے دنیا لایعنی ہے۔

راہ سلوک

جب تک آدمی راہ سلوک میں دنیا و مافیہا ترک نہ کردے۔ وہ اہل سلوک میں داخل نہیں ہو سکتا نا ان میں کا ہوتا ہے۔ پس اگر اس کی یہ حالت نہ ہو تو سمجھ لو کہ جھوٹا ہے۔

اس راہ سلوک میں بہت سے مرد عاجز اور عاجز مرد ہو گئے

اهل سلوک

اہل سلوک میں محبت ایک ایسا علم ہے کہ لاکھوں علماء اس کو سمجھنا چاہتے ہیں۔ مگر زرہ بھر بھی ان کو اس کی خبر نہیں ہوتی، اور زہد میں ایک ایسی طاعت ہے، جس کی زاہدوں کو بھی خبر نہیں۔ وہ اس سے غافل ہیں۔ وہ ایک بھید ہے جو دونوں جہان میں ثابت ہوتا ہے وہ اس بھید کو جانتا ہے۔ بعد ازاں وہ دعویٰ نہیں کرتا، تاکہ دعویٰ اسے رنج نہ پہنچائے۔

اهل محبت

اہل محبت کی فریاد بوجہ شوق و اشتیاق اس وقت تک رہتی ہے، جب تک وہ دوست نہ مل جائے، کیونکہ عاشق اسی وقت تک واویلا کرتا ہے جب تک دولت مشاہدہ حاصل نہیں،

جب مشاہدہ حاصل ہوجاتا ہے گفتگو نہیں رہتی۔

اہل محبت کا یہ مرتبہ ہے کہ اگر ان سے پوچھیں کہ شب کی نماز پڑھ لی تو کہیں اس سے فراغت نہیں۔ہم ملک الموت کے گرد پھرتے ہیں۔جب درماندہ ہوجاتے ہیں اس کا ہاتھ پکڑ لیتے ہیں۔

اہل محبت اگر چہ محبت میں مجبور ہیں،مگر کام ایسے لوگوں کا اختیار کرتے ہیں جو سوتے اور جاگتے ہیں،مطلوب کے طالب ہیں اور اپنی دوست داری سے فارغ ہو کر مشاہدہ دوست میں مشغول ہیں۔

اہل سلوک اور اہل محبت میں محبت یہ ہے کہ دوست کے مطیع رہیں اور ڈرتے رہیں کہ کہیں دور نہ کر دیے جائیں۔

اہل محبت وہ لوگ ہیں جو صرف حق تعالی کی بات سنتے ہیں۔

جب اہل محبت مرتا ہے جلد بخش دیا جاتا ہے۔

اہل محبت کے گرد اور حق کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔

راہ محبت

راہ محبت میں عاشق وہ ہے جو دونوں جہاں سے دل اٹھا لے۔

معشوق خود عاشق کی طلب گاری کو دیکھتا ہے،محبت کی راہ مطیعان کا کام ہے۔

عبادت

عبادت قال الفعال ہے۔

محبت

محبت چار معنی رکھتی ہے۔

اول:ذکر خدا میں دل و جان سے خوش رہنا۔

دوم:ذکر خدا کو بزرگ تر جاننا۔

سوم:اس کے ساتھ منتظر رہے،دوسروں کے ساتھ قطع تعلق کر لے۔

چہارم:اپنے آپ پر روئے اور اس پر جس کو اس سے غیرت ہے۔

محبت میں صادق وہ ہے جو ماں، باپ، فرزندان و برادران سے خدا اور رسولؐ کے لیے قطع تعلق کرے اور سب سے بیزار ہو۔
محبت وفا کا دعوے وصال اور حرمت باطل کے ساتھ ہے۔
محبت میں عارف وہ ہے جسے کوئی شئے عجیب نہ معلوم ہو کیونکہ تسلیم دعویٰ ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے۔ جس کو محبت و فقر عطاء کئے جاتے ہیں اسے وحشت نہیں دی جاتی کہ وہ اس پر فریفتہ ہو جائے۔

مرشد

جب تک مرشد کی تربیت حاصل نہ ہوگی۔ منزل پر نہیں پہنچے گا۔
پیر مرید کا مشاطہ ہے۔ اس لئے کہ پیر کی ترغیب مرید کی کمالیت حال کے لئے ہوتی ہے۔

مرید

مرید کو طاعت میں اس وقت لطف آتا ہے جب طاعت میں خوش خرامی حاصل ہوتی ہے۔ اس خوشی میں وہ حجاب سے قریب ہو جاتا ہے۔

عشق

عشق کی راہ ایسی ہے کہ جو اس راہ پر چلتا ہے۔ اس کا نام ونشان نہیں ملتا۔
عشق و محبت میں گفتگو حرکت و مشغلہ اس وقت تک ہے جب تک باہر ہیں جب اندر پہنچتے ہیں خاموشی، سکون اور آرام میسر آتا ہے فریاد و شور ہرگز نہیں ہوتا۔

عاشق

دریاؤں کا بہتا پانی شور کرتا ہے، لیکن جب سمندر سے مل جاتا ہے، آواز نہیں رہتی، اسی طرح جب عاشق معشوق سے واصل ہو جاتا ہے تو واویلا نہیں کرتا۔
عاشق کا دل آتش کدہ محبت ہے، جو اس میں آئے اسے جلا کر ناچیز کر دیتا ہے کیونکہ عشق کی آگ سے تیز کوئی آگ نہیں۔
اللہ تعالیٰ کے ایسے عاشق بھی ہوتے ہیں جنہیں اس کی دوستی نے خاموش کر رکھا ہے۔

انہیں عالم موجودات کی کسی چیز کی خبر نہیں ہوتی۔

جس دل میں اللہ تعالیٰ کی دوستی ہوتی ہے۔اس کی جان کو قرار حاصل ہوتا ہے پس اس کو چاہیئے کہ دونوں جہان کو بیگانہ دیکھے۔اگر ایسا نہیں کرے گا تو عاشق صادق نہیں۔

دوستی

اگر دوست کی دوستی میں دونوں جہان بھی بخش دیے جائیں تب بھی کم ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دوستی اس طرح ہوتی ہے کہ جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ دشمنی رکھے یعنی دنیا و نفس سے،اس سے دشمنی رکھے۔

دوستی اس کا نام ہے کہ اس کا ذکر دل سے کرے۔کیونکہ دل یاد کیلئے بنایا گیا ہے۔

دوست

دوست کے اسرار خوب صورت میں اور خوب صورت عاشق کے دل ہی میں جاگزیں ہوتے ہیں۔جس کو خدا دوست رکھتا ہے اس پر بلا نازل کرتا ہے۔

جو دوست سے محبت کرتا ہے وہ برغبت دوست کی طرف سے مصیبت کا خواہاں ہوتا ہے۔

حاجی

حاجی لوگ جسم کے ساتھ خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں۔پھر بھی انہیں مشاہدہ حاصل نہیں ہوتا۔مگر عشاق دل سے حجاب عظمت کا طواف کرتے ہیں۔اگر اس کے سوا ور چیز کو دیکھ لیتے ہیں تو فریاد کرتے ہیں اور بقاء (مشاہدہ) چاہتے ہیں۔

صحبت

نیکوں کی صحبت نیک کام سے بہتر ہے،اور بدوں کی صحبت بد کام سے بدتر ہے۔

وقت

سب سے اچھا وقت وہ ہے جب کہ وسواس نفس نہ ہوں اور خلقت سے رہائی حاصل ہو۔

یقین

یقین ایک نور ہے، جس سے انسان منور ہو جاتا ہے، بعد ازاں محبان و متقیان میں شامل ہو جاتا ہے۔

بقا

اگر ہو سکے تو بقا حاصل کرو۔ صلاحیت اور زہد تو ایک ہوا کی طرح ہیں جو تم پر چلتی ہے۔ بقا عین حق ہے۔

علم

علم محیط ہے اور معرفت اس کا جزو ہے، پس خدا کہاں اور بندہ کہاں۔ علم خدا ہی کو ہے مگر معرفت ہر دو کو ہے۔

تجرید

تجرید یہ ہے کہ صفات محبوب محبّ کے دل اور صفات میں جاگزیں ہو جائیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے جو مجھ سے محبت کرتا ہے، میں اس کیلئے کان اور آنکھ بن جاتا ہوں۔

عادت

عادت پرست ہرگز حق پرست نہیں ہوتا۔ ترک عادت کر کے تربیت مرشد حاصل کرنا مردوں کا کام ہے۔

درویش اور درویشی

درویش میں اتنی قوت باطنی ہونی چاہئے کہ اگر سننے والا حکایت اولیاء اللہ میں شک کرے تو اسے مشاہدہ کرا کر قائل کر دے۔

درویشی اس کا نام ہے کہ جو آئے اسے محروم نہ جانے دے، اگر بھوکا ہے تو کھانا کھلائے، اگر ننگا ہے تو نفیس کپڑا پہنائے، بہرحال اسے خالی نہ جانے دے اس کا حال پوچھ کر دل جوئی کرنا چاہئے۔

جہاں میں عزیز ترین یہ ہے کہ درویشوں سے ملیں اور جو کچھ دل میں ہو وہ صاف صاف بیان کریں اور بدترین چیز یہ ہے کہ درویش درویشوں سے جدا رہیں۔

گناہ

گناہ تمہیں اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتا جتنا مسلمان بھائی کو خوار و ذلیل کرنا۔

فریاد

فریاد کی دلیری اس وقت رہتی ہے جب تک دوست سے غائب اور اپنا عاشق بنا ہوا ہے جب حضوری حاصل ہوتی ہے تو فریاد و گفتگو نہیں رہتی۔

اہل توکل

اہل توکل پر غلبات شوق میں ایسا وقت آتا ہے کہ اس وقت اگر انہیں ذرہ ذرہ کر دیا جائے اور ان کو تلوار سے زخمی کر دیا جائے یا کوئی اور تکلیف پہنچائی جائے تو انہیں مطلق خبر نہیں ہوتی۔

حقیقتاً متوکل وہ ہے جو خلقت کے آزار اور رنج پہنچانے پر نہ کسی سے شکایت کرے نہ حکایت۔

دل

دل وہ ہے جو اپنے حال سے خالی ہو اور مشاہدہ دوست میں باقی ہو۔

توبہ

توبہ کے چند مقامات ہیں۔ جاہلوں سے دور رہنا۔ باطل کو ترک کرنا۔ منکروں سے روگردانی کرنا، محبوب سے محبت کرنا، خیرات کرنا توبہ کو درست کرنا اور مظالم کو روکنا۔

سفر

اے غافل اسی سفر کا توشہ تیار کر جو تجھے درپیش ہے یعنی سفر آخرت۔

زہد

قیامت کے دن اگر بہشت میں کوئی چیز پہنچائے گی تو وہ زہد یہ ہے کہ (صرف) علم و عمل۔

خود پرستی

خود پرستی اور نفس پرستی دراصل بت پرستی ہے، جب تک خود پرستی نہ چھوڑے گا

خدا پرستی حاصل نہ ہوگی۔

تسلیم و دعویٰ

تسلیم و دعویٰ ایک جگہ نہیں ہو سکتے۔

ملازمت

ملازمت پروردگار کی عبادت سے حاصل ہوتی ہے۔

بزرگی

جو بزرگی کا دعویٰ کرتا ہے قید میں ہوتا ہے۔

نسبت

بندہ کو حق تعالیٰ سے اس قدر نسبت پیدا کرنی چاہیئے کہ جو کچھ وہ چاہے وہ قبول کرے اور اگر اس قدر نہ ہو تو اس کو درویش نہیں کہنا چاہیئے۔

تین چیزیں

اول: خوف۔ دوم: رجا۔ سوم: محبت

پس خوف کے ضمن میں ترک معصیت ہے تا کہ آتش دوزخ سے نجات ہو اور رجا کے ضمن میں طاعت ہے تا کہ بہشت و منزلت اور حیات ابدی حاصل ہو اور محبت کے ضمن میں اجتہاد و فکر ہے تا کہ حق تعالیٰ کی رضا حاصل ہو۔

کفر

اگر سو برس تک لا الہ الا اللہ کہے مسلمان نہیں۔ لیکن ایک مرتبہ محمد رسول اللہ کہنے سے صد سالہ کفر دور ہو جاتا ہے۔

مقام جمع الجمع

مقام جمع الجمع یہ ہے کہ ظہور اسمائے صفات جنائے، مصنوعات صانع کو دیکھے۔ مشاہدہ چشم کو تجلیات سے پُر نور کرے۔ اضافات ماسوا کو دور کرے، کفر کو ظہور رجلال جانے اور اسلام کو نور جمال ظہور اسم ہادی کا کہ ہدایت ہے پیرو ہو جائے اور تو نعل سے کہ ضلالت ہے دور ہے

گوہر نفس

چار چیزیں گوہر نفس ہیں۔

اول: درویشی جو تونگر کردے۔

دوسرے: بھوک کو جو سیر کردے۔

تیسرے: اندوہ جو شادی دکھائے۔

چوتھے: دشمن کے ساتھ ایسی مردمی جو دوستی دکھائے۔

دس شرطیں

اہل طریقت کیلئے دس شرطیں لازم ہیں۔

اول: طلب حق، دوم: طلب مرشد، سوم: ادب،

چہارم: رضا پنجم: محبت و ترک فضول

ششم: تقویٰ ہفتم: استقامت شریعت ہشتم: کم کھانا و کم سونا

نہم: عزلت اختیار کرنا خلق سے۔ دہم: روزہ، نماز

دس اور شرطیں

اہل حقیقت کیلئے بھی دس شرطیں لازم ہیں:

اول یہ کہ: معرفت میں کامل ہو اور خدا رسیدہ ہو۔

دوم یہ کہ: نہ رنج ہو نہ رنجیدہ کرے اور نہ کسی کی بدی خیال میں لاوے۔

سوم یہ کہ: حق تعالیٰ کی راہ دکھاوے اور خلق کو ایسی بات بتادے جس میں فائدہ دنیا و آخرت کا مرتب ہو۔

چہارم: تواضع۔ پنجم: عزلت۔

ششم یہ کہ ہر شخص کو عزیز و محترم جانے اور اپنے کو سب سے حقیر اور کمتر شمار کرے۔

ہفتم: رضا و تسلیم۔ ہشتم: ہر ایک درد و رنج میں صبر۔

نہم: سوز و گداز و عجز و نیاز۔ دہم: قناعت و توکل

سلطان الہند پر لکھی جانے والی کتابوں پر ایک نظر

کچھ لوگ ایسے بھی تھے کہ اپنے جذبات کے اظہار کی خاطر خواجہ خواجگانؒ کے مزار پر چل کر تو آئے تھے لیکن ان کے پاس دولت نہ تھی جسے بطور نذرانہ تقسیم کر سکتے مگر ان کی باطنی آنکھ سلطان الہند کی خوابگاہ کو الفاظ کے رنگ میں سمو لیتی تھی۔ الفاظ کے یہی نذرانے آج تذکروں کی صورت میں ملتے ہیں۔ حضرت خواجہ بزرگؒ کی شان میں عقیدت و محبت کے پھول نچھاور کرنیوالوں کی کسی دور میں بھی کمی نہیں رہی۔ سلاطین زمانہ اور اولیاء کرام ہزاروں میل کی مسافت طے کر کے سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد درگاہ معلی پر حاضری دیتے آتے رہے۔ ان کی آنکھیں اشکبار ہوتی تھیں اور قلوب ملول۔ وہ خواجہ غریب نوازؒ کے مزار اقدس کو اپنی امیدوں اور آرزوؤں کا گہوارہ تسلیم کرتے تھے اور اپنی جھولیاں بھرنے کی خوشی میں یہاں گھی کے چراغ جلاتے تھے۔ نذرانے تقسیم کرتے تھے اور سرکار غریب نوازؒ کی الفت ہمیشہ کیلئے ان کے دلوں پر نقش ہو جاتی تھی۔ ان کے برعکس کچھ لوگ ایسے بھی تھے کہ اپنے جذبات کے اظہار کی خاطر خواجہ صاحبؒ کے مزار پر چل کر آئے تو تھے لیکن ان کے پاس دولت نہ تھی جسے بطور نذرانہ تقسیم کر سکتے۔ مگر ان کی باطنی آنکھ سلطان الہند کی خواب گاہ کو کسی اور رنگ میں ہی دیکھتی تھی اور وہ ان جلوہ سامانیوں کو اپنے الفاظ میں سمو لیتے تھے۔

یہ الفاظ آج ان تذکروں اور کتابوں میں چمکتے دکھائی دیتے ہیں جو حضرت غریب نوازؒ کی حیات کی کڑیاں مربوط ہیں اور بادشاہوں اور بزرگوں کی ان کے مزار پر حاضریوں کے واقعات تاریخ میں محفوظ ملتے ہیں۔

سرکار غریب نوازؒ نے انیس الارواح میں اپنے مرشد کامل حضرت خواجہ سید عثمانؒ ہارونی کے ملفوظات طیبات مرتب کر کے آنے والے دور کے مورخوں کے لئے عقیدت کے اس جذبہ کی بنیاد رکھ دی جو روحانیت کے احساسات سے معمور ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ نقش قدم

دوسروں کیلئے قابل تقلید ٹھہرا اور اسی انداز فکر پر عمل کرتے ہوئے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے ''دلیل العارفین'' میں اپنے مرشد خواجہ معین الدین چشتی غریب نواز کے ملفوظات کو یکجا کیا۔ پھر یہ سلسلہ ایسا جاری ہوا کہ خواجہ فرید الدین گنج شکر نے حضرت قطب الدین بختیار کاکی کے ملفوظات کا مجموعہ ''فوائد السالکین'' ترتیب دیا۔ حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر کے ملفوظات کو خواجہ نظام الدین اولیاء نے ''راحت القلوب'' میں اور ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء کو امیر خسرو اور خواجہ حسن علاء سجزی نے ''افضل الفوائد'' اور فوائد الفواد'' میں رقم کیا۔ بعدا زاں خواجہ سید نصیر الدین محمود چراغ دہلوی'' کے ملفوظات ''خیر المجالس'' کے نام سے مولانا حمید نے تالیف کئے اور مکتوبات خواجہ حمید الدین ناگوری ''سرور الصدور'' کی شکل میں سامنے آئے۔ ان ملفوظات ومکتوبات کے بعد جن قدیم تاریخی اور اسلامی کتابوں میں حضرت خواجہ غریب نواز کا ذکر اذکار ملتا ہے ان کا منبع وماخذ دراصل یہی تمام ملفوظات ہیں۔

ایک محتاط اندازے کے مطابق اس وقت تک برصغیر میں ایسی تقریباً 2ہزار سے زائد کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں کسی نہ کسی جگہ یا حواشی میں خواجہ غریب نواز کے حالات زندگی ملتے ہیں۔

دوسو کے لگ بھگ ایسی کتب ہیں جو صرف اور صرف خواجہ غریب نواز کے موضوع پر ہیں اوران میں خواجہ غریب نواز کی زندگی، شخصیت، مشن، تعلیمات اور افکار قلمبند کئے گئے ہیں۔

ابوالفضل کی، آئین اکبری' سے لیکر خواجہ معینی کی تصنیف، ہمارے خواجہ' تک ان تذکروں سوانح عمریوں اور تواریخ کی ایک طویل فہرست مرتب کی جا سکتی ہے۔

قدیم تاریخی کتب میں ابوالفضل کی تصانیف 'اکبرنامہ اور' آئین اکبری'' (نوٹ: یہ ابو الفضل اکبر بادشاہ کا اہم رتن اور مجاوران (خدام) درگاہ معلی کا قریبی رشتہ دار تھا) اور نور الدین جہانگیر کی تزک جہانگیری'، دارا شکوہ قادری کی سفینۃ الاولیاء' اور سکینۃ الاولیاء، شہزادی جہاں آراء بیگم کی مونس الارواح، اور ملا عبدالقادر بدایونی کی منتخب ''التواریخ'' خاص طور پر قابل ذکر ہیں کہ جن کے زیادہ تر حوالے بعد میں مورخین نے بھی درج کئے۔ جہاں تک

تذکروں کا تعلق ہے۔

ان میں تذکرۃ الانساب از علی اکبر اردستانی ''تذکرۃ الاولیاء'' از حضرت فرید الدین عطار ''تذکرۃ العابدین'' وامداد العارفین ''از نذیر احمد دیوبندی۔ ''تذکرۃ المعین'' از مولانا سید زین العابدین، ''تذکرۃ الاولیاء پاک و ہند از مفتی ولی حسن ٹونکی، تذکرۃ الواصلین'' از رضی الدین بدایونی، تذکرہ غوثیہ از غوث علی شاہ، تذکرہ صوفیائے بنگال، تذکرہ صوفیائے سرحد و سندھ از مولانا اعجاز الحق قدوسی، تذکرہ مشائخ دیوبند از مفتی عزیز الرحمٰن کے حوالہ جات سے قلمکاروں نے کچھ کچھ اخذ کیا ہے۔ اس کے بعد تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف، تاریخ مبارک شاہی از یحییٰ سرہندی، تاریخ مشائخ چشت از پروفیسر خلیق احمد نظامی، تاریخ ہندوستان از ایلیٹ، تاریخ الاولیاء از امام دین'' تاریخ السلف از خواجہ معینی اجمیری'' تاریخ تصوف اسلام از رئیس احمد'' تاریخ داؤدی از جمیل بیگ فقیر'' ''تاریخ راجستھان از ٹاڈ'' سے بھی بعض تذکرہ نویسی نے استفادہ کیا ہے۔ علاوہ ازیں جن دیگر کتب میں مصنفین و مولفین کی ایک بڑی تعداد نے خواجہ غریب نوازؒ کی شان اجمیری جھلکتی دکھائی ہے ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں۔ احسن السیر از مولانا شمس الدین طاہر، اخبار الاخیار از شاہ عبدالحق محدث دہلوی، اسانید الصنادید از خواجہ معنی اجمیری، اسرار السالکین از کواجہ شمس الدین مہروی، اسرار الطریقت از شاہ محمد غوث، بادشاہ نامہ از ملا عبدالحمید لاہوری، بحر الانساب از اخوند سالک، برکات اولیاء از امام الدین گلشن آبادی، بزم صوفیاء از سید صباح الدین عبدالرحمٰن، بہار معینی از مولانا عبدالعزیز سلطی دہلوی، اقبال نامہ جہانگیری از مرزا عرف معمد خان، آب کوثر از شیخ محمد اکرام، تحقیقات چشتی از مولوی نور احمد چشتی، کتاب الانساب از علامہ سمعانی، کتاب التحقیق از امین الدین حدیقۃ الاولیاء از مفتی غلام سرور، گنج الاسرار از حاجی محمد نوشہ، ماثر الامراء از نواب مہام الدولہ شاہ نور، ماثر الکرام از غلام علی آزاد بلگرامی، معارج الولایۃ از غلام معین الدین، معین الارواح از خادم حسین زبیری، معین الاولیاء از دیوان امام الدین علی خان، معین العارفین از خادم حسین زبیری، سلک السلوک از ضیاء الدین بخشی، مناقب الحبوبین از نجم الدین چشتی،

نفحات الانس از ملا جامی، سیر الاقطاب از مولانا الہدیہ، سیر الاقطاب از شیخ اللہ دیا چشتی، سیر الاولیاء از سید محمد مبارک علوی کرمانی، سیر العارفین از مولانا جمالی، سیر المتاخرین از میر غلام حسین، سیر و سفر از مہاراجہ رکشن پرشاد، شمس المعارف از مولانا شاہ محمد سلیمان پھلواری، طبقات اکبری از خواجہ نظام الدین ہروی، طبقات ناصری از منہاج سراج، کتاب الاعرائس از شیخ محمد علی اصغر چشتی، چشتی دربار از ندیم سیوہارہ، خلاصۃ التواریخ از سوجان رائے، حکایات اولیاء از اشرف علی، حقیقت گلزار صابری از شاہ محمد حسن صابری چشتی، خواجہ عثمانی ہارونی از مولانا اعجاز علی اعجاز، خواجہ فخر الدین گردیزی از علامہ معنی اجمیری، خواجہ فرید الدینؒ از علامہ معنی اجمیری، اسلام کا سرچشمہ قوت از مولینا سید ابو الاعلی مودودی، اجمیر کا چاند از مولانا امداد صابری دہلوی، اجمیر از چنڈت ہر بلاس شاردا، اجمیر کی کہانی از نور الدین آزاد، اولیائے چشت لاہور میں از محمد دین کلیم اور اذکار جمیل از حکیم محمد موسیٰ امرتسری، اسلام کی زندہ تحریک چشت از عبد الغفور غوری۔ وہ کتابیں جو صرف اور صرف خواجہ غریب نوازؒ کی حیات پر لکھی گئی ہیں ان میں حیات خواجہ تاریخ خواجہ از مفتی انتظام اللہ شہابی، خواجہ پیر کی درگاہ از علامہ خواجہ معنی اجمیری، خواجہ غریب نوازؒ از ڈاکٹر ظہور الحسن شارب، خواجہ غریب نوازؒ از ملک عنایت اللہ، خواجہ معین الدینؒ از ابو سلمان شاہجہان پوری، رسالہ غریب نوازؒ از شاہ اکبر ابو الفلائی داناپوری، سوانح عمری حضرت معین الدین چشتیؒ از سید محمد الیاس رضوی، میر اجمیر از نثار الملک میر احدی، ہمارے خواجہؒ از علامہ معنی اجمیری، خواجہ خواجگانؒ مرتبہ احمد رئیس اور خواجہ غریب نوازؒ اجمیری کے حقیقی سجادہ نشین از پروفیسر ڈاکٹر سید آل اظہر آنس یہ ہیں علم کے وہ خزانے جن میں خواجہ معین الدینؒ چشتی غریب نواز اجمیری کی مقدس زندگی کے گوہر نابدار اوراق کی صورت میں بکھرے ہوئے ملتے ہیں۔

☆-----☆-----☆

مصنف کا مختصر تعارف

خاندانی نام: سید احمد فہیم کاظمی المعروف سید فہیم رضا چشتی الکاظمی

قلمی نام: فہیم کاظمی

ماہر علم الانساب، شاعر ادیب، محقق

چیئرمین : فروغ ادب فاؤنڈیشن پاکستان

چیئرمین : خواجہ غریب نوازؒ فاؤنڈیشن پاکستان

مینجنگ ڈائریکٹر: تہذیب انٹرنیشنل پبلیکیشنز

طبع شدہ تصانیف

1۔سلطان الہند پہلا ایڈیشن 2013 دوسرا ایڈیشن 2014

2۔کرب شام 1999

3۔شام سے پہلے 2000

4۔مسنون دعائیں 2004

5۔روضۃ الاقطاب 2015

6۔درمکنون 2017

غیر مطبوعہ تصانیف

1۔شجرہ نور المعروف کوثر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

2۔مودّت (شاعری) 3۔وظیفہ .4۔چاند راتوں کی قسم (شاعری)

سلطان الہند





محبّی و مخلصی سید فہیم رضا چشتی الکاظمی نے اپنی دلکش کتاب ''سلطان الہند''میں شستہ زبان اور اپنے بزرگان چشت اہلِ بہشت کی محبت کو اساس بنا کر حضور خواجہ غریب نواز سیدنا معین الدین چشتی اجمیریؒ کی سوانح حیات جس علمی ،ادبی اور تحقیقی اسلوب میں یکجا کی ہے، وہ ہر اعتبار سے تشنگان علم و تحقیق اور وابستگان چشت کیلئے باعثِ اطمینانِ قلبی ہے۔مصنف نے محدود صفحات میں کمال خوبی سے خواجہءِ بزرگؒ کی زندگی کے وہ تمام واقعات جمع کر دیے، جن کا مطالعہ آج بھی قاری پر وجدانی کیفیت طاری کر دیتا ہے اور اس کا دل فرط محبت اولیائے عظام کی عظمت و ایثار کے ساتھ سر تسلیم خم کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

خیر اندیش

پیرِ طریقت رہبرِ شریعت شیخ المشائخ

پیر سید دیوان آلِ حبیب علی چشتی الکاظمی

(چیف آف سادات کاظمی الچشتی پاک و ہند)

سجادہ نشین درگاہِ معلٰی سلطان الہند خواجہ غریب نوازؒ اجمیر شریف